ماہنامہ
حنا
فروری 2013
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

انٹرویو

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،

monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! فروری 2013ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

گزشتہ شمارہ سالگرہ نمبر تھا، جس کی قارئین نے بھرپور پذیرائی کی۔ جس کے لئے ہم آپ کے شکر گزار ہیں، آپ کی حوصلہ افزائی نے ہماری ہمت بڑھائی ہے انشاء اللہ ہم آئندہ بھی آپ کی توقع پر پورا اترنے کی کوشش کریں گے۔

اس وقت ملک توانائی کے شدید بحران کی زد میں ہے، بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ نے ملک بھر میں کاروبار ٹھپ کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے ہزاروں لوگ بے روزگار ہوگئے ہیں، مگر ارباب اختیار کی جانب سے اس مسئلے کے حل کے لئے کوئی کوشش نہیں کی جا رہی۔ اس معاملے میں حکومتی اہلکاروں کی جانب سے کھربوں روپے کی کرپشن کے قصے عام ہیں، سپریم کورٹ نے رینٹل پاور کیس میں راجہ پرویز اشرف اور دیگر ملزموں کو گرفتار کرنے کا حکم بھی دیا ہے، مگر ہنوز اس معاملے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ اس کیس کے ایک تفتیش کار کی پراسرار موت نے اس معاملے کو اور الجھا دیا ہے۔

اس بحران کے باعث ملک سے بڑی تعداد میں صنعتیں دوسرے ممالک کو منتقل ہونے اور ملک سے سرمائے کے فرار نے ملک کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے، اس سے بیروزگاری میں اضافہ اور ملکی معشیت کی تباہی ہو رہی ہے، اگر اس صورتحال کا ازالہ نہ کیا گیا اور کرپشن میں ملوث افراد کو قرار واقعی سزا دے کر ان سے ملکی دولت کو واپس نہ لیا گیا تو شاید ملک کو دیوالیہ ہونے سے بچایا نہ جا سکے گا۔

اس شمارے میں:۔ اداکارہ عائشہ عمر سے ملاقات، سمیرا گل اور صبا جاوید کے مکمل ناول، سندس جبیں اور صدف اعجاز کے ناولٹ، اُم مریم کا سلسلے وار ناول اور حمیرا خاں، فوزیہ احسان رانا، سیمی کرن، نازیہ ضیاء، ساجدہ تاج، نسرین خالد اور عشاء بھٹی کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

آغا سہراب لدھیانوی

تیری یاد کا جب پڑا دل پہ سایا
قلم میں نے تیری ثنا کا اٹھایا

تو گل میں گلستاں میں جلوہ نما ہے
یہ سچ ہے تو دونوں جہاں کا خدا ہے

تیرا روپ تاروں میں ہر سو عیاں ہے
ترا نور خورشید میں ضو فشاں ہے

تو دشت و جبل میں تو کوہ و دمن میں
معطر معطر کلی میں چمن میں

عیاں ہر طرف ہے تیری کبریائی
ازل سے ہے قائم تیری بادشاہی

میرے سارے رنج و الم دور کر دے
میرا دل مسرت سے بھرپور کر دے

کہ سہراب رہتا ہے تیری لگن میں
تیرا ذکر ہے اس کے کام و دہن ہیں

زبیر کنجاہی

ارفع ہیں بے مثال ہیں یکتا حضورؐ ہیں
پُر نور دستگیر و اجالا حضورؐ ہیں

دونوں جہاں کی رونقیں بس آپؐ ہی سے ہیں
کچھ شک نہیں ہے عزت والا حضورؐ ہیں

جو تھے فقیر ان کو تو نگر بنا دیا
ہر ایک بے نوا کا وسیلہ حضورؐ ہیں

میرا تو ورد صبح و مسا ان کا نام ہے
گویا صداقتوں کا خزینہ حضورؐ ہیں

صحرا بنے ہیں آپؐ کی آمد پہ مرغزار
ہر گل میں ہر شجر میں ہویدا حضورؐ ہیں

میں ہوں زبیر ان کے غلاموں کا بھی غلام
سب ہیں غلام اور شہنشاہ حضورؐ ہیں

☆☆☆

سید اختر ناز

عرب دور جاہلیت میں

دور جاہلیت میں عرب اپنی فطری صلاحیتوں اور بعض عادات و اخلاق میں تمام دنیا میں ممتاز تھے، فصاحت و بلاغت اور قادرالکلامی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، آزادی و خودداری ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی، شہسواری و شجاعت میں وہ بے بدل تھے، عقیدہ کے پرجوش صاف گو اور جفاکشی کے عادی، ارادے کے پکے، زبان کے سچے، وفاداری اور امانت داری میں ضرب المثل تھے۔

لیکن انبیاء اور ان کی تعلیمات سے دوری اور ایک جزیرہ نما میں صدیوں سے مقید رہنے کی وجہ سے اور باپ دادا کے دین اور قومی روایات پر سختی سے قائم ہونے کے سبب وہ دینی و اخلاقی حیثیت سے بہت گر چکے تھے، چھٹی صدی میں زوال اور انحطاط کے آخری نقطہ پر تھے، کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا اور اس میں دنیا کے امام تھے، اخلاقی و اجتماعی امراض، ان کے معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہے تھے، مذہب کی اکثر خوبیوں سے وہ محروم اور جاہلیت کی زندگی کی بدترین خصوصیتوں میں مبتلا تھے۔

عرب میں ہر گھر کا بت جدا تھا، جس کی گھر والے پرستش کرتے تھے، جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا تو روانگی کے وقت گھر پر اس کا آخری کام یہ ہوتا کہ اپنے بت کو حصول برکت کے لئے چھوتا اور جب سفر سے واپس آتا تو گھر پہنچ کر پہلا کام یہ کرتا کہ اپنے بت کو تبرکاً ہاتھ لگاتا۔

کسی نے ایک بت خانہ بنا رکھا تھا، کسی نے بت تیار کرلیا تھا، جو بت خانہ نہیں بنا سکتا تھا یا بت نہیں تیار کرسکتا تھا وہ حرم کے سامنے ایک پتھر گاڑ دیتا یا حرم کے علاوہ جہاں بہتر سمجھتا پتھر گاڑ کر اس کے گرد اسی شان سے طواف کرتا جس طرح بیت اللہ کے گرد طواف کیا جاتا ہے، ان پتھروں کو وہ انصاب کہا کرتے تھے اور اگر اچھی قسم کا پتھر مل جاتا وہ پہلے پتھر کو پھینک کر اس نئے پتھر کو لے لیتے اور اگر پتھر نہ پاتے تو مٹی کا ایک ڈھیر بناتے اور اس پر بکری کو لا کر دوہتے پھر اسی کا طواف کرتے۔

مشرکوں کا ہر زمانہ اور ہر ملک میں جو حال رہا ہے، وہی حال عرب کا تھا، ان کے متعدد اور مختلف معبود تھے جن میں فرشتے، جن، ستارے سب شامل تھے، فرشتوں کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے ان سے شفاعت کے طلب گار ہوتے، ان کی پرستش کرتے اور ان کو وسیلہ بناتے، جنوں کو اللہ کا شریک کار سمجھتے، ان کی قدرت اور اثر اندازی پر ایمان رکھتے اور ان کی پرستش کرتے۔

اخلاقی اعتبار سے ان کے اندر بہت سی بیماریاں پائی جاتی تھیں، شراب عام طور پر پی جاتی تھی اور ان کی گھٹی میں پڑی تھی، شراب کی دکانیں عام تھیں اور علامت کے طور پر ان دکانوں پر جھنڈا لہراتا، جو بہت بڑائی اور خوبی کی بات تھی اور اس میں شرکت نہ کرنا بزدلی اور خوبی

کی علامت تھی، زمانہ جاہلیت میں ایک شخص اپنے گھر بار کو داؤ پر رکھ دیتا، پھر حسرت سے اپنے گئے ہوئے مال کو دوسروں کے ہاتھ میں دیکھتا، اس سے نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکتی اور جنگوں کی نوبت آتی، حجاز کے عرب اور یہودی سودی لین دین اور سود در سود کا معاملہ کرتے، اس سلسلے میں بڑی بے رحمی اور سخت دلی کے مظاہرے ہوتے۔

عورت کے ساتھ ظلم و بدسلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی، اس کے حقوق پامال کیے جاتے، اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے، وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصہ نہ پاتی، شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کرسکے، دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی، مرد تو اپنا پورا پورا حق وصول کرتا لیکن عورت اپنے حقوق سے مستفید نہیں ہوسکتی تھی، کھانے میں بہت سے ایسی چیزیں تھیں جو مردوں کے لئے خاص تھیں اور عورتیں ان سے محروم تھیں، لڑکیوں سے نفرت اسی درجہ بڑھ گئی تھی کہ انہیں زندہ دفن کرنے کا بھی رواج تھا، بعض ننگ و عار کی بنا پر، بعض خرچ و مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرتے، عرب کے بعض شرفا اور روسا ایسے موقعوں پر بچیوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچاتے، مصعصہ بن ناجیہ کا بیان تھا کہ اسلام کے ظہور کے وقت میں تین سو زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو فدیہ دے کر بچا چکا تھا، بعض اوقات کسی سفر یا مشغولیت کی وجہ سے لڑکی سیانی ہو جاتی اور دفن کرنے کی نوبت نہ آتی، تو ظالم باپ دھوکہ دے کر اس کو لے جاتا اور بڑی بے دردی سے زندہ دفن کر دیتا، اسلام لانے کے بعد بعض عربوں نے اس سلسلے میں بڑے اندوہناک اور رقت انگیز واقعات بیان کیے ہیں۔

عرب کے سفاکانہ اعمال میں سب سے زیادہ بے رحمی و سنگ دلی کا کام معصوم بچوں کو مار ڈالنا اور لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا تھا کیونکہ لڑکیاں شرم و عار کا باعث سمجھی جاتی تھیں۔

اہم خصوصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کتاب (قرآن پاک) اس علانیہ دعوے کے ساتھ پیش کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے، اس کتاب کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یقینی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کوئی آمیزش نہیں ہوئی ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا قول بھی اس میں شامل نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کو اس سے بالکل الگ رکھا گیا ہے، بائبل کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے حالات اور عربوں کی تاریخ اور زمانہ نزول قرآن میں پیش آنے والے واقعات کو اس میں کلام الٰہی کے ساتھ غلط ملط نہیں کر دیا گیا، یہ خالص کلام اللہ (WORD OF GOD) ہے، اس کے اندر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا ایک لفظ بھی شامل نہیں ہوا ہے، اس کے الفاظ میں سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے جوں کا توں یہ ہمارے زمانے تک منتقل ہوا ہے، یہ کتاب جس وقت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کسی کاتب کو بلاتے اور اسے لکھوا دیتے تھے، لکھنے کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطمینان کر لیتے تھے کہ کاتب نے اسے صحیح لکھا ہے، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے محفوظ جگہ رکھ دیتے تھے، ہر نازل شدہ وحی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کاتب کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے کس سورہ میں کس آیت سے پہلے اور کس کے بعد درج کیا جائے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن پاک کو ترتیب بھی دیتے رہے تھے، یہاں تک کہ وہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

پھر نماز کے متعلق آغاز اسلام ہی سے یہ ہدایت تھی کہ اس میں قرآن مجید پڑھا جائے، اس لئے صحابہ کرام اس کے نزول کے ساتھ ساتھ اس کو یاد کرتے جاتے تھے، بہت سے لوگوں نے اسے پورا یاد کرلیا اور ان سے بہت زیادہ بڑی تعداد ایسے صحابہ کی تھی، جنہوں نے کم وبیش اس کے مختلف حصوں سے اپنے حافظے میں محفوظ کر لیے تھے، ان کے علاوہ وہ متعدد صحابہؓ جو پڑھے لکھے تھے، قرآن کے مختلف حصوں کو بطور خود لکھ بھی رہے تھے، اس طرح قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں محفوظ ہو چکا تھا،

پس یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ آج جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے، یہ لفظ بہ لفظ وہی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلام اللہ کی حیثیت سے پیش فرمایا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تمام حافظوں اور تمام تحریری نسخوں کو جمع کر کے اس کا ایک مکمل نسخہ کتابی صورت میں لکھوایا۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اس کی نقلیں سرکاری طور پر دنیائے اسلام کے مرکزی مقامات کو بھیجی گئیں، ان میں سے دو نقلیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں، ایک استنبول میں دوسری تاشقند میں، جس کا جی چاہے قرآن مجید کا کوئی مطبوعہ نسخہ لے جا کر ان سے ملالے، کوئی فرق نہ پائے گا اور فرق ہو کیسے سکتا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ہر پشت میں لاکھوں اور کروڑوں حافظ موجود رہے ہیں، ایک لفظ بھی اگر کوئی شخص بدلے تو یہ حفاظ اس کی غلطی پکڑ لیں گے، پچھلی صدی کے آخر میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی کے ایک انسٹی ٹیوٹ نے دنیائے اسلام کے مختلف حصوں سے ہر زمانے کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے قلمی اور مطبوعہ بیالیس ہزار نسخے جمع کیے تھے، پچاس سال تک ان پر تحقیقی کام کیا گیا، آخر میں جو رپورٹ پیش کی گئی وہ یہ تھی کہ ان نسخوں میں کتابت کی غلطیوں کے سوا کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ یہ پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی تک کے نسخے تھے اور دنیا کے ہر حصے سے فراہم کیے گئے تھے، افسوس کہ دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی پر بمباری کی گئی تو وہ انسٹی ٹیوٹ تباہ ہو گیا لیکن اس کی تحقیقات کے نتائج دنیا سے ناپید نہیں ہوئے۔

ایک اور بات قرآن کے متعلق یہ بھی نگاہ میں رکھیے کہ جن زبان میں یہ نازل ہوا تھا، وہ ایک زندہ زبان ہے، عراق سے مراکو تک کروڑوں انسان آج بھی اسے مادری زبان کی حیثیت سے بولتے ہیں اور غیر عرب دنیا میں بھی کروڑوں افراد اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، عربی زبان کی گرامر، اس کی لغت، اس کے الفاظ کے تلفظ اور اس کے محاورے چودہ سو برس سے جوں کے توں قائم ہیں، آج ہر عربی داں اسے پڑھ کر اسی طرح سمجھ سکتا ہے جس طرح چودہ سو برس پہلے کے عرب سمجھتے تھے۔

یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اہم خصوصیت جو ان کے سوا کسی نبی اور کسی پیشوائے مذہب کو حاصل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوع انسانی کی ہدایت کے لئے جو کتاب ان پر

نازل ہوئی تھی، وہ اپنی اصل زبان میں اپنے اصل الفاظ کے ساتھ بلاتغیر وتبدل موجود ہے۔

ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ کا ہاتھ جماعت کے اوپر ہوتا ہے جو جماعت سے الگ ہوگا وہ آگ میں جا پڑے گا۔

بھائی سے مراد مسلمان بھائی ہے، ظالم کی مدد اس طرح کہ اسے ظلم سے روکا جائے۔

مظلوم کی بددعا سے ڈرو، اس لئے کہ اس کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

انسان اپنے بھائی کے سبب بہت کچھ بن جاتا ہے، یعنی زیادہ لگتا ہے۔

اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور سب سے پہلے اسے وہ جس کی تم پر ذمہ داری آتی ہے۔

بہترین کمائی کرنے والا وہ مزدور ہے جو نیک نیتی سے محنت کرے۔

جب تم میں سے کوئی کام کرے تو اسے پختہ طریقے سے انجام دے۔

اللہ کے نزدیک بہترین کام وہ ہے جس میں باقاعدگی ہو۔

کسی قوم کی زبان سیکھ لو، اس کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

مومن وہ ہے جسے اپنی برائی سے افسوس ہو اور اپنی نیکی سے مسرت حاصل ہو۔

دو آدمیوں کا کھانا تین کے لئے اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے۔

فراخی وخوش حالی کی امید رکھنا بھی عبادت ہے۔

انسان کے اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ وہ فضول باتوں کو چھوڑ دے۔

لوگوں کو تم دولت سے اپنا گرویدہ نہیں کر سکو گے، اس لئے انہیں اپنے اخلاق سے گرویدہ کرو۔

وہ نعمتیں ایسی ہیں جن سے بہت سے لوگ محروم ہوتے ہیں، صحت وفراغت۔

اگر تم بولنے کی بہترین صلاحیت کے مالک ہو تو ان صلاحیتوں کو اپنے اس بھائی کی ترجمانی میں صرف کرو جو گفتگو پر قادر نہیں تو یہ بھی صدقہ ہے۔

بھلائی تو بہت ہے مگر اسے کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔

نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔

دل کا اندھا پن سے بڑا اندھا پن ہے۔

راستوں میں مت بیٹھو، اگر بیٹھنا ہی ہو تو پھر نظریں جھکا کر رکھو، سلام کا جواب دو، بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھاؤ اور کمزور کی مدد کرو۔

اگر انسان کے پاس دو سونے کی وادیاں بھی ہوں تو وہ تیسری وادی کا طلب گار بن جائے گا۔

جس کا کھانا بہت ہو، اس کی بیماری بہت ہو اور جس کی غذا کم ہو اس کی دوا کم ہو۔

دو چہروں والا (منافق) اللہ کے نزدیک کبھی معزز نہیں ہو سکتے۔

ایمان میں وہی کامل ترین ہے مومن، جو اخلاق میں سب سے بہتر ہے۔

مومن تو اپنے حسن اخلاق سے، روزہ اور نماز گزار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

زبان کی تیزی سے بڑھ کر انسان کو کوئی بری چیز نہیں دی گئی۔

دنیا اور اس کی زینت کے بارے میں فرمایا، موسم بہار جو کچھ اگاتا ہے، اس میں ایسے پودے بھی ہوتے ہیں جن کے کھانے سے

جانوروں کے پیٹ پھول جاتے ہیں اور وہ مر جاتے ہیں۔

بحران کا شدت اختیار کرنا اس کا حل ہوتا ہے۔

مومن کی مثال شہد کی مکھی سی ہے جو پاکیزہ کھاتی ہے اور شہد کی شکل میں پاکیزہ کھلاتی ہے۔

عمل کی مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔

جھوٹ کے ثبوت کے لئے یہ کافی ہے کہ انسان جو کچھ سنے اس کو بیان کرتا پھرے۔

جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکریہ بھی ادا نہ کیا۔

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مشورہ کر لینے کے بعد کوئی انسان تباہ نہیں ہوگا۔

مجھے بلند اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا۔

متکبر کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے۔

چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ہر نیکی صدقہ ہوتی ہے۔

انسان کا حسن اس کی زبان میں پوشیدہ ہے۔

دین اخلاص و خیر خواہی کا نام ہے۔

بھلائی کا راستہ بتانے والا اس کے کرنے والے کی طرح ہے۔

امیری دل کی امیری ہے۔

اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

مانگنا ذلت ہے۔

اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

ظلم قیامت کے دن تاریکی ہی تاریکی ہو گا۔

جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امین ہوتا ہے۔

مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

طاقتور مومن، کمزور مومن سے بہتر ہے۔

آدمی کی جنت اس کا گھر ہوتا ہے۔

ندامت بھی توبہ ہے۔

شر کا دامن چھوڑ دینا بھی صدقہ ہے۔

قیامت کے دن

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، اے قوم کے بیٹے! میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ کہے گا، اے پروردگار! میں تیری کیسے عیادت کرتا تو تو رب العالمین ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، اے آدم! کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، وہ کہے گا، اے پروردگار! میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا تو تو خود رب العالمین ہے، اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا، کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، وہ کہے گا، اے پروردگار! میں تجھے کیسے پانی پلاتا تو تو خود رب العالمین ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگ تھا تو نے اس کو پانی نہیں پلایا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

☆☆☆

انشاء نامہ

ابن انشاء

لوگ وقت پڑنے پر گدھے کو تو باپ بنایا ہی کرتے ہیں اور یہ بالکل جائز اور محاورے کے مطابق ہے، لیکن کیا زمانہ آن لگا ہے کہ گھوڑے کو بھی باپ بنانے لگے ہیں، بات یہ ہے کہ فی زمانہ گدھے گھوڑے کی تمیز اٹھ گئی ہے، کہاں گدھا ذات شریف، مسکین، بوجھ اٹھانے والا اور کان تک نہ ہلانے والا، کہاں گھوڑا جسے سوائے بحر ظلمات میں دوڑنے اور لید کرنے کے کوئی کام نہیں، یہ خیالات زریں، حکمت آمیز اور عبرت انگیز ہمارے ذہن میں اخبار کی ایک سرخی دیکھ کر آئے کہ "باپ رے باپ" کے جیتنے کا چانس بہت ہے۔" پہلے تو ہم چکرائے کہ اس نئی تہی اور جزیشن گیپ کے زمانے میں باپ کے جیتنے کا ذکر، معلوم ہوا کہ ہماری نگاہیں پھسلتی پھسلتی گھوڑ دوڑ کی خبروں پر ٹکی تھیں، باپ رے باپ، کسی نے اپنے ریس کے گھوڑے کا نام رکھا ہے، گھوڑے کے نام آج کل فصیح و بلیغ عربی، فارسی میں رکھنے کا رواج ہے، مثلاً دست صبا، بال جبریل، منطق الطیر، شان قلندری، ازالہ اوہام، فک الرہن، مکبر الصوت، وجع الفاصل وغیرہ، اس لئے اتنے سلیس اور عام فہم نام پر ہمیں تعجب بھی ہوا، پھر خیال آیا کہ یہ عربی گھوڑا نہیں ہوگا، یہیں کا ہوگا، فقط یہاں کی زبان سمجھتا ہوگا اور یہیں کے محاوروں کا وقوف رکھتا ہوگا، مثلاً باپ پہ پوت پتا پہ گھوڑا، بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا، کیا عجب کہ اس کا باپ بھی گھوڑا ہی رہا ہو۔

☆☆☆

ہمیں گھڑ دوڑ سے رغبت نہیں کہ یہ فن شریف فلمچیوں، اسمگلروں، بلیک مارکیٹوں اور ناکام سیاستدانوں کا ہے، یا پھر کراچی کی ایک بیگم کے بارے میں اسی ہفتے خبر آئی کہ لاہور ریس کورس میں ایک روز میں دو لاکھ ہار کر بھی ان کی پیشانی پر بل نہ آیا، بلکہ جیتنے والوں کو اپنی کار میں ان کے گھر پر چھوڑنے گئیں، ان ہی لوگوں کے لئے سال دو سال پہلے قلعہ لاہور کے دامن میں کتوں کی دوڑ شروع کی گئی تھی، یہ کتے دوڑتے جاتے تھے اور مینار پاکستان پر بھونکتے جاتے تھے، گھوڑوں اور کتوں کے علاوہ انسانوں کی بھی دوڑیں ہوتی ہیں، پانچ سو گز یا ہزار گز کی دوڑ کے علاوہ بھی، مثلاً عہدے کی دوڑ، منصب کی دوڑ، امارت کی دوڑ، سفارت اور وزارت کی دوڑ، پھر ایک گردش ایام کی دوڑ بھی ہوتی ہے، اسے پیچھے کی طرف دوڑاتے ہیں اور ماضی مرحوم کی چراگاہ میں پہنچاتے ہیں، ہمارے قبلہ نسیم حجازی مصنف کتب کثیرہ اسلامی و تاریخی کا اس خصوص میں بڑا نام ہے، کیونکہ ان کی شب و روز یہی کام ہے، اپنے اشہب خیال کو مہمیز ولولہ انگیز دے کر گداتے ہیں تو قاری کے خون کو یک دم جوش میں لاتے ہی، خون کی جولانی اور جذبہ جہاد کی فراوانی سے اکثر تماشائیوں کی نکسیر بھی پھوٹ جاتی ہے، اس ریس کو دیکھنے سے پہلے ایمبولینس کا انتظام کر لینا مستحسن ہے۔

☆☆☆

ایک دوڑ ملا کی بھی مشہور ہے، پہلے ملا کی

دوڑ مسجد تک ہوا کرتی تھی، لیکن جب سے یہ لوگ جماعتیں اور جمعیتیں بنا کر دوڑنے لگے ہیں، اسمبلی تک ہوگئی ہے، کوئی کوئی تو کنگرہ وزارت کو بھی چھو آتا ہے، جو ملا محض دو پیازے ہیں، ان کو بھی یہی آرزو کرتے دیکھا ہے کہ یا اللہ بقیہ عمر دین کی خدمت کا دم بھرتے اور جھنڈے والی کار میں سفر کرتے گزرے، پھر مسجد کا حجرہ ان کو نہیں بھاتا، کیونکہ ائیر کنڈیشنڈ نہیں ہوتا، ویسے کبھی ایسے نہیں ہوتے۔

☆☆☆

ہمارا شمارہ نہ ہویں میں نہ شیوں میں، نہ ہم دین کی دوڑ کے قابل، نہ دنیا کی دوڑ کے، بلکہ کسی بھی قسم کی دوڑ کو خفیف الحرکتی سمجھتے ہیں، ہماری مثال بنئے کے کٹے کی ہے، کٹا کہتے ہیں پنجابی میں بھینس کے لخت جگر کو، صاحبزادے کو، برخور دار کو، بنیئے کا کٹا اور جاٹ کا کٹا ہم عمر اور دوست تھے، جاٹ کے کٹے نے کہا، آؤ بھئی کھیلیں، بنئے کے کٹے نے کہا، ایسا کھیل کھیلیں جس میں دو پیسے کا منافع ہو اور اگر یہ نہ ہو تو کم از کم کوئی نقصان تو نہ ہو، جاٹ کے کٹے نے کہا، "دوڑنا دوڑنا" کھیلیں، بنیئے کے کٹے نے کہا، نا بھئی نا، دم پھول جائے گا، اب جاٹ کے کٹے نے کہا، اچھا کودنا کودنا کھیلیں، بنئے کے کٹے نے اس سے بھی نا کی اور کہا ناحق کو گھر گھسیں گے، آخر جاٹ کے کٹے نے کہا، تم ہی بتاؤ کیا کھیلیں، بنئے کے کٹے نے کہا، کوئی بھلے مانسوں کا کھیل ہونا چاہیے، لیٹنا لیٹنا کھیلیں، صاحبو، لیٹنا لیٹنا قومی کھیل بھی ہے، بے شک لیٹنے اور لیٹے رہنے اور لیٹنا لیٹنا کھیلنے والا آج کل کی اصطلاح میں ترقی نہیں کرسکتا، لیکن یہ خوبی کیا کم ہے کہ اس کا دم نہیں پھولتا اور گھر نہیں گھستے۔

☆☆☆

بعض لوگ گھوڑوں کی ریس کو جوا سمجھتے ہیں، ہمارا یہ خیال نہیں ہے بے شک اس میں شرطیں لگتی ہیں اور لاکھوں کا ہیر پھیر ہوتا ہے، لیکن یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ گھوڑوں کی ورزش ہوتی ہے اور ان کی صحت ٹھیک رہتی ہے، پھر اس سے ٹیکس کی صورت میں کچھ آمدنی بھی کسی نہ کسی کو ہوتی ہو گی اور یہاں آنے کے لئے اکثر لوگ شراب پی کر آتے ہیں یا یہاں سے جا کر شراب پیتے ہیں، جیت کر خوشی منانے اور ہار کر غم غلط کرنے کے لئے تو اس سے مزید آمدنی ہوتی ہے، کیونکہ شراب پر بھی بھاری ٹیکس ہے، جس چیز سے قوم کو مالی یا کوئی اور قسم کا فائدہ پہنچتا ہو، وہ کیسے مضر یا حرام ہوسکتی ہے۔

☆☆☆

شراب کے باب میں لوگوں کے دلوں میں ناحق کے شکوک ہیں، لاہور میں کسی کو شراب پینی ہو تو ذمہ دار ڈاکٹر با قاعدہ سرٹیفکیٹ دیتے ہیں کہ حامل ہذا کی صحت تبھی قائم رہ سکتی ہے اگر یہ شراب پیتا رہے اور پرمٹ دینے والے پرمٹ دیتے ہیں کہ نہ دیا تو بے چارہ خرابی صحت سے مر جائے گا، اپنے بچوں کو یتیم کر جائے گا، آپ نے لاہور کے نرگس سمیرا ہوٹل چھلانگ کیس کی خبروں میں دیکھا ہوگا کہ ملزموں کے پاس شراب پینے کے با قاعدہ پرمٹ تھے، یعنی ان کی صحتیں خراب تھیں، غالباً وہ ان بیبیوں سے علاج کرانا چاہتے تھے کہ پکڑے گئے، جوئے کے متعلق بھی یہ مسئلہ ہم نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ بغدادی اور کلا کوٹ قسم کے پسماندہ علاقہ میں تو ناجائز ہے، معیوب ہے، بلکہ قابل دست اندازی پولیس جرم ہے، لیکن ریس کورس ہو یا کلب میں ہو یا کیسینو میں ہو اور اس کی چراغی نکالی جائے، یعنی ٹیکس وغیرہ دیا جائے، تو یہ جائز ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

عائشہ عمر سے ملاقات

کاشف گوریجہ

نیشنل کالج آف آرٹس نے پاکستان وانڈین فلم وڈرامہ انڈسٹری کو بے شمار ٹیلنٹ سے متارف کروایا جن میں مشہور و معروف اداکار، سنگر، ڈریکٹر، مصور، موسیقار شامل ہیں انہی معروف شخصیات میں ایک ہماری آج کی شخصیت عائشہ عمر ہیں عائشہ عمر کا تعلق ضلع لاہور سے ہے۔ سکول کے زمانہ سے ہی عائشہ عمر کو اداکارہ بننے کا شوق تھا اور وہ اپنے سکول کی ڈرامہ مینجمنٹ کی ڈریکٹر رہی یہ شوق وقت کے ساتھ ساتھ پنپتا گیا بلآخر نیشنل کالج فائن آرٹس نے ان کے اندر کی صلاحیتوں کو باہر نکالا کالج میں ہونے والے ڈرامہ فیسٹیولز میں اپنے فن کا جوہر دکھانے والی عائشہ عمر نے شعبہ فائن آرٹس میں ماسٹرز کیا ایکٹر، پینٹر، ڈریکٹر، ہوسٹ، ماڈل ہونے کے ساتھ ساتھ عائشہ بہترین سنگر بھی ہیں۔

این سی اے ڈرامہ گروپ "نوٹنکی" نے ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا اور نیشنل کالج آف آرٹس سے ان کو بیسٹ فیمیل پرفارمر ایوارڈ سے نوازا گیا۔

☆ آپ نے ڈرامہ ہوسٹنگ، فلم، اور بطور گلوکارہ اپنے فن کا آغاز کیا سب سے زیادہ مزہ کس فیلڈ میں آیا؟؟؟

● مجھے کام کرنا اچھا لگتا ہے، خاص طور پر وہ کام جن میں میں اپنے آپ کو ماہر سمجھتی ہوں خواہ وہ پینٹنگ ہو ایکٹنگ ہو یا سنگنگ ہو مجھے ہر کام میں مزہ آتا ہے۔

☆ اگر آپ کو اپنے ہنر میں سے کسی کو

چننے کا کہا جائے تو آپ کس کا انتخاب کریں گی؟؟؟

میرے خیال میں میں پینٹنگ اور سنگنگ کا انتخاب کروں گی۔

☆ آپ نے نیشنل کالج آف آرٹس سے شعبہ فائن آرٹس میں ماسٹرز کیا، کیا آپ کے کام کی کوئی نمائش بھی لگی؟؟؟

جی میرے بنے ہوئے سیلف پورٹریٹس کی ایگزیبیشن لگ چکی ہے۔

☆ آپ کے ڈرامہ میں آپ کو کون سا ڈرامہ زیادہ پسند ہے؟؟؟

یہ انتخاب تھوڑا مشکل ہے ڈرامہ تو تقریباً سارے ہی اچھے گئے ہیں، لیکن "زندگی گذر گئی" زیادہ پسند آیا۔

☆ آپکے اب تک ریلز ہونے والے کتنے ڈرامہ ہیں اور کن چینلز پر ریلیز ہوئے اور سب سے زیادہ شہرت کس نے حاصل کی؟؟؟

کافی ہیں، جن میں "میری ذات ذرہ بے نشان" جیو پر اور ڈولی کی آئے گی بارات میں میرا کردار صلہ کا تھا یہ ڈرامہ اے آر وائے پر ریلیز ہوا جیو ٹی وی کے ایک ڈرامہ لیڈیز پارک میں بطور نتاشہ اور بلبلے جس میں خوبصورت کا رول پلے کیا جو سب سے زیادہ مقبول ہوا

☆ ادب آرٹ اور موسیقی سے آپ کو گہری دلچسپی ہے آپ کا سٹار کیا ہے؟؟؟

سٹارز پر یقین نہیں ہے میری ڈیٹ آف برتھ 1 اکتوبر 1980 ہے۔ ادب آرٹ اور موسیقی سے شروع سے لگاؤ تھا۔

☆ زیادہ تر لوگوں کا بچپن شرارتوں سے بھرپور گزرتا ہے آپ کا بچپن کیسا گزرا؟؟؟

آف کورس شرارتوں سے بھرپور شرارتی تھی۔

☆ زندگی کے بارے میں آپ کا کیا فلسفہ ہے؟؟؟

نہایت سمپل کہ ایک انسان کا موڈ حالات کے منشا ہونا چاہیے غیر لچکدار رویہ اس کے لیے مشکلات کھڑی کر سکتا ہے۔

☆ زندگی میں شارٹ کٹ کی آپ کے نزدیک کیا اہمیت ہے؟؟؟

کچھ لوگ زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے لیے شارٹ کٹ اختیار کرتے ہیں لیکن میری نظر میں شارٹ کٹ کیا اثرات دیرپا نہیں ہوتے۔

☆ اپنی فیملی کے بارے میں بتائیں کہ گھر میں کتنے افراد ہیں اور اُن کے ساتھ وقت گزارنا کیسا لگتا ہے؟؟؟

میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے میرا چھوٹا بھائی اور میری والدہ جو کہ کراچی میں مقیم ہیں اکثر لاہور آتے ہیں اُن کے ساتھ وقت گزار کے بہت اچھا لگتا ہے۔

آپ کی زندگی کا سب سے خوبصورت لمحہ ہمارے ساتھ شیئر کرنا پسند کریں گی؟؟؟

کوئی خاص لمحہ تو یاد نہیں ہے ہاں مگر میری زندگی کا ہر وہ لمحہ بہت قیمتی اور یادگار ہوتا ہے جب میری ماں میرے ساتھ ہوتی ہیں۔

☆ ککنگ شو کی میزبانی کا تجربہ کیسا

رہا؟؟؟

یہ ایک شاندار تجربہ تھا اس سے میں نے اپنے شائقین سے کافی داد حاصل کی۔

☆ آپ کے کردار میں ایسی کون سی علامات ہیں جو آپ کو پسند ہیں؟؟؟

مجھے ایسے لوگوں سے نفرت ہے جو دل میں چھوٹی چھوٹی باتیں رکھ کر موڈ بنائے رکھتے ہیں ایسی عادت میرے اخلاق میں نہیں ہے اور یہی مجھ کو پسند ہے۔

☆ آپ اپنے سینئر فنکاروں سے کیا سبق حاصل کرتی ہیں؟؟؟

سینئر فنکار اپنی ذات کے اندر ایک ادارہ ہوتے ہیں میری کوشش رہتی ہے کہ میں اپنے سینئر فنکاروں کی عزت کروں اور اُن سے کچھ نہ کچھ حاصل کروں۔

☆ فیشن کی دنیا میں آپ کو کیسا لباس پسند ہے اور کس ڈیزائنر سے انسپائر ہیں؟؟؟

ہر وہ لباس جو مکمل ہو خوبصورت ہو اور جس کے رنگ جاذب نظر ہوں۔

☆ آپ کی نظر میں بہترین مشورہ کیا ہے؟؟؟

میری نظر میں بہترین مشورہ جس پہ میں خود بھی عمل پیرا ہوں کہ "صبر کامیابی کی چابی ہے"

☆ ہمارے میگزین کی طرف سے پڑھنے والوں کو کیا پیغام دینا پسند کریں گی؟؟؟

سچ بولیں اپنے والدین کی قدر کریں اُن کی خدمت کریں ہمیشہ صبر سے کام لیں اور اپنے اوسان خطا نہ ہونے دیں اس سے آپ زندگی کی ہر قسم کی خطرناک سچویشن کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اُم مریم

سولہویں قسط کا خلاصہ

پرنیاں، معاذ کے التفات پہ مضطرب ہے، اسے ہرگز سمجھ نہیں آتی معاذ کی یہ توجہ اور چاہت کے مظاہروں میں کس درجہ سچائی اور اخلاص ہے دوسری جانب معاذ کو پرنیاں کا یہ سپاٹ اور ترش رویہ کبھی ہرٹ بھی کرتا ہے مگر وہ مستقل مزاجی کے ساتھ اس کا دل جیتنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

ہجر و نارسائی کے ساتھ رقابت کی آگ جہان کو جلا کر خاکستر کیے دے رہا ہے، معاذ پہ اس کی وضاحتیں آشکار ہوتی ہیں تو اس کا اضطراب اور ملال ایکدم بڑھ جاتا ہے مگر وہ لاچاری محسوس کرنے کے سوا کچھ کرنے سے قاصر ہے۔

زیاد، نوریہ کی بے اعتنائی کو محسوس کرتا پریشان ہے اور معاذ سے بالخصوص مدد کی درخواست کرتا ہے، معاذ اس کی مدد کا وعدہ کر لیتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

سترھویں قسط

''اچھا یار چھوڑو نا یہ بحث، تم ہمیں گانا سنا رہے تھے۔'' جنید بھائی نے نرمی سے کہہ کر ماحول کی گمبھیرتا کو پھر سے خوشگواری میں بدلنا چاہا۔

''میرے الفاظ اب بھی وہی ہیں، میں یہ سانگ انہیں ہی ڈیڈیکیٹ کروں گا۔'' معاذ کے لہجے کی مضبوطی اور رسان میں فرق نہیں آیا تھا، زیاد کھانسا۔

''لالے آپ کو یاد ہو تو پرنیاں جی نے آپ کو اجازت نہیں دی۔''

''نہ دیں اجازت، میں اپنی مرضی کا مالک ہوں اور بھائی یہ آپ کیسے بیٹھیں ہیں، لوگوں کو گھیر گھار کر، فاصلے پہ ہوں، ان پہ صرف آپ کی اجارہ داری نہیں ہے۔'' اس کی بے باکی کا گراف دھیرے دھیرے اونچا ہوتا جا رہا تھا، زیاد کسی طرح بھی اپنے قہقہے کا گلا نہیں گھونٹ سکا، جہان نے پرنیاں کے احساسات کی پرواہ کرتے ہوئے معاذ کے بازو کو دبوچ کر تنبیہہ انداز میں دبایا تھا۔

جو بھی آتا ہے تیرے پہلو میں جگہ مانگے ہے
ہم کہاں تک تیرے پہلو سے سرکتے جاویں

اس کا لہجہ ابھی بھی احتجاجی تھا مگر شرارت کا رنگ لئے ہوئے، بھابھی کو گھوریوں میں گراں قدر اضافہ ہوا، معاذ نے ان کے سامنے ہاتھ باقاعدہ جوڑے تب وہ ذرا سا پرنیاں کے سامنے سے سرکی تھیں، معاذ کو اس کے چہرے کا محض ایک رخ نظر آ سکا، جو بے تحاشا سرخ ہو رہا تھا وہ دل آویزی سے مسکرایا پھر باقاعدہ گانے کا آغاز کیا تھا۔

جان وے جان لے حال دل
جان وے بول دے حال دل

ماحول ایک دم پرسکون ہو گیا، بس اس کی آواز کا بھاری پن تھا، دور افق پہ پھوٹتی شفق کی لالی کھڑکی کے باہر تیزی سے بدلتے مناظر اور وہ خود جس کا دل متضاد کیفیات کا شکار تھا، معاذ کی اہمیت دل کو بھاری ہی تھی تو اس کا یہ چلبلا پن، وہ کیا کہتی تھی شاید اسے خود خبر نہ تھی۔

آ جا تیرے سینے میں سانس سانس پگھلوں میں
آ جا تیرے ہونٹوں سے بات بات نکلوں میں
تو میری آگ سے روشنی چھانٹ لے
یہ زمیں آسماں جو بھی ہے بانٹ لے
جان وے جان لے حال دل
جان وے بول دے حال دل

پرنیاں کو لگا اس کا دل اس کی آواز کے ساتھ کھینچ رہا ہو، ایک جادو تھا، ایک سحر جو اس پہ چھاتا جا رہا تھا، یا شاید وہ خود ساحر تھا جو منتر پڑھ رہا تھا اور سب کچھ اپنے لئے ہموار کرتا جا رہا تھا، وہ گم صم بیٹھی تھی، جیسے خود کو بھی فراموش کیے۔

آ جا تیرے ماتھے پہ چاند بن کے اتروں میں
آ جا تیری آنکھوں سے خواب خواب گزروں میں
جان وے جان لے حال دل

جان وے بول دے حال دل

اس کی آواز کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ وہ سب جھوم رہے تھے، معاذ کو گانے میں ملکہ حاصل تھا یہ سب مانتے تھے، مگر اب یہ رنگ پرنیاں پہ بھی یقیناً چڑھا تھا، اس نے مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھا تھا، وہ جو بے حد حسین تھی اتنی کہ دیکھنے والا مبہوت ہو جاتا تھا، شہد آگیں بڑی بڑی آنکھیں جن میں حزن و ملال بسیرا کیے رکھتے تھے، کھلے گلاب جیسے عارض جو کبھی گلابی ہو کے کبھی سرخ چھوٹی سی ستواں ناک، جو بھی اسے مغرور ظاہر کرتی کبھی بے نیاز، مگر بلاشبہ اس کے حسن میں تمکنت تھی وقار تھا اتنی چھوٹی عمر میں لڑکیاں عموماً بے وقوف اور حد درجہ شوخ ہوتی ہیں مگر وہ ہمیشہ پروقار نظر آتی تھی، یہی وقار اس کے حسن کو مزید نکھارتا تھا، وہ لاکھوں کے مجمع میں بھی منفرد نظر آیا کرتی، اس کے انداز میں ایسی شان اور تمکنت تھی کہ معاذ یوں بہت کم کسی سے متاثر ہوا تھا مگر وہ اسے لمحوں میں اپنا اسیر بنا گئی تھی اس وقت بھی وہ دل کی تمام شدتوں سے اس کے لئے اپنے جذبے آشکار کر رہا تھا۔

آ جا تجھے ہاتھوں پہ قسمتوں سا لکھ لوں میں
آ جا تیرے کاندھے پہ عمر بھر کو چنکوں میں
جان دے بول دے حال دل

وہ خاموش ہوا تو اس کو زبردست انداز میں سراہا گیا تھا، پرنیاں نے چونک کر سر اونچا کیا تھا، وہ دل و جان سے اسی کی سمت متوجہ تھا، نگاہیں چار ہوتے ہی نہایت عجلت میں سلیوٹ مارا تھا، پرنیاں نے گڑبڑا کر نگاہوں کا زاویہ بدل ڈالا، معاذ نے گہرا سانس کھینچا۔

''میں نے کہا تھا نا یہ پتھر ہے بے اثر ہے سب کچھ۔'' اس نے جیسے جہان سے شکایت لگائی تھی، وہ اپنے کسی خیال سے چونکا۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

زیاد نے جانے کب کا بدلہ چکایا تھا، معاذ اسے ڈھنگ سے گھور بھی نہ سکا، اس کا سیل بجنے لگا وہ اس سمت متوجہ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

جس وقت وہ لوگ وادی پہنچے دن آدھے سے زیادہ سفر کر چکا تھا، حویلی تک پہنچنے سے قبل خواتین نے اپنے میک اپ اور بال از سر نو سنوارے تھے، وادی کے آغاز کے ساتھ ہی سرسبز راستے کو بھی انہوں نے اشتیاق بھری نظروں سے دیکھا تھا، جیسے جیسے سرسبز علاقہ وادی کی جانب جا رہا تھا، ماحول کی خنکی بڑھتی جا رہی تھی، سورج کی تپش نہ ہونے کے برابر تھی گویا تیمور کا دوران سفر ایک بار فون آیا تھا زینب البتہ کئی بار کال کر کے پوچھ چکی تھی، گاؤں سے باہر پختہ سڑک حویلی تک جاتی تھی جس پہ وادی کا کوئی اور باشندہ پاؤں رکھنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا تھا، سڑک کے دونوں اطراف صنوبر کے درخت تھے جن کے سوکھے پتے تارکول کی سڑک پہ ہوا سے اڑتے تھے، پوری حویلی دن کے وقت بھی جلتے بجھتے رنگ برنگے برقی قمقموں سے دہک رہی تھی، ان کی گاڑی پھاٹک تک پہنچنے سے بھی قبل گیٹ کھول دیا گیا تھا، پورٹیکو میں مزید کئی گاڑیاں کھڑی تھیں، وہ سب ایک ایک کر کے نیچے اترنے لگے، پرنیاں نے کھڑکی سے باہر وسیع و عریض سرسبز لان پہ اپنی نگاہیں جما

دیں، دن روشن تھا مگر سرمئی بادلوں سورج کی تپش چھین لی تھی، گہرے بادل یہاں وہاں اٹھکیلیاں کرتے پھر رہے تھے، حویلی کے اندرونی حصے سے تیمور خان اپنے والد اور دیگر مرد حضرات کے ساتھ اسی سمت تیزی سے آتا ہوا نظر آیا، وہ باری باری سب کے گلے مل رہا تھا، جبکہ خواتین کا استقبال تیمور خان کی بہنوں نے کیا تھا، کوٹھی کیا تھی وسیع و عریض محل تھا، جدید اور قدیم کے زبردست تقابل کے ساتھ، ہر جگہ خصوصی آرائش نظر آ رہی تھی، زنان خانے میں ہر سو خواتین کا بسیرا تھا، سرسراتے آنچل، کھنکتے قہقہے، دمکتی نگاہیں، شور ہنگامہ، حویلی کا کونہ کونہ بھرپور مہک سے معطر تھا، انہیں تیمور خان کی بہن زرلالے اپنی معیت میں زینب کے کمرے تک لائی تھی، زینب جیسے انہی کی شدت سے منتظر تھی، والہانہ انداز میں ایک ایک سے گلے ملی، ہلکے پنک سوٹ پہ بھاری کامدار دوپٹہ میں سونے کے بیش قیمت مگر نفیس زیورات سے سجی وہ قیامت خیز حد تک حسین لگ رہی تھی، چھت سے نکلتے فانوس کی چمک دمک بھی گویا اس کے سامنے ماند پڑ گئی تھی۔

''کیسی ہو پری؟ میرے لالے کے ساتھ صلح ہوئی تمہاری؟'' پرنیاں سے گلے ملتے ہوئے اس نے شوخی سے آنکھیں نچائی تھیں، پرنیاں کے گلابی رخساروں پہ لہو چھلک آیا، اس نے بے ساختہ ہونٹ کاٹے تھے۔

''یار مانا تم بہت حسین ہو، مگر لالہ بھی کسی سے کم نہیں، کیا تمہیں میری بات سے اتفاق نہیں۔'' زینب نے اس کی کیفیت نوٹ کی تھی جبھی قائل کرنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگی، پرنیاں نے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی تھی، زینب کو اس سے دھیان ہٹانا پڑا کہ مما اور مما جان آگے بڑھ کر اس سے ملنے لگی تھیں۔

زینب کے لئے شہر سے ہی بیوٹیشن کو بلوایا گیا تھا، میرون کلر کے خوب گھیر دار پشواز میں ولیمہ کی دلہن بن کے اس پہ ایسا نکھار آیا تھا کہ گلاب بھی اس کے چہرے کی تازگی کے آگے ماند پڑ گئے تھے، زینب کی بات بے بات ہنسی اس کی طمانیت اور آسودگی کی گواہ تھی، فوٹو سیشن کے لئے جب تیمور خان وہاں آیا تب نوریہ نے پہلی بار دونوں کو بغور دیکھا تھا، وہ واقعی بہت شاندار جوڑی تھی، مگر پھر بھی کچھ تھا ایسا کہ وہ جہان سے کم لگتا تھا، وہ لب بستہ کھڑی تھی جب زینب نے اسے اشارے سے اپنی طرف بلایا تھا۔

''تم کہاں چھپی ہوئی تھیں؟ اب نظر آئی ہو مجھے۔''

''میں سب کو ہمیشہ بعد میں ہی نظر آتی ہوں، اس میں تمہارا نہیں شاید میری قسمت میرے چہرے کا قصور ہے۔''

نوریہ جس فرسٹریشن کا شکار تھی اسی قسم کا جواب دے سکتی تھی، راستے بھر معاذ کی شوخ جسارتوں اور بے لگام ہوئی نظروں نے اسے کیسے کیسے خودترسی کا شکار نہیں کیا تھا، وہ خود کو لاکھ بے نیاز ثابت کرتی رہی تھی مگر اذیت تھی کہ پنجے گاڑھے جاتی تھی اس کے اندر، زینب نے بے حد حیران ہو کر اسے دیکھا تھا، پھر ایکدم اسے گلے سے لگا لیا۔

''نوری کیا ہو گیا ہے جان! ٹیک اٹ ایزی۔''

یہ بھی شکر تھا کہ اس وقت سب لوگ کھانا کھانے کے لئے جا چکے تھے، فوٹو سیشن بھی ختم ہو چکا

تھا، کمرے میں وہ دونوں تنہا تھیں، نوریہ تو جیسے کسی ایسے سہارے کی ہی منتظر تھی، بری طرح سے بلک اٹھی۔

''تمہیں کیا ہو گیا تھا اسی رات؟ مجھ سے بھی تم پہچانی نہ گئی تھیں، میں بدل گئی تو کیا ہوا؟'' معاً وہ تھمی اور کچھ اور شدت سے بلکنے لگی۔

''میں نہیں ہو سکتی ایزی زینی! میں نہیں سنبھال سکتی خود کو، قسم سے مر جاؤں گی اگر یہی صورتحال رہی وہ میرے سامنے آ جاتے ہیں تو مجھے نہیں پتہ مجھے کیا ہو جاتا ہے، میں خود کو بھول جاتی ہوں میری بصارتیں میری سماعتیں میری رگ رگ میرے اعصاب جیسے کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں رہتا، میں بے بس ہو جاتی ہوں۔''

وہ زار و قطار رو رہی تھی، زینب ششدر تھی، وہ تو اسے چپ کرانا بھی بھول گئی تھی جیسے، یہی وہ لمحے تھے جب پرنیاں اپنے دھیان میں اندر آئی تھی مگر زینب سے لگ کر بری طرح سے بلکتی نوریہ کو دیکھ کر اس پہ حیرانی گھبراہٹ اور پریشانی نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا، زینب بھی قدرے گڑبڑائی تھی، نوریہ تو حواسوں میں ہی نہیں تھی۔

''کیا ہوا نوریہ؟ آپ رو کیوں رہی ہیں؟''

پرنیاں جس کے قدم گویا زمین نے جکڑ لئے تھے خود کو سنبھال کر تیزی سے ان کی جانب آ گئی تھی، نوریہ نے آنسوؤں سے جل تھل آنکھوں سے اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر زینب سے الگ ہو کر آنکھیں اور چہرا رگڑ کر صاف کرنے لگی، پرنیاں کا سوال اس نے یکسر نظر انداز کر دیا تھا، پرنیاں نے حیرانی سے اس کا یہ انداز دیکھا تھا پھر اس کی سوالیہ استعجابی نظریں زینب کی جانب اٹھی تھیں۔

''انہیں کیا ہوا ہے زینب؟'' قدرے محتاط انداز تھا اب اس کا شاید وہ نوریہ کے ساتھ زینب کے بھی گریز کو پا گئی تھی۔

''کچھ نہیں پری! مجھ سے بہت دوستی ہے نا اس کی ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانے کے خیال سے پریشان ہے۔'' زینب پھیکے سے انداز میں کہہ رہی تھی مگر اس کے چہرے پہ صاف صاف جھوٹ لکھا ہوا تھا، پرنیاں کچھ نہیں بولی، گاہے بگاہے اس کی نگاہ نوریہ پہ اٹھتی تھی جس کی ناک اور آنکھیں بہت زیادہ سرخ ہو رہی تھیں، اسے یاد تھا شاہ ہاؤس کے دیگر مکینوں کی طرح نوریہ نے اس سے نہ تو بے تحاشا محبت و اپنائیت کا اظہار بھی کیا تھا نہ ہی کبھی اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش، بلکہ پچھلے ایک ہفتے سے وہ شاہ ہاؤس میں تھی اور اس کی جھجک بھی قدرے کم ہو چکی تھی تو باقی سب کے ساتھ ساتھ پرنیاں نے نوریہ سے بھی گھلنے ملنے کی کوشش کی تھی مگر نوریہ کے رویے کی وجہ سے یہ کوشش ہر بار ناکامی کا شکار ہوتی رہی تھی، پرنیاں نے زیادہ غور اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی تھی شاید نوریہ فطرتاً کم گو اور ریزرو نیچر کی مالک ہو، مگر پھر اسے کچھ کلک ہونے لگا تھا، جو اسے سمجھ آ رہی تھی وہ اتنا خوشگوار نہیں تھا، جبھی وہ قدرے گم صم ہو کر رہ گئی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو پری؟'' نوریہ واش روم میں منہ ہاتھ دھونے کی غرض سے گئی تو زینب نے اسے پکارا تھا، پرنیاں نے خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا یوں جیسے اس کی بات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہی ہو۔

"تمہیں کیسے لگے تیمور اور ہماری حویلی؟" وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی، پرنیاں خود کو سنبھال کر رسان سے مسکرائی۔

"سب کچھ بہت اچھا ہے، خدا تمہارا نصیب اچھا کرے۔"

"تیمور کہہ رہے ہیں تم لوگوں کو یہاں کچھ دن روک لیں گے، ویلی کا وزٹ کرنا، بہت رومنٹک جگہ ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے اس جگہ صرف انہی لوگوں کو آنا چاہیے جو سنگل نہ ہوں تم لالے کے ساتھ پہلی بار آئی ہو، آئیڈیل جگہ ہے، انجوائے یور سیلف۔" پرنیاں کے چہرے پہ ایکدم سنجیدگی چھا گئی تھی۔

"میری اسٹڈی کا بہت حرج ہو رہا ہے زینب، پھر سہی، یہ فائنل ائیر ہے میرا، یونو پچھلے تین سالوں کا بھی یہی نچوڑ ہے۔" اس نے صاف دامن چھڑایا تھا، زینب نے سر جھٹک دیا۔

"ایک دو دنوں سے کچھ فرق نہیں پڑے گا، ایسا وقت بار بار نہیں آیا کرتا، تم لوگوں کے لئے تیمور نے انیکسی میں قیام کا انتظام کیا ہے، الگ تھلگ کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

اب کے پرنیاں نے کچھ جواب نہیں دیا، یہ بحث لایعنی تھی، یہاں اس کی نہیں بڑوں کی مرضی چلنی تھی۔

"لالہ اور جے کیسے ہیں؟"

"یہ آپ نے ان سے ہی لالہ کا کیوں پوچھا؟" بھابھی کے ساتھ حوریہ اور ماریہ بھی کھانے کے بعد کمرے میں آ گئی تھیں، ماریہ نے اس کا فقرہ اچکا۔

"لالہ کا تو پرنیاں سے ہی پوچھوں گی نا، البتہ زیاد بھائی کا میں نے نوری سے احوال دریافت کرنا ہے۔" واش روم سے برآمد ہوئی نوریہ کو شوخ نگاہوں کی گرفت میں رکھ کر زینب نے فقرہ چست کیا تھا اس کا رنگ متغیر ہوا تھا، پرنیاں کی نگاہ لحہ بھر کو اس کے چہرے پہ ٹھہری تھی اور پھر جھک گئی۔

"مجھ سے کیوں؟ میں نے تمہارے بھائی کا حساب کتاب نہیں لکھ رکھا۔" نوریہ بری طرح سے تڑخی تھی، زینب نے مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھا۔

"مگر انہوں نے تو رکھا ہوا ہے نا۔"

"شٹ اپ زینی!" وہ ضبط کھو کر چیخ پڑی تھی۔

"ریلیکس جانو کام ڈاؤن۔" بھابھی نے بروقت نوریہ کو اٹھ کر سنبھالا، وہ شدت غیض سے جیسے کانپ رہی تھی۔

"خود کو سنبھالو نوری کیا ہو گیا یار۔"

"سب کو سمجھا دیں، آئندہ مجھ سے ایسی بات کوئی نہ کرے، نہیں پسند مجھے۔"

وہ یونہی وحشت زدہ سی چیخ گئی تھی، بھابھی نے اسے زور سے اپنے ساتھ بھینچ لیا، پرنیاں بھونچکی رہ گئی تھی۔

"ٹیک اٹ ایزی نوری! کوئی نہیں کہے گا، ریلیکس۔" بھابھی اسے یونہی ساتھ لگائے تھپکے گئی تھیں، وہ لمحوں میں نڈھال ہو چکی تھی۔

☆☆☆

ولیمہ کے اگلے دن بھی زینب کے سسر نے انہیں واپس آنے کی اجازت نہیں دی تھی، انداز میں اتنا خلوص اور اصرار تھا کہ انکار کی گنجائش نہیں بچی تھی، انیکسی میں ان کے قیام کا انتظام تھا، کھانے کے بعد وہ لوگ وہاں آئے تو زیاد کا موڈ پھر جاگنے اور باتیں کرنے کا تھا۔

"یار سارا دن اپنوں کی شکلیں دیکھنے کو ترس گئے، عجیب قوانین ہیں حویلی والے پٹھانوں کے۔" اس کی نرم لو دیتی نگاہیں جس خاص انداز اور زاویہ سے نوریہ پہ اٹھی تھیں ان کی اپنی ہی ایک زبان تھی، جسے دل والے بخوبی سمجھتے تھے مگر نوریہ تو اسے خصوصی طور پر نظر انداز کرتی تھی۔

"پٹھانوں کے جیسے بھی قوانین ہیں بات اس وقت اتنی ہے دیور جی کہ آپ یہاں سے کھسکیں ہمیں سونا ہے، اتنے طویل سفر سے تھکے ہوئے ہیں۔"

سب خواتین ایک کمرے میں تھیں، لڑکے دوسرے کمرے میں تھے، بھابھی کی بات پہ زیاد کا منہ لٹک گیا تھا، اس نے سخت شاکی ہو کر انہیں دیکھا۔

"یعنی آپ ظالم سماج بن رہی ہیں۔" بھابھی نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا، پھر وہاں آئی ملازمہ سے بیٹی کا فیڈر تیار کرنے کا کہتی بہانے سے باہر آ گئیں، زیاد ان کے پیچھے تھا۔

"خیریت جناب! آپ کے انداز مجھے مشکوک لگ رہے ہیں۔"

"نوریہ کی طبیعت ٹھیک ہے نہ ہی موڈ، بہتر ہو گا تم بھی جا کر سو جاؤ۔"

"کیا ہوا ہے اسے؟" وہ فوری طور پر پریشان ہونے لگا۔

"نتھنگ اسپیشل! شاید کچھ اپ سیٹ ہے، ٹھیک ہو جائے گی ڈونٹ وری۔" بھابھی کے کہنے پہ وہ گہرا سانس بھر کے رہ گیا پھر کچھ خیال آنے پہ بولا تھا۔

"میں خیریت پوچھ لوں اس کی۔"

"ہرگز نہیں، لڑکے تحمل کے ناخن لو، بتایا ہے نا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔"

بھابھی نے تادیبی نظروں سے گھورا بتانے والی بات بھی نہیں تھی کہ موڈ کس وجہ سے خراب تھا، زیاد نے سرد آہ بھری اور واپسی کو پلٹا تھا، اسی پل ملازمہ کی معیت میں زینب اس سمت آتی نظر آئی، ڈیپ پرپل جدید تراش خراش کا سوٹ بالوں کا خوبصورت سا اسٹائل بنائے، دونوں کلائیوں میں سونے کی چوڑیاں اور نفیس سا سونے کا سیٹ پہنے وہ ایک نئی چھب، دلکش سے روپ میں سامنے تھی، زیاد کو دیکھ کر بھاگنے کے انداز میں قریب آتے ہی اس سے لپٹ گئی۔

"کب سے ویٹ کر رہی تھی آپ کا، مجھ سے ملنے آئیں گے مگر آپ کو تو شاید احساس تک نہیں تھا، اتنی جلدی بھول گئے ہیں مجھے۔" شکوے شکایتیں آنسو، زیاد تو بوکھلا گیا تھا، جبکہ دروازے سے نکلتا جہان اسی زاویے پہ ساکن رہ گیا تھا۔

"کیسے ملنے آتے بھئی، آپ کے سسرالیوں نے پابندیاں ہی اتنی سخت لگا رکھی ہیں۔" زیاد صفائی پیش کرنے لگا۔

"پپا اور لالہ کدھر ہیں؟ مجھے ملنا ہے ان سے بھی، حسان وغیرہ۔" وہ آنسو پونچھتی اس سے

الگ ہوئی، جہان جیسے اس ٹرانس سے نکل آیا اور غیر محسوس انداز میں قدم موڑے اور دوسرے دروازے سے وہاں سے باہر نکل آیا تھا، وہ خود میں ہرگز ہرگز بھی اس کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں پاتا تھا، کمرے سے باہر آنے کے بعد اس نے اضطرابی کیفیت میں سگریٹ سلگایا تھا اور کئی گہرے گہرے کش لئے، جس جگہ وہ کھڑا تھا وہ ایک وسیع مستطیل طرز کی لابی تھی، جس میں ہلکے براؤن رنگ کا دبیز قالین بچھا ہوا تھا، سامنے بڑی سی الماری کے عقب میں براؤن کلر کے شنیل کے وسیع صوفے تھے، وہ لمبے ڈگ بھرتے ہوئے لابی عبور کر آیا، یہ حویلی کا عقبی حصہ تھا جہاں اب وہ کھڑا تھا، یہ حصہ بھی قابل دید تھا، سرسبز ہموار اور تروتازہ لان، مرکزی لائٹوں کی روشنیوں میں نگاہوں کے سامنے تھا، دور تک سبز مخملیں فرش کی چادر بچھی تھی جس کے کنارے کنارے تین اطراف محرابی طرز کی چھوٹی اینٹوں کی قطاریں خوش نما کیاریاں تیار کی گئی تھیں، جن میں نہایت خوبصورت پھولوں کے پودے اپنی بہار دکھا رہے تھے، وہ مضطرب تھا حویلی کی خوبصورتی اور طرز تعمیر پہ اس کی نگاہ نہیں تھی، اسے تو یہ بھی خبر نہیں تھی اس کے قدم کس سمت اٹھ رہے ہیں، معاً گھنگھروؤں کی جھنکار اور میوزک کے سرتال پہ وہ اپنے خیالات اور سوچوں سے چونک اٹھا تھا، جہاں وہ اس وقت کھڑا تھا یہ یقیناً مردانے حصے کا ہی کوئی گوشہ تھا، یہ کمرے کا پچھواڑہ تھا جس کی بڑی بڑی کھڑکیوں کی سلائیڈز کھلی ہوئی تھیں، میوزک اور گھنگھروؤں کی یہ آواز انہی کھلی کھڑکیوں سے باہر آ رہی تھی، اندر کون تھا اور کیا ہو رہا تھا اس سے اسے دلچسپی نہیں تھی، اس نے واپسی کو قدم موڑے تھے کہ نسوانی ہنسی کی جلترنگ نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا، جانے کیوں اسے یہ آواز کس قدر شناسا سی لگی تھی، وہ قدموں کو زنجیر پا محسوس کرتا وہیں تھما رہ گیا، اس نے گردن موڑ کر دیکھا، کھڑکیاں اتنی بلند نہیں تھیں اگر وہ قریب جا کر ذرا سی کوشش کرتا تو اندرونی منظر تک رسائی پا سکتا تھا، پھر جانے وہ کون سا جذبہ تھا جس نے اسے آگے بڑھنے اور کھڑکی سے جھانکنے پہ مجبور کر دیا تھا، حالانکہ گانے کے واہیات بول اس کے چہرے پہ سرخی پیدا کرنے کا باعث بنے تھے۔

''تم آہن اور فولاد سے بنے ہو تیمور خان! قسم سے تمہارے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ ایک بار مجھے بانہوں میں جکڑتے ہو تو تمام ہڈیاں اپنی جگہ سے ہل جاتی ہیں۔''

نیلما تیمور خان کی قربتوں میں کھلکھلا رہی تھی، یہ منظر اتنا شرمناک تھا کہ جہان کا پورا وجود تھرا اٹھا تھا اسے لگا تھا پورا وجود جل کر لمحوں میں خاکستر ہو گیا ہو، اس کی آنکھوں میں اترتے اندھیروں میں زینب کا چہرا ڈوب ڈوب کر ابھرنے لگا، وہ ساکن سا کھڑا اپنے اندر گونجتے سناٹے کو سن رہا تھا۔

☆☆☆

نہ کوئی فکر لاحق ہے
نہ کوئی یاد ہے باقی
مگر یہ آخری مصرعہ
ذرا سا جھوٹ لگتا ہے

اس نے کروٹ بدلی تو بے اختیار کراہ اس کے منہ سے نکل گئی تھی، کل کی ساری رات اس نے

ٹیرس پہ ٹہلتے سگریٹ نوشی کرتے گزاری تھی، اک آگ تھی جو اس کے وجود میں سلگ اٹھی تھی، چند لمحوں کو تو ایسا مجنونانہ احساس اندر سے اٹھا تھا کہ تیمور خان کو قتل کر دینے کی خواہش نے اسے پاگل سا بنا دیا تھا، وہ تھا زینب کے قابل؟ اس نے کتنی نفرت سے سوچا تھا، مگر اگلا لمحہ بے بسی کا لمحہ تھا ہاں آگاہی اور شعور اگر ہر وقت ملیں تو حقیقت کی سفاکی کند چھری کی مانند ذبح کرتی ہے اور ذرا سا بھی لحاظ نہیں کیا کرتی، اس کے اندر بھی سارے سرکش جذبے اپنی موت مرنے لگے تھے، وہ کوئی حق محفوظ نہیں رکھتا تھا اس باز پرس کا، یہ زینب کا اپنا انتخاب تھا، اس کی تو حیثیت ہی ثانوی ہو کر رہ گئی تھی، اس کی آنکھیں جانے کس کس احساس کے تحت جلنے لگیں، جو کچھ زینب نے اس کے ساتھ کیا تھا اس کے بعد اسے بھی غرض نہیں ہونی چاہیے تھی مگر وہ چاہ کر بھی بے حس نہیں بن سکتا تھا، یہ اس کا درد ہی تو تھا جس نے جہان کی آنکھوں سے نیند چھین لی تھی، صبح دم جب وہ کمرے میں آ کر معاذ کے برابر لیٹ رہا تھا معاذ کی اسی وقت آنکھ کھلی تھی۔

''تم اب تک جاگ رہے ہو جے؟'' اس نے نیند سے بوجھل سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا تھا، جہان نظریں چرا گیا، ستم سہتی لہو رنگ آنکھیں اور متغیر چہرے کے ساتھ وہ اس قابل نہیں تھا کہ کسی کا سامنا کر پاتا، اس نے جواب نہیں دیا تھا، معاذ کو جواب کی ضرورت بھی نہیں تھی، وہ نیند میں تھا کروٹ بدل کر پھر سو گیا، جہان کو قرار نہیں تھا، اس کے لئے نرم گرم بستر بھی کانٹوں سے بھری شعلوں سے اٹی ہوئی بے آرام جگہ تھی گویا، اسی بے قراری سے کروٹیں بدلتے جانے کب اس کی آنکھ لگی تھی کہ کچی نیند پھر ٹوٹ گئی اس کی نیند بھی پرسکون نہیں تھی، کمرے کی کھڑکیاں کھلی تھیں اور تازہ پرنم ہوا کے جھونکے نئی نویلی روشن دھوپ کے ساتھ کھڑکی کے رستے اندر آ رہے تھے، انیکسی کے لان میں بہار دکھاتے صنوبر کے درختوں کا عکس گلاس وال سے ٹکراتا پانی میں ڈولتے عکس کی طرح لرزاں تھا، اس نے گہرا سانس بھر کے کمرے میں نگاہ ڈالی، تمام بستر سمیٹے ہوئے تھے، کمرے میں اس کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا، اس نے تکیے کے نیچے ہاتھ مارا اور سگریٹ کیس تلاش کیا، لائٹر اور سگریٹ کیس تکیے کے نیچے سے اسے مل گئے تھے مگر سگریٹ کیس معاذ کا تھا، وہ بہت مہنگے برانڈ کی سگریٹ استعمال کرتا تھا، جہان نے ایک سگریٹ نکالا اور لائٹر سے اسے شعلہ دکھایا، اڑتے دھوئیں میں ایک دلکش پیکر کے خدوخال نمایاں ہونے لگے، جہان گھبرا کر اٹھ گیا، مگر اسے جھٹکا لگا تھا، وہ واقعی دروازے کے پاس کھڑی تھی، سفید شب خوابی کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں ہمیشہ کی طرح بے حد حسین دلکش حواسوں کو چھین لینے کی حد تک دل آویز، جہان ساکن پلکوں سے اسے دیکھتا جیسے حقیقت اور الوژن میں فرق محسوس کرنے لگا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں جے۔'' وہ یاسیت سے مسکرائی تھی، جہان کے اعصاب کو جھٹکا لگا، اس نے بے ساختہ نظریں جھکا لی تھیں اور سگریٹ اٹھتے ہوئے ایش ٹرے میں مسل دیا۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' اس کا لہجہ کڑا اور انداز میں برہمی تھی، زینب نے خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

''آف کورس آپ سے ملنے، آپ مجھ سے بھاگ کیوں رہیں ہیں جے؟'' وہ شاکی ہو کر کہہ رہی تھی، جہان نے لمحہ بھر کو سرخ آنکھیں اٹھائیں۔

''میں کیوں بھاگوں گا؟'' اس کی صبیح پیشانی پہ شکنیں اُمڈ آئی تھیں۔
''اگر ایسا نہیں ہے تو آپ کل سے مجھے ملے کیوں نہیں۔'' وہ دو بدو بولی تھی، جہان نے زور سے سر جھٹکا پھر اسے دیکھے بغیر قطعیت سے پُر انداز میں بولا تھا۔
''زینب تم جاؤ یہاں سے۔''
''یہ میری بات کا جواب نہیں ہے اور میں کیوں جاؤں، ملنے آتی ہوں نا آپ سے۔'' زینب کے انداز میں غیر معمولی طور پہ ضد اور غصہ تھا، جہان نے عاجز ہو کر اسے دیکھا۔
''میں فضول باتوں کے جواب نہیں دیا کرتا، اینڈ لسن زینب تم بچی نہیں ہو کہ ہر بات سمجھانی پڑے، یہ سسرال ہے تمہارا اور ابھی تم ان لوگوں کے مزاج اور عادات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکی ہو، ہر قدم تمہیں یہاں چونک کر رکھنا چاہیے، مگر تمہاری یہ لاپرواہی......''
''آپ کا مطلب ہے کوئی شک کرے گا مجھ پہ وائے، آپ کزن ہیں میرے جے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر برہمی سے بولی تھی، جہان کا دماغ گھومنے لگا، اس کے چہرے کے زاویوں میں سخت کھنچاؤ آ گیا تھا، اس سے قبل کہ وہ سخت ترین الفاظ استعمال کرتا معاذ ہاتھ میں کیمرا لئے اپنے دھیان میں گنگناتا ہوا اندر آیا تھا، ان دونوں کو اس طرح مقابل کھڑے دیکھ کر ٹھٹکا۔
''خیریت زینی! تم اتنی صبح صبح یہاں؟''
''میں جے سے ملنے آئی تھی کل ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی نا۔'' وہ بغیر کنفیوژ ہوئے اسی اعتماد سے بتا رہی تھی، معاذ نے ایک نظر جہان کے سرخ پڑتے چہرے اور سختی سے بھینچے ہونٹوں کو دیکھا پھر رسان سے زینب کو مخاطب کیا تھا۔
''تیمور کہاں ہے؟ جے سے ملنا اتنا ضروری تھا کہ تم یوں بے قراری سے اٹھ کر بھاگ اٹھیں، زینب عقل کے ناخن لو اب، میں نہیں سمجھتا ہوں کہ تیمور اتنا براڈ مائنڈڈ ہو گا کہ تمہیں اس سب کی اجازت دے اور کوئی تک بنتی بھی نہیں ہے سو بی کیئر فل او کے۔'' زینب کا چہرا ایکدم سے پھیکا پڑ گیا، اسے شاید اب معاذ سے اس قسم کے رویے کی امید نہیں تھی، منہ پہ ہاتھ رکھے وہ یکدم پلٹی اور بھاگتی ہوئی کمرے سے چلی گئی، جہان لب بھینچے کھڑا تھا، معاذ نے زور سے سر جھٹکا۔
''نان سنس، پتہ نہیں کب عقل آئے گی اسے۔'' اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا، کیمرہ اس نے غصے میں بستر پہ اچھال دیا تھا۔
''تمہاری طبیعت کیسی ہے اب جے؟'' جہان اس کی آواز پہ چونکا تھا اور سر آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا، معاذ اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتا رہا۔
''رات پھر تمہیں ٹمپریچر تھا، جے تم باز نہیں آؤ گے، سوچنے سے۔'' وہ عاجز سا ہو کر کہہ رہا تھا۔
''تمہیں لگتا ہے معاذ کہ زینب خوش ہے؟''
''مجھے نہیں لگتا۔''
جانے کیسے اس کے لبوں سے پھسل گیا تھا، معاذ نے بے طرح چونک کر اسے دیکھا، جہان کے چہرے پہ ہی نہیں آنکھوں میں بھی ان دیکھی اذیتیں رقم تھیں، ایک لمحے کو معاذ کو اپنے اعصاب کھنچتے ہوئے محسوس ہوئے تھے، وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر اس کے سامنے آن رکا۔

''کچھ کہا ہے ابھی زینب نے تم سے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا، انداز بگڑا ہوا اور تند تھا، جہان نے آنکھیں چرا لیں۔
''بولو جے کیا کہا ہے زینی نے تم سے؟'' وہ چیخ اٹھا تھا، اس کی آنکھیں ہر لمحہ سرخ تر ہوتی جا رہی تھیں، جہان نے خائف سے انداز میں اسے دیکھا۔
''کچھ نہیں اس نے کچھ نہیں کہا۔''
''پھر تمہیں الہام ہو گیا ہے ہاں؟'' معاذ نے لہجے میں غصے کا تاثر سموئے اسے گھورا۔
''زینب نے کچھ نہیں کہا معاذ بلیو می، مجھے خود محسوس ہوا۔'' اس کا لہجہ اس کا انداز صدیوں کی تھکن سمیٹ لایا تھا، معاذ کچھ دیر تک بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھتا رہا پھر ایکدم اسے گلے لگا لیا تھا، جہان کے اندر جیسے لامتناہی کرب پھیل گیا۔
''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے جے! ایسا کچھ نہیں ہے ریلیکس، بس اب تم بھول جاؤ اسے۔'' وہ اسے تھپک رہا تھا، گویا اس کا دھیان بٹا رہا تھا، جہان مجروح انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔

تجھے بھول جاؤں تو کس طرح
ابھی چاہتوں کا شعور ہے
ابھی فاصلوں میں سرور ہے
ابھی حوصلوں میں غرور ہے
تجھے بھول جاؤں تو کس طرح
ابھی سوچ ہے تیری ذات تک
ابھی یاد ہے تیری یاد تک
ابھی بدگمانی گمان ہے
ابھی خواہشوں میں عروج ہے
ابھی جسم میں ابھی جان ہے
تجھے بھول جاؤں تو کس طرح

☆☆☆

ابھی وہ لوگ ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حسان اس کے پاس چلا آیا۔
''آپ کو جہان بھائی بلا رہے ہیں؟'' پرنیاں نے حیرت سے پہلے حسان پھر حاضرین کو دیکھا تھا، مما اور مما جان کسی اہم موضوع پہ بات کر رہی تھیں متوجہ نہیں تھیں البتہ بھابھی نے نوٹس لیا تھا مگر اتنا خاص نہیں۔
''ہاں تو چلی جاؤ، سن لو بات۔'' انہوں نے عام سے انداز میں کہا تھا، پرنیاں اپنا دوپٹہ سنبھالے حسان کے ساتھ ہو لی۔
''مجھ سے کیا کہنا ہے جہان بھائی نے اور ہیں کہاں وہ؟'' حسان کی معیت میں وہ حویلی سے باہر جانے والے راستوں پہ آئی تو کسی قدر حیرانی سے استفسار کیا تھا۔
''پتہ نہیں آپ انہی سے پوچھ لیجئے گا۔'' حسان نے لاعلمی کے اظہار کو کاندھے اچکا دیئے

تھے، پھر وہ اسے وسیع پورچ میں چھوڑ کر خود وہیں سے پلٹ گیا۔

"گرے پجارو میں ہیں وہ، آپ چلی جائیں۔" حسان نے اشارے سے کچھ فاصلے پہ موجود سیاہ شیشوں والی پجارو کی سمت اشارہ کیا تھا تو یہ پرنیاں کی حیرت دوچند ہو گئی تھی، جہان کے اس عمل نے اسے متحیر کر دیا تھا، وہ الجھن بھرے انداز میں قدم اٹھاتی گاڑی تک آئی تھی اور رخ پھیرے جہان کو بے ساختہ پکارا۔

"جی جہان بھائی! خیریت ہے آپ نے یہاں کیوں بلایا مجھے؟"

"جہان کیوں بلائے گا، ہمیں ان کا معتبر حوالہ مجبوراً استعمال کرنا پڑا، تشریف رکھیے میم!" رخ اس کی سمت موڑ کر معاذ نے کسی قدر معنی خیزی سے جواب دیا تھا، پرنیاں کے سر پہ تو جیسے آسمان ٹوٹ پڑا تھا، اس کے اعصاب جیسے سن ہو گئے، وہ حواس باختہ سی ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی۔

"بہت خوشی ہوئی نا مجھے روبرو پا کے، کیا کروں میں حسین ہی اتنا ہوں ماشا اللہ۔" وہ بڑی والہانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، بلکہ جذب کر رہا تھا، لبوں کی تراش میں بہت مسحور کن مسکراہٹ تھی اپنی ذات کا غرور اور زعم تھا، پرنیاں کے چہرے پہ ناگواریت کے ساتھ ساتھ تلخی بھی سمٹ آئی۔

"واٹ نان سنس، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ......" سر جھٹک کر بات ادھوری چھوڑ کر وہ ایک جھٹکے سے پلٹنے کو تھی کہ معاذ نے سرعت سے بڑھ کر اس کے بازو کو گرفت میں لے لیا تھا، پرنیاں کا اوپر کا سانس اوپر رہ گیا، اس نے تھرا کر اسے دیکھا، معاذ بھی یکا یک سنجیدہ ہو چکا تھا۔

"گاڑی میں بیٹھیں پلیز۔" اس کے سنجیدہ لہجے میں شائستگی بھی تھی مگر پرنیاں کے اندر تو آگ دہک اٹھی تھی۔

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔" مذاحمت بے کار جاتی دیکھ کر وہ دبے ہوئے لہجے میں چیخی تھی، معاذ نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔

"آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں پرنیاں! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی تھی، سوری میرا طریقہ کچھ غلط تھا، میں نے آپ کو ہرٹ کیا اگین سوری۔" گاڑی کا دروازہ کھولے وہ بہت ملتجی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، پرنیاں ہونٹ سختی سے بھینچے ساکن کھڑی تھی، اس کی آنکھوں میں بے تحاشا نمی سمٹ آئی تھی، جو ٹپ ٹپ رخساروں پہ پھسلی یوں جیسے کرسٹل کے موتی نرم مخمل پہ بکھر جائیں۔

"مجھے پتہ ہے آپ کو مجھ پہ اعتماد نہیں ہے، شاید اس حرکت کے بعد آپ کا اعتماد مزید مجروح ہوا ہے، ٹھیک ہے آپ واپس اندر چلی جائیں۔" نظریں پھیرے چہرے کا رخ موڑے وہ بہت دیر بعد بہت بوجھل انداز میں بولا تھا، پرنیاں نے ایک نظر اسے دیکھا تھا، وہ اپنے خوبصورت بلند و بالا سراپے کے ساتھ یکا یک کتنا مضطرب اور نڈھال نظر آنے لگا تھا، پرنیاں کو عجیب سے احساس نے گھیر لیا، ہاتھ کی پشت سے گیلے رخسار پونچھ کر اس نے ایکا ایکی فیصلہ کیا تھا اور کھلے دروازے سے سیٹ پہ بیٹھ گئی تھی، دروازہ بند ہونے کی آواز پہ معاذ کچھ چونک کر متوجہ ہوا اور حیرت سے منجمد سا ہو کر کئی ثانیوں تلک وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا، پھر یہ حیرت تمام ہوئی تو اس کی آنکھوں میں

مدھم مسکراہٹ در آئی تھی۔

"تھینکس فار دس آنر مائی لیڈی۔" ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بعد وہ اس پہ گہری نگاہ ڈال کر متبسم لہجے میں بولا، پرنیاں کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"کسی خوش فہمی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں، میں آپ سے کلیئر بات کر کے اس معاملے کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔" اس کا لہجہ بگڑا ہوا تھا، معاذ کھل کر مسکرایا۔

"تو کریں نا کلیئر بات، مائی پلشرر۔" اس کے لبوں کی تراش میں خفیف سی مسکراہٹ بکھری لہجہ خواب آگہیں تھا، پرنیاں جھنجھلا گئی۔

"میں کیا بات کروں، آپ بتائیں کیوں اس طرح پیچھے پڑ گئے ہیں میرے؟"

ہم کو ہی کیوں دیتے ہو پیار کا الزام
کبھی خود سے بھی تو پوچھو
اتنے حسین کیوں ہو

یہ اس کے سوال کا جواب تھا جو معاذ نے بڑے جذب کسی قدر شوخی اور ناز سے دیا تھا، پرنیاں کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، اس نے دانستہ اپنی توجہ باہر کی سمت مبذول کی تھی، گاڑی اونچی نیچی بل کھاتی سڑک پہ سرعت سے دوڑ رہی تھی، اطراف میں سرسبز مناظر نگاہوں پہ سحر طاری کر رہے تھے، آفتاب پہاڑوں کے اوپر چمک رہا تھا، ہلکی برف سورج کی حرارت سے تیزی کے ساتھ پگھل کر سڑک کو گیلا کر رہی تھی، درختوں کی ڈالیوں سے بھی اوس کے قطرے وقفے وقفے سے گرتے تھے، پہاڑوں کی زندگی ایسے موسموں اور قدرتی نظاروں کی دیوانی تھی، وہ جیسے معاذ سے بیگانہ ہو کر اسی سحر میں کھو گئی، برف پگھل رہی تھی اور زندگی میں حرارت کا احساس ہو رہا تھا، ہر شے کا حسن دوگنا ہو چکا تھا، معاذ کھنکارا گویا اس کی توجہ حاصل کرنا چاہی، پرنیاں چونکی تھی البتہ اس کو دیکھنے سے گریز کیا۔

او بے خبر تجھے کیا خبر
تیری آنکھ میں کیا جمال ہے
تجھے دیکھ لے جو اک نظر
اس کی آنکھوں میں پھر یہ سوال ہے
مجھے نیند سے کیوں جگا دیا
مجھے خواب کیسا دکھا دیا
کوئی ادا ہے کوئی نشہ ہے
کوئی سادگی کی مثال ہے
میری ہر نظر میں بسا ہے تو
میرے ہر قلم میں لکھا ہے تو
تجھے سوچ لوں تو غزل مری

نہ لکھ سکوں تو خیال ہے

''پلیز اسٹاپ اٹ، اس سب کا مقصد کیا ہے، کیوں کر رہے ہیں آپ مجھے اس طرح زچ۔'' پرنیاں کا ضبط جواب دے گیا تو چیخ پڑی، معاذ نے ایک جھٹکے سے گاڑی روک دی، پھر اسے پرسکون انداز میں دیکھا تھا۔

''اتنی تفصیلی وجہ بتانے کے باوجود یہ سوال کر رہی ہیں؟'' وہ بے انتہا دلکش اور دل موہ لینے والی مسکان کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا، پرنیاں نے کھا جانے والی نظروں سے اس کا متبسم چہرا دیکھا۔

''آپ کی زندگی میں جو لڑکیاں آئی ہوں گی وہ ان فضول حرکتوں پہ خوش ہوتی ہوں گی، مائنڈ اٹ میرا شمار ان لڑکیوں میں نہیں ہوتا۔'' اس کی نگاہوں میں سلگتی چنگاریاں تھیں، لہجے میں زہر ہی زہر تھا، معاذ نے ایک گہری اور بھنچی بھنچی سانس بھر کے اس کے تنے ہوئے نقوش والے چہرے کو دیکھا تھا۔

''آپ میرے متعلق اتنا بدگمان ہو کر کیوں سوچتی ہیں؟'' وہ سخت عاجز ہو کر سوال کر رہا تھا۔

''کیا یہ غلط ہے کہ آپ میرڈ ہیں اور یہ کہ......''

''ایک منٹ پرنیاں! میں میرڈ نہیں ہوں، میرا صرف نکاح ہوا تھا، وہ بھی پپا کی ضد پہ، ان کے کسی عزیز کی......'' پرنیاں کے چہرے پہ آگ دہک اٹھی تھی، اس نے ہاتھ اٹھا کر جیسے معاذ کو کچھ کہنے سے روکا، اس کے انداز میں کچھ ایسا غیر معمولی پن تھا کہ معاذ فی الفور خاموش ہی نہیں ہوا بلکہ اس کی سمت سوالیہ نگاہوں سے بھی دیکھنے لگا تھا۔

''آپ اس لڑکی کو پسند نہیں کرتے آئی مین، اپنی منکوحہ کو؟'' اس نے جیسے خود پہ بہت ضبط کر کے اس سے یہ سوال کیا تھا۔

''پسند کرنے کا کیا سوال؟ میں نے اسے دیکھا تک نہیں ہے۔'' معاذ نے جیسے اپنی طرف سے صفائی پیش کی تھی، پرنیاں کا رنگ یکلخت پھیکا پڑ گیا۔

''کیوں نہیں دیکھا؟ وہ آپ کو اپنے قابل نہیں لگتی؟'' اس کے چہرے کے ساتھ اس کی آواز بھی جیسے اپنا اثر کھونے لگی تھی۔

''کہہ سکتی ہیں۔'' معاذ نے بے اعتنائی سے کاندھے جھٹکے تھے، پرنیاں کے چہرے پہ تاریک سائے لرزنے لگے، ہونٹ تشنج کے مریض کی طرح سے رنگ بدل چکے تھے، اسے لگا تھا کسی نے یکلخت اسے دہکتے الاؤ میں پھینک دیا ہو، اس کا دل رنج سے شق ہونے لگا، اتنی تذلیل ایسی بے مائیگی آنسو اس کے حلق میں آ کر کانٹوں کی طرح اٹک گئے۔

''آپ کو اس سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟ میں آپ کو پسند کرتا ہوں، آپ سے شادی کا خواہاں ہوں میں آج آپ سے یہی بات کرنے کے لئے ساتھ لے کر آیا ہوں۔'' معاذ نے کہتے ہوئے اس کے جانب دیکھا اور چونک اٹھا، ہلکے نیلے رنگ کے سوٹ ہم رنگ دوپٹے میں وہ گلابی پھول جیسی لڑکی کا چہرا لمحوں میں نچڑ گیا تھا، سرسوں کے زرد گلاب کی طرح پیلی رنگت اور غیر متوازن تنفس، وہ حیران رہ گیا۔

''واٹ ہپنڈ آر یو او کے؟'' وہ کسی قدر گھبراہٹ میں مبتلا ہو کر بولا تھا، پرنیاں کی ساکن ہو جانے والی پلکیں لرزیں اس نے دھندلائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا جس کی شخصیت بے حد سحر انگیز تھی تو پرفسوں لہجہ سننے والے پہ سحر طاری کر دیا کرتا تھا، وہ اس کی شخصیت سے مرعوب تھی بلاشبہ اس کی شخصیت میں مسخر کر لینے والی قوت تھی، اس کا دل روا تھا وہ کتنی سہولت، کتنی بے نیازی اور زعم سے اس کی ذات کی کرچیاں بکھیر چکا تھا، پرنیاں نے ہونٹ بھینچ لئے وہ کچھ کہنے کے قابل کہاں رہی تھی، معاذ نے مضبوطی سے اسٹیئرنگ پہ جمے ہاتھ اٹھائے اور اپنا کوٹ اتار کر اس کے کاندھوں پہ ڈال دیا۔

''آپ کو شاید سردی لگ رہی ہے، رات کے کسی حصے یہاں برف باری ہوئی تھی، کتنا تضاد ہے نا یہاں اور کراچی کے موسم میں۔'' معاذ کے انداز میں دوستانہ بے تکلفی تھی، اس کی نگاہ ونڈ اسکرین کے پار نظر آتے گھروں پہ تھیں، جن کی چھتوں پہ برف ابھی بھی موجود تھی، پہاڑوں پر پھیلے چھوٹے بڑے عمودی چھتوں والے گھر جن میں سے اکثر لوگوں کی چھتیں ٹین کی تھیں اور کچھ ٹین ہی کی چھتوں پر سیمنٹ اور ریت کا گارا ڈال کر محفوظ کیا گیا تھا، اس کے باوجود موسم کی شدت روکنے میں ناکام تھے، پرنیاں نے اس سے نگاہ ہٹا کر اپنے کاندھوں پہ موجود اس کے گرے کوٹ کو دیکھا تھا، جس سے اٹھتی پرفیوم اور خود اس کے وجود کی مسحور کن مہک لمحوں میں اس کے حواسوں پہ چھا چکی تھی، کچھ کہے بغیر اس نے کوٹ اپنے وجود سے الگ کر کے اپنے اور معاذ کے بیچ خالی جگہ سیٹ پہ رکھ دیا، اس کے اندر ایک بے نام سے وحشت اتر آئی تھی جو چبھن بن کر مضطرب کرنے لگی تھی، معاذ نے سنجیدہ مگر ساکن نظروں سے سائیڈ پہ پڑے اپنے کوٹ کو دیکھا، ایک توہین آمیز سا احساس اس کے رگ وپے میں سرائیت کرنے لگا تھا۔

''آپ نے مجھے بہت غلط سمجھا مسٹر معاذ حسن! محبت اگر راہ چلتے ملنے لگتی تو دنیا میں فریب کھائی عورتیں دکھائی دیتیں نہ درندہ صفت مرد، یہ بہت شفاف جذبہ ہے، اسے کسی بھی نامحرم کی آنکھوں میں تلاش نہیں کرنا چاہیے، یہ قدرت کی طرف سے تحفے کے طور پہ ملتی ہے، دل بازار نہیں گھر ہے، پاکیزہ گھر جس کا دروازہ اس دستک پہ کھلنا چاہیے جو اس کا جائز حقدار ہے جسے ہم نہیں تقدیر ہمارے لئے چنتی ہے، میں حیران ہوں خدا کا منتخب کیا ہوا ساتھی آپ کی زندگی میں آ چکا اور آپ پھر بھی بھٹکتے پھر رہے ہیں، اپنے اصل کو پہچانیے، اسی کی سمت لوٹیے مجھے واپس جانا ہے، مجھے آپ سے اور کچھ نہیں کہنا۔''

معاذ کا پورا وجود سکتے کی کیفیت میں تھا، معاً اس کی ساکن پلکوں میں جنبش ہوئی اور پرنیاں کے چہرے پہ آن ٹھہریں، جہاں ازلی سرد مہری اور آنکھوں میں بیگانگی اور نفرت کا بسیرا نظر آیا تھا، معاذ کو شاہانہ فطرت پہ یہ بہت سفاک اور کاری چوٹ تھی، وہ گویا ایک عالم تحیر میں گم ہو گیا تھا، وجود میں بڑھتا خون کا فشار دماغ میں ٹھوکریں مارنے لگا۔

(یہ لڑکی شاید اپنے حسن پہ بے تحاشا گھمنڈ کرتی ہے۔)

اس کی نگاہیں شعلہ ہونے لگی تھیں، ورنہ اس جیسے شاندار اور مکمل انسان کو ٹھکرانا ہرگز آسان کام نہیں تھا اس کی مردانہ انا پہ زبردست چوٹ پڑی تھی، اس نے ہونٹ بھینچے اور جھٹکے سے گاڑی

آگے بڑھا دی، گاؤں کے اونچے نیچے ٹوٹے پھوٹے راستوں پہ گاڑی بار بار ہچکولے کھا جاتی گو کہ وہ بہت اچھی ڈرائیونگ کرتا تھا مگر یہاں کے راستے اور کچھ اس کی ذہنی حالت پرنیاں کا دو مرتبہ سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے بچا ایک مرتبہ چھت سے جا کر ٹکرایا، اس نے سخت احتجاجی نظروں سے معاذ کو دیکھا مگر اس کے چہرے پہ جو تاثرات تھے وہ اس درجہ خوفناک تھے کہ وہ کچھ بولنے اور کہنے کی ہمت نہیں کر سکی، جس وقت وہ حویلی لوٹے سہ پہر ڈھل چکی تھی، ڈھلتی دھوپ پھاٹک سے لے کر لان میں پھیلی ہوئی تھی، مگر جگہ جگہ خوش نما جھاڑیوں کے شیڈ کے باعث سائے کا احساس غالب تھا، گاڑی رکتے ہی معاذ یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اور ارادہ یقیناً اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جانے کا تھا مگر پورٹیکو میں موجود سرخ مرسڈیز کا دروازہ کسی نے بہت عجلت میں کھولا اور گاڑی اسٹارٹ چھوڑ کر نیلما نے بہت سرعت سے لپک کر آگے جاتے معاذ کا راستہ روک لیا تھا۔

''ہائے ہینڈسم پریٹی بوائے! تم یہاں، واٹ اے سرپرائز یار، کیسے ہو؟'' اس سے قبل کہ معاذ کچھ سمجھتا، نیلما بے حد بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے گلے کا ہار بن گئی تھی، ستم یہی نہیں تھما تھا بلکہ چٹا چٹ اس کے گال کا بوسہ بھی لے ڈالا، یہ سچوئیشن اس قدر اچانک تھی کہ معاذ سٹپٹاتا بوکھلاتا رہ گیا۔

''ہٹو چھوڑو مجھے نان سنس!'' وہ اسے جھٹک کر تڑپ کر فاصلے پہ ہوا تھا اور بوکھلا کر پرنیاں کو دیکھا جو ابھی تک گاڑی میں بیٹھی تھی، ساکن اور ششدر سی اسے دیکھتی ہوئی، معاذ کا سرخ چہرا جذبات کی شدت سے دہک اٹھا، اہانت اور سبکی کے احساس نے اسے ادھ موا کر کے رکھ دیا تھا، پرنیاں بھی جیسے حواسوں میں لوٹ آئی، خود کو سنبھال کر گاڑی کا بند دروازہ کھولا اور نپے تلے قدم اٹھاتی ان کے نزدیک سے گزر کر اندرونی حصے کی جانب چلی گئی۔

''یہ پرنیاں ہے نا۔'' پرنیاں نے پورٹیکو سے نکلتے نیلما کی آواز سنی تھی، جو وہ معاذ سے ہی مخاطب ہو کر کہہ رہی تھی، اس کی آنکھیں ایکدم جل اٹھیں، پتہ نہیں معاذ نے کیا جواب دیا تھا، وہ پاگلوں کی طرح دوڑنے لگی، راہ میں ٹکراتے ملازموں نے اسے حیرت کی نگاہ سے دیکھا تھا مگر وہ رکی نہیں

''پرنیاں پرنیاں......'' معاذ یقیناً اس کے پیچھے بھاگ کر آیا تھا جبھی سانس پھول رہی تھی مگر اس نے سنا ہی نہیں۔

''ادھر کہاں جا رہی ہو، یہ راستہ مردان خانے کی سمت جاتا ہے۔'' وہ زبردستی مداخلت کرتا ہوا ٹوک کر بولا، پرنیاں نے گالوں پہ بہتے آنسو صاف کیے۔

''مجھے راستہ بھول گیا ہے، مجھے نوریہ اور زینب کے پاس چھوڑ دیں۔'' وہ یونہی روتے ہوئے بولی تھی، معاذ اس سے نگاہ نہیں ملا پا رہا تھا، کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ لیا گویا رہنمائی کرنا چاہی مگر پرنیاں نے نہایت متنفر انداز میں اپنا ہاتھ اگلے ہی لمحے چھڑوا لیا، معاذ کے گویا دل پہ چوٹ پڑی تھی مگر وہ کچھ کہے بنا اس کے آگے ہو لیا تھا۔

''یہاں سے اندر چلی جائیں آپ اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ جائیں گی۔'' وہ ایک جگہ جا کے تھم گیا

تھا، یہ ریڈ کارپٹ سے ڈھکی شفاف راہداری تھی، جس کے اختتام پہ بند دروازہ تھا، پرنیاں نے قدم بڑھائے تو معاذ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''جو کچھ آپ نے دیکھا......''

''میں کسی کو نہیں بتاؤں گی ڈونٹ وری، آپ خود بھی اپنا گال صاف کر لیں تو بہتر ہوگا۔'' اس کی بات کاٹ کر وہ طنز آمیز تلخی سے بولی تھی اور انگلی سے اس کے چہرے کی جانب اشارہ کیا تھا جہاں نیلما کی بے باکی لپ اسٹک کے نشان کے ساتھ ثبت ہو گئی تھی، اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں تھی لمبے ڈگ بھرتے آگے بڑھتی چلی گئی تھی، معاذ کو لگا تھا وہ جاتے جاتے اسے برزخ میں دھکیل گئی ہے، اس نے جھنجھلا کر اپنا گال رگڑ ڈالا تھا۔

☆☆☆

طبیب بن کر جو آ گئے ہو میں نیم جاں تھا تو تم کہاں تھے
تمہاری الفت کی بے حسی پہ میں نوحہ خواں تھا تو تم کہاں تھے
ہر ایک گل تھا خزاں رسیدہ کہ آگ ہر سو لگی ہوئی تھی
بہار آئی تو آ گئے ہو میں نوحہ خواں تھا تو تم کہاں تھے
لہو سے دیئے جلائے ہیں تو پھر کہیں یہ سحر بھی آئی
اندھیرا جب تک طویل راہوں کا حکمراں تھا تو تم کہاں تھے
شعور گفتار آ گیا ہے نہ میرے لہجے میں زہر گھولو
مجھے اب اپنی زباں ملی ہے میں بے زباں تھا تو تم کہاں تھے

اس نے چہرے پہ تیزی سے بہتے آنسوؤں کو ہاتھ سے رگڑ کر خشک کیا اور کھڑکی سے باہر دیکھا اس کی نظر کیاریوں میں لگے پودوں پہ ٹھہر گئی، جن کے سائے بے ہنگم انداز میں دیوار پر پڑ رہے تھے، اس منظر پہ کوئی اور منظر اپنا غلبہ پانے لگا، جس نے اس کی بینائی میں خراشیں ڈال دی تھیں کتنا تکلیف دہ تھا اس کے لئے یہ سارا کچھ، وہ تو پہلے ہی مشکوک تھی اس کی جانب سے مگر صرف شک تھا نا، نیلما جیسی عورت سے اس کی شناسائی تو جیسے تابوت میں کیل ٹھونک دی تھی، اتنی بے تکلفی اور بے باکی، اف وہ لرز گئی، حجاب کے احساس سے آنکھیں سلگ اٹھی تھیں۔

(تو یہ ہے تمہاری حقیقت معاذ حسن! ایک بدکردار بدنام عورت سے بھی تعلق ہے تمہارا)۔ اس کا دل سسک سسک کر تڑپ تڑپ کے رویا مچل مچل کر سسکا۔

(کیا تم ہو میرے سچے خالص اور ان چھوئے جذبوں کے قابل؟ نہیں)۔ اس نے ہچکی بھری تھی، دل میں مما کی باتوں سے اور اس کے اپنے التفات کے مظاہروں سے جو گنجائش پیدا ہوئی تھی ایک بار پھر سرد مہری اور تلخی کی نذر ہونے لگی، اسے معاذ کی بوکھلاہٹ یاد آئی تو چہرے پہ زہر خند پھیل گیا۔

(تم خوفزدہ ہو کہ میں تمہارا بھید نہ کھول دوں؟ آہ سیانے کہتے ہیں، تن سے چادر ہٹانے سے اپنا وجود ہی عریاں ہوتا ہے، یہ قسمت کی ستم ظریفی ہے معاذ حسن کہ تم میرے وجود کی چادر قرار پائے ہو، تمہارا عیب ظاہر کرنا گویا میری اپنی ذات کی عریانیت ہے جو بہر حال مجھے مر کے بھی گورا

نہیں ہوگی، سوڈونٹ وری، ہاں لیکن اب تم میری نظر میں کبھی سربلند نہیں ہو سکتے، میں اگر باکردار ہوں تو یہ میرا حق تھا کہ تم بھی میرے لئے شفاف اور باکردار رہتے میں نے اگر کبھی کسی غیر محرم کو ہاتھ بھی نہیں تھامنے دیا تو تمہاری بے باکیاں کیسے برداشت کرلوں، طے ہوا معاذ حسن تم میرے معیار پہ پورے نہیں اتر سکتے۔)

''پرنیاں یوں اندھیرے میں کیوں کھڑی ہو؟'' سب لوگ زینب کے پاس حویلی میں تھے صرف وہی عیاں نہ ہونے کے چکر میں انیکسی میں تھی اپنے خیالات میں اتنی محو تھی غرق تھی کہ کب اندھیرا کمرے میں اتر آیا اسے خبر ہی نہ ہوسکی، وہ تو خود کو بھولے ہوئے تھی۔

''معاذ کہاں لے کر گیا تھا تمہیں؟ کیا کیا باتیں ہوئیں؟'' بھابھی لائیٹس آن کر چکی تھیں، اپنی سوئی ہوئی بیٹی کو بستر پہ لٹاتے ہوئے بے حد تجسس سے بولیں، ان کے لہجے کی خفیف سی شوخی اور اشتیاق نے پرنیاں کو جیسے کوڑا سا مارا تھا، وہ جو پہلے ہی مضطرب اور ہیجانی کیفیت میں مبتلا تھی، بھابھی کے مذاق کو سہہ نہ سکی، اس پہ جیسے شدید قسم کا ہسٹریائی اٹیک ہوا تھا۔

''وہ مجھے دھوکے سے لے کر گئے تھے، مجھے اگر ذرا سا بھی حسان کے بیان پہ شبہ ہوتا تو کبھی بھی ساتھ نہ جاتی اور میری ان سے ہرگز بھی اتنی بے تکلفی نہیں ہے کہ خوش گپیاں کرتی پھروں۔'' وہ بھڑک کر دبے ہوئے لہجے میں چیختی چلی گئی تھی، بھابھی جو بچی کو لٹا کر سیدھی ہو چکی تھیں حیرت رنج اور غیر یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئیں، اس کی سرخ ہو کر دہکتی آنکھیں ستا ہوا چہرا اس کے اضطراب کا گواہ تھا مگر اس کا رویہ بے حد تکلیف دہ تھا مگر انہوں نے خود کو بیک وقت سنبھال لیا تھا۔

''سوری پری! تمہیں برا لگا شاید، میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا، آئی ایم سوری۔'' انہوں نے آہستگی و نرمی سے مگر بوجھل آواز میں کہا تھا اور پرنیاں جو اپنے رویئے کی بدصورتی کا احساس ہوتے یہ متاسف اور خائف ہو گئی تھی، ایکدم چہرا ہاتھوں میں ڈھانپ کر رونے لگی تھی، بھابھی تو بری طرح سے سٹپٹاتے ہوئے اس کی جانب لپکیں۔

''سوری پری گڑیا! مجھے نہیں پتہ تھا کہ تمہیں......''

''مجھے معاف کردیں بھابھی! مجھے معاف کردیں، میں پتہ نہیں کیسے آپ سے اتنی بدتمیزی کر گئی، مجھے پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے، ایکچوئیلی میرے سر میں بہت درد ہے۔'' اچانک ان سے لپٹ کر وہ کچھ اور شدتوں سے مچل مچل کر روتی جا رہی تھی، بھابھی کی سمجھ میں نہیں آیا اسے کیا تسلی دی، کیسے چپ کرائیں۔

''پری میری جان! چپ ہو جاؤ، سر میں درد ہے پہلے کیوں نہیں بتایا، میں ابھی معاذ کو بلاتی ہوں آئی تھینک تمہارا بی پی شوٹ کر گیا ہے۔'' انہوں نے اس کے آنسو پونچھے تھے پھر اسے پچکار کر نرمی سے بیڈ پہ بٹھایا۔

''آپ نے مجھے معاف کر دیا؟'' وہ سراسیمہ سی انہیں دیکھ رہی تھی، بھابھی مسکرا دیں۔

''کم آن پری! اس قدر کانشس کیوں ہو رہی ہو؟'' پرنیاں کے چہرے پہ بے بسی چھا گئی۔

''میں معاذ کو بلاتی ہوں اور چائے کا بھی کہتی ہوں تمہارے لئے۔''

''بھابھی پلیز! آپ بس مجھے چائے کے ساتھ پین کلر دے دیں۔'' اس نے معاذ کا نام سن کر بدلے ہوئے انداز میں گزارش کی، اندر داخل ہوتے معاذ نے اس کا فقرہ سنا تھا اور گہرا سانس بھرا۔

''خیریت بھابھی کیا ہوا؟'' اس کی نظریں پرنیاں کے چہرے پہ جم گئی تھیں، سیاہ ہلکے کام کے سوٹ میں ملبوس وہ چودہویں کے چاند کی طرح دمک رہی تھی، اسے روبرو پاتے ہی پرنیاں نے ناگوار تاثرات سمیت چہرے کا رخ پھیر لیا تو معاذ کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرا گیا تھا۔

''طبیعت ٹھیک نہیں ہے، پرنیاں کی، تم ذرا دیکھنا میں چائے کا کہتی ہوں۔'' بھابھی جیسے ساری ذمہ داری اس کے کاندھوں پہ ڈال کر خود باہر نکل گئی تھیں، پرنیاں نے گھبرا کر دروازہ سے غائب ہوئیں بھابھی کو دیکھا اور سراسیمہ ہو گی، اوڑھے ہوئے دوپٹے کو اس نے اضطراری کیفیت کے زیر اثر پھر سے درست کیا تھا، معاذ نے اس کی ہر حرکت کا بہ نظر غائر جائزہ لیا تھا اور جیسے بے اعتباری کے اس مظاہرے پہ سرتاپا جھلس کر رہ گیا۔

''کیا ہوا ہے آپ کو؟'' خود پہ بامشکل ضبط کرتا ہوا وہ دھیمے مگر پرتپش لہجے میں بولا تھا۔

''جو بھی ہوا ہو، آپ براہ کرم یہاں سے تشریف لے جائیں۔'' وہ از حد رکھائی اور بدتمیزی سے بولی تو معاذ کسی طرح بھی خود پہ قابو نہیں رکھ سکا۔

''پرنیاں!'' اس کے سرد لہجے میں تنبیہ بھی تھی اور دھاڑ بھی۔

''ڈونٹ شاؤٹ اوکے، یوں چیخ کر چلا کر عیبوں پہ پردہ نہیں پڑ جایا کرتا۔'' پرنیاں خائف ہوئے بغیر پھنکاری، تو معاذ کا چہرا اہانت کے احساس سے لال بھبوکا ہو گیا۔

''جسٹ شٹ اپ، کون سے عیب، ہاں بولو۔'' وہ غصے اور ہتک سے جیسے دیوانہ ہونے لگا، اسے کاندھوں سے پکڑ کر شدتوں سے جھنجھوڑ ڈالا، پرنیاں چند ثانیوں کو تو جیسے سہم سی گئی، مگر اگلے لمحے اس نے بپھر کر اس کے ہاتھوں کو جھٹک ڈالا۔

''ڈونٹ ٹچ می، اوکے، مجھے گھن آ رہی ہے آپ سے۔'' آخری فقرہ اس نے جیسے روتے ہوئے ادا کیا تھا، معاذ نے جلتی آنکھوں اور بے اوسان سانسوں کے ساتھ اسے دیکھا تھا، اس کا ہاتھ پرنیاں پہ اٹھتا اٹھتا رہ گیا تھا۔

''کھاتی رہو گھن مجھ سے، آئی ڈونٹ کیئر، سنا تم نے آئی ڈونٹ کیئر، مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے تمہارے آگے صفائیاں پیش کرنے کی، جہنم میں جاؤ تم، پتہ نہیں خود کو سمجھنے کیا لگی ہو۔'' وہ جیسے جنونی کیفیت میں بولتا ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا، پرنیاں سکتے میں آ گئی، یہ سکتہ ٹوٹا تو معاذ کے ایک ایک لفظ نے اسے بے مایا کیا تھا وہ شدتوں سے بلک بلک کر روتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

کبھی آ میرے آنگن میں ذرا شام کے بعد
مل کے مانگیں گے محبت کی دعا شام کے بعد
جن کی تقدیر میں خواب نہیں نیند نہیں
اوڑھ لیتے ہیں ستاروں کی ردا شام کے بعد
آؤ مل بیٹھ کے کچھ وقت اکٹھا گزار لیں

میں سنوں تجھ کو تو اپنی سنا شام کے بعد
وہ مجھے چھوڑ گیا شام سے پہلے پہلے
یہ نہ پوچھو میرا کیا حال ہوا شام کے بعد
وہ یہاں تھی تو ہر اک شام سجی رہتی تھی
اب تو لگتا ہے شام ہوتی ہی نہیں شام کے بعد

اس کی کشادہ آنکھوں میں سرخ ڈورے بے حد نمایاں تھے، صبیح پیشانی پہ اضطراب کی مظہر رگ بار بار ابھر کر پھڑکتی تھی، جہان نے جتنی بار بھی اسے دیکھا اس کی اضطراب میں پہلے سے اضافہ ہی پایا تھا، وہ پوچھ پوچھ ہار گیا مگر منہ سے کچھ پھوٹتا بھی نہیں تھا، گاڑی ذیلی سڑک سے نکال کر مین روڈ پہ ڈال کر جہان نے پھر اسے دیکھا اور گہرا سانس بھرا، اس وقت تارکول کی لمبی سڑک آسمان پر جا بجا بادلوں کی ٹولیوں کی وجہ سے دھوپ چھاؤں حصوں میں بٹی ہوئی تھی، گاڑی کے بند شیشوں کی وجہ سے گو اس کا احساس نہیں ہو رہا تھا مگر گاڑی سے باہر گزرنے والے درختوں کی ایک طرف کو جھکی شاخوں اور پودوں کو دیکھ کر پتہ چل رہا تھا کہ باہر اچھی خاصی ہوا بھی چلنے لگی ہے، ہوا آسمان پر بکھرے بادلوں کو یہاں سے وہاں دھکیل کر زمین پر پھیلی دھوپ چھاؤں کو بار بار اپنی جگہ بدلنے پر مجبور کر رہی تھی، وہ اس منظر کو دیکھ کر صحیح معنوں میں قدرت کی کاریگری کا قائل ہوا تھا، سڑک کے جن حصوں پہ دھوپ تھی وہاں چمکیلا سنہرا پن تھا اور جہاں بادلوں نے سایہ کر رکھا تھا وہاں نیلگوں اداسی پھیلی ہوئی تھی، ایک ہی منظر میں دو متضاد کیفیات کو یکجا کر دینا صرف اس خالق کائنات کی ہی صلاحیتوں کا معمولی کام تھا۔

''معاذ تم کچھ پھوٹو گے منہ سے یا میں تمہیں اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں، نری ٹینشن۔'' جہان کا ضبط جواب دے گیا تو وہ پھٹ پڑا تھا۔

''دوسری تجویز زیادہ بہتر ہے۔''

معاذ کی بدمزاجی نقطہ عروج پہ جا پہنچی تھی، جہان نے عاجزانہ نظروں سے اسے دیکھا اور گاڑی کی رفتار آہستہ کر دی۔

''معاذ کیا ہو گیا ہے یار؟''

''تم مجھے صرف یہ بتاؤ یہ لڑکیوں کی ساری قوم اتنی احمق اور بدگمان کیوں ہوتی ہے یار۔''

''کیا ہوا ہے؟'' جہان کا ماتھا ٹھنکا تھا، معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر کے کھڑکی سے باہر اپنی توجہ راستوں پہ لگے بلند قامت اشتہارات اور بورڈز پر لگا دی، لیکن جب تک اس کے ہجے مکمل ہوتے گاڑی سبک رفتاری سے آگے بڑھ جاتی، وہ آہستگی سے جہان کو ساری بات بتاتا چلا گیا، جسے سننے کے بعد جہان کی تشویش اور پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''یہ نیلما......'' وہ دانت کچکچا کر رہ گیا، پھر کسی قدر غصے سے اسے دیکھا۔

''اور تم...... بجائے ان کی غلط فہمی دور کرتے الٹا جھگڑا کرنا شروع کر دیا۔''

''پھر کیا کرتا، یار وہ مجھے اتنا غلط کیوں سمجھتی ہیں؟'' معاذ پھر بھڑکنے لگا۔

''تو پھر ٹھیک ہے، رہنے دو ان کی غلط فہمی برقرار۔'' جہان نے کٹیلے انداز میں کہا تو معاذ نے

اسے بے دریغ گھورا۔

''اگر مجھے یہی سب کرنا ہوتا تو تمہیں انوالو نہ کرتا، محترمہ مجھے دیکھ کر ہی منظر سے غائب ہونے لگی ہیں، کیسے وضاحت دوں، کوئی سننے پر بھی تو آمادہ ہو۔'' اس پہ جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی تھی، جہان کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''ہنسے کیوں تم؟'' وہ مرنے مارنے پہ تل گیا۔

''سوری سوری، ویسے تم وہی ہونا جس نے ہمیشہ لڑکیوں کو اپنے پیچھے دوڑایا تھا اور کبھی تمہارے مزاج نہیں ملتے تھے، مجھے یقین نہیں آ رہا محترم معاذ حسن پرنیاں کے پیچھے پاگل ہو چکے ہیں۔''

''ہاں اڑا لو مذاق، تمہارا حق بنتا ہے، بہن ہیں نا محترمہ تمہاری، بجائے میری کوئی سفارش کرنے......'' معاذ کے چہرے سے بے بسی چھلکی، جہان کو سنجیدہ ہونا پڑا۔

''اوکے...... اوکے میں کچھ کرتا ہوں۔'' جہان کی تسلی پہ معاذ نے پرسکون ہو کر آنکھیں موند لی تھیں۔

☆☆☆

دکھ دے کر سوال کرتے ہو
تم بھی غالب کمال کرتے ہو
دیکھ کر پوچھ لیا حال میرا
چلو کچھ تو خیال کرتے ہو
شہر دل میں اداسیاں کیسی
یہ بھی مجھ سے سوال کرتے ہو
مرنا چاہیں تو مر نہیں سکتے
تم بھی جینا محال کرتے ہو
اب کس کس کی مثال دوں تم کو
ہر ستم بے مثال کرتے ہو

وہ سب کے درمیان ہو کر بھی جیسے اکیلی تھی، اپنے دکھوں کربناک سوچوں اور خود اذیتی کے ساتھ، زینب کسی بات پہ زور سے ہنسی تب وہ چونکی تھی، صرف زینب نہیں باقی سب بھی ہنس رہی تھیں، اس نے خود کو ہونق محسوس کیا تھا۔

''دیوانگی کا مت پوچھو تیمور کی مجھے ساتھ آنے بھی نہیں دے رہے تھے، اتنی مشکلوں سے منایا ہے، تب بھی دو دن کی اجازت دی، کل آ جائیں گے مجھے لینے۔'' زینب کے شنگرفی ہونٹوں پہ مسکراہٹوں کی کلیاں چٹک رہی تھیں، اس کی آسودگی اس کے چہرے و آنکھوں سے عیاں تھی، وہ عجیب سی حسرت سے اسے دیکھے گئی۔

''تم اتنی خاموش کیوں ہو پری؟'' زینب نے اچانک اسے مخاطب کر لیا تھا، وہ چونک کر سنبھلی۔

"نہیں تو ایسی کوئی بات نہیں۔"

"مما کیا کہہ رہی ہیں تم آج ہی ہاسٹل جا رہی ہو؟ اک دن تو رک جاؤ نا کل مجھے بھی چلے جانا ہے۔"

"میں نے ایک ہفتے کی چھٹیاں لی تھیں، آج دس دن ہو گئے ہیں، اسٹڈی کا بہت حرج ہو رہا ہے۔" وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا نا یار! اک دن سے کیا فرق پڑ جائے گا۔" زینب مصر تھی، پرنیاں نے ہونٹ بھینچ لئے، اب وہ کیا بتاتی کہ معاذ حسن کی وجہ سے وہ اک لمحہ بھی اب یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی، حالانکہ جب مما سے اس کی بات ہوتی تو اس کے ہاسٹل جانے کا سنتے ہی وہ بیکل ہو اٹھی تھیں۔

"پرنیاں بیٹے! اب کیا ضرورت ہے ہاسٹل جانے کی، آپ یہاں رہو نا، میں چاہتی ہوں آپ اور معاذ زیادہ سے زیادہ وقت ایک ساتھ گزارو تا کہ انڈر اسٹینڈنگ ڈیلوپ ہو آپ کے بیچ، میں چاہتی ہوں جلد آپ کی رخصتی بھی ہو جائے۔" پرنیاں کی جان پہ بن آئی ان کی باتیں اور ارادے سن کر۔

"مما میری اسٹڈی کا ابھی ایک سال باقی ہے، اس کے بعد ہاؤس جاب بھی ہوگا۔" اس کے انداز کی سراسیمگی کو مما نے مسکرا کر دیکھا تھا۔

"معاذ آپ کو پڑھنے سے ہٹائیں گے تھوڑی، میرا بیٹا بھی ڈاکٹر ہے بھئی۔" ان کے لہجے میں خفیف سی شرارت تھی مگر وہ مسکرا بھی نہ سکی تھی۔

"میں جب تک اسٹڈی کر رہی ہوں مجھے ہاسٹل میں رہنے دیں مما۔" اس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے بے چارگی سے کہا تھا، مما کچھ دیر تک اس کے چہرے کے تذبذب کو گہری نگاہ سے دیکھتی رہی تھیں پھر اس کا گال تھپک دیا تھا گویا تسلی سے نوازا تب کہیں جا کر اس کی جان میں جان آئی تھی، اگلے دن تیمور خان زینب کو لینے چلا آیا تھا، اس وقت پرنیاں ہی لان میں تھی، اس کا سامنا ہی تیمور سے ہوا تھا، وہ اس کے سامنے یہ سخت جزبز ہو گئی، تیمور سے اس کی جان جاتی تھی، عجیب تھا اس کا دیکھنے کا انداز، اندر تک اترتی ایکسرے کرتی ہوئی آنکھیں، وہ رشتوں کا بھی لحاظ کرنے والا انسان نہیں تھا۔

"زینب اندر ہیں تیمور بھائی، آیئے اندر چلتے ہیں۔" اسے لان میں ہی اپنے مقابل کرسی پہ بیٹھتے دیکھ کر پرنیاں بدحواس ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی، اسے معاذ کی وہ خفگی یاد آئی تھی جو تیمور کے سامنے یہ اسے سہنا پڑی تھی، وہ ولیمہ کا دن تھا اور پرنیاں اس دن عام دنوں سے زیادہ اچھی لگ رہی تھی، بلیک سوٹ میں اس کی شفاف گردن اور کلائیاں بے حد نمایاں تھیں، اچھی طرح دوپٹہ لینے کے باوجود وہ ایسا سحر انگیز حسن رکھتی تھی کہ دیکھنے والی نگاہ ٹھٹھک جاتی تھی اور تیمور کی نگاہ زینب کے پہلو میں بیٹھ کر بھی پرنیاں کے وجود کا بار بار حصار باندھنے لگی تھی، جسے اور کسی نے محسوس کیا ہو یا نہیں معاذ نے ضرور کر لیا تھا اور جب وہ زینب کے کہنے پہ اسٹیج پہ پہنچی تو تیمور نے اسے زینب کے ساتھ بیٹھتے ہی باتوں میں الجھا لیا تھا، اس کی گفتگو اس کی نظروں کی طرح معنی خیز تھی، پانچ منٹ بعد ہی وہ گھبرا کر اٹھ کر نیچے آ گئی تھی تو اس میں معاذ کو گھورتی خفا نظروں کا کمال زیادہ تھا۔

"اتنی جلدی کیوں اٹھ گئیں آپ؟ ابھی اور وہاں بیٹھنا تھا نا۔" وہ اس پہ چڑھ دوڑا تھا، وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی چیزوں رشتوں اور احساسات کے متعلق بھی بہت جذباتی ہوتے ہیں، گو کہ وہ اس کے حوالے سے اپنے اہم رشتے سے آگاہ نہیں تھا صرف اسے خاص نگاہ سے دیکھتا تھا اس کے باوجود اتنا پوزیسو ہو رہا تھا اگر رشتے کا استحقاق معلوم ہو جاتا تو جانے یہ اجارہ داری کس حد تک جا پہنچتی۔

"کمرے میں جائیں، کوئی ضرورت نہیں ہے یہاں بیٹھنے کی۔" تیمور خان کی اس کے تعاقب میں سفر کرتی نظروں کو دیکھ کر وہ غصیلی آنکھوں سے پرنیاں کو گھورتے ہوئے بھینچتے ہوئے لہجے میں بولا تھا، اس بات پر پرنیاں ضرور اس سے ضد لگاتی اگر وہ خود تیمور کی نظروں سے ناپسندیدگی اور ناگواری کے احساس سے دوچار نہ ہوتی جبھی کچھ کہے بنا وہ اسی پل ہی انیکسی میں آ گئی تھی۔

"آپ کے پیرنٹس نہیں ہیں نا، مجھے پتہ چلا ہے، آپ کا نکاح بھی معاذ کے ساتھ بالکل اچانک ہوا ہے، ظاہر ہے آپ کی مرضی تو شامل نہیں ہوگی۔" تیمور خان اس کے ہمراہ اندرونی حصے کی جانب بڑھتے ہوئے اس کے چہرے پہ نگاہ کا فوکس جمائے بولا تو پرنیاں کی رنگت ایک لمحے کو متغیر ہوئی تھی، اس کے تاثرات اس درجہ ذاتی سوال پہ درشتی اور تلخی سمیٹ لائے۔

"کس نے کہا ہے آپ سے بہر حال جس نے بھی یہ اطلاع دی ہے بالکل غلط ہے، آپ بیٹھے میں زینب کو بلا کر لاتی ہوں۔" تیمور کو ڈرائینگ روم میں چھوڑ کر وہ سختی سے کہتی الٹے قدموں پلٹ گئی، پھر اس کے بعد کمرے میں آ کر وہ اپنا بیگ تیار کرنے لگی تھی، ملازمہ اسے کھانے کو بلانے آئی تو اس نے بھوک نہ ہونے کا عذر تراش کر کھانے سے انکار کر دیا تھا، ورنہ حقیقت یہ تھی کہ وہ تیمور کے سامنے سے خائف تھی، مما کچھ دیر بعد خود اس کے پاس چلی آئیں۔

"کھانا کیوں نہیں کھایا بیٹے اور جا رہی ہو؟"

"جی مما! جا رہی ہوں، مجھے بھوک نہیں تھی۔"

"چلو کچھ پھل لے لینا ساتھ میں دودھ کا گلاس بھیجتی ہوں اور بیٹے اب چکر لگاتی رہنا یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔" وہ اسے گلے لگا کر آبدیدہ ہو گئیں، پرنیاں آہستگی سے مسکرائی تھی۔

(جاری ہے)

"دعائے صحت"

طبیعت کی ناسازی کے باعث فوزیہ غزل اس ماہ "وہ ستارہ صبح امید کا" کی قسط نہیں لکھ پائیں، قارئین سے فوزیہ غزل کی صحت یابی کے لئے دعا کی اپیل ہے۔

ہجر کا آخری کنارہ

سمیرا گل

”چلو نا یار کیفے ٹیریا چلتے ہیں۔“ راہب نے قدرے جھنجھلا کر کوئی دسویں مرتبہ کہا تھا مگر وہ ہنوز سر جھکائے کاغذ پر قلم گھسیٹے جا رہی تھی۔

اب کی بار اس کی نظریں تیزی سے چلتی مخروطی انگلیوں اور ریشمی پلکوں سے ٹکرائیں تو وہ دم بخود سا دیکھتا ہی چلا گیا تھا اسے اپنی بھوک اپنا جھنجھلانا جیسے کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔

جانے مزید کتنے پل بیت چکے تھے اس نے قلم پر کیپ لگانے کے بعد ایک گہرا سانس خارج کیا تو راہب جیسے ہوش میں آیا تھا۔

”راعنا!“ اس کے گمبھیر لہجے پر اپنے اسکارف کو اچھی طرح سے لپیٹتے اس کے ہاتھ گردن کے پاس ہی کہیں رک گئے تھے اور سیاہ آنکھوں پر سیاہ فلن جھالر اب اس کی سمت اٹھی ہوئی تھی۔

”مجھ سے شادی کرو گی۔“ اس نے بلا کسی جھجک کے کہہ ڈالا تھا جس پر راعنا نے قدرے اطمینان سے اپنا اسکارف درست کرنے کے بعد سارے نوٹس فائل میں لگاتے ہوئے اسائمنٹ اس کی جانب بڑھا دی تھی۔

”یہ آخری بار ہے۔“ حسب معمول وہ اپنا مخصوص جملہ دوہرانا نہیں بھولی۔

”میرے سوال کا جواب دو۔“ وہ اسائمنٹ ایک جانب رکھتے ہوئے استفہامیہ نگاہوں سے اس دیکھنے لگا تو وہ لب بھینچ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ہزار بار دے چکی ہوں اور اب تم پلیز مجھے پرپوز کرنا چھوڑ دو۔“ اس نے جھک کر اپنا بیگ کاندھے پر ڈالا اور کیفے ٹیریا کی سمت قدم موڑ لئے۔

مکمل ناول

''میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' وہ بھی اس کے ہمراہ چل رہا تھا راعنا نے ایک لمحے کے لئے رک کر اسے دیکھا پھر قدرے تحمل سے بولیں۔

''میں اپنوں کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتی۔''

''میں تمہیں بغاوت کی ترغیب نہیں دے رہا مگر تم اپنے پیرنٹس کو قائل کرنے کی کوشش تو کر سکتی ہونا۔''

''سوری میں یہ بھی نہیں کر سکتی۔'' اس نے بیگ اور کتابیں میز پر پٹختے ہوئے ویٹر کو اشارہ کیا تھا اور دونوں اپنا اپنا آرڈر درج کروانے لگے تھے۔

''کل صبح تیار رہنا میں تمہیں اپنی مما سے ملواؤں گا۔'' راعنا کو ہاسٹل کے گیٹ پر ڈراپ کرتے ہوئے یہ آخری الفاظ تھے جو اس نے کہے تھے اور پھر گاڑی بھگا لے گیا تھا اور وہ زیر لب مسکراتے ہوئے وارڈن سے چابی لینے کے بعد اپنے روم میں چلی آئی تھی۔

بیگ صوفے پر اچھالنے کے بعد، اس نے پیروں کو شوز کی قید سے آزاد کیا پھر جرابیں اتارے بغیر کچن میں چلی آئی اس وقت اسے کافی کی شدید طلب ہو رہی تھی اپنے ساتھ ساتھ اس نے مائرہ کے لئے بھی ایک کپ بنایا تھا، مائرہ اس کی روم میٹ تھی اور اس کا تعلق بھی پاکستان سے تھا۔

''تم کب آئی۔'' گروسری کا سامان سلیب پر رکھتے ہوئے اس نے راعنا سے دریافت کیا۔

''میں کوئی دس منٹ قبل۔'' کپ میں کافی ڈالنے کے بعد اس نے ایک کپ مائرہ کی جانب بڑھا دیا جو اس نے ''تھینک یو'' کے ساتھ تھام لیا تھا۔

کچھ دیر ادھر ادھر کی گپ شپ کے بعد وہ پھر سے تیار ہو کر باہر چلی گئی تھی اسے اپنے منگیتر ابوتراب کے ساتھ ڈنر پر جانا تھا۔

راعنا نے دروازہ بند کیا اور تکیہ درست کرتے ہوئے نیم دراز ہو گئی پلکوں کی جھالر گرتے ہی اس کا چہرہ چھم سے تصور میں اتر آیا تھا، دو آنسو چپکے سے راستہ بناتے رخساروں پر امڈ آئے۔

اس کے سامنے وہ جتنا بھی خود کو مضبوط اور بے نیاز پوز کرتی مگر اس کے وجود اندر سے ریزہ ریزہ ہو رہا تھا جوں جوں فائنل کے دن قریب آ رہے تھے وہ مستقل جدائی کے خیال سے خوفزدہ رہنے لگی تھی چاچو کے بعد وہ پہلا شخص تھا جو اسے اتنا شائستہ اور نرم خو لگا تھا۔

''کیا چاچو اس سلسلے میں میری کوئی مدد کر سکتے ہیں۔'' ابھی اس نے اس پہلو پہ سوچنا شروع ہی کیا تھا کہ ڈیڈی کی آواز نے اس کی سوچوں پہ پہرہ لگا دیا۔

''میں صرف تمہاری ذمہ داری پر اسے بھیج رہا ہوں کل کو میری عزت پر کوئی حرف آیا تو جواب طلبی تم سے ہو گی۔'' اور چاچو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جیسے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا تھا۔

حویلی میں بس وہی تو تھے جو اسے سب سے زیادہ چاہتے تھے ورنہ باقی سب مردوں کو تو اس بات کا ملال کھائے جاتا تھا کہ ان کے بعد ان کی نسل کا کوئی وارث نہیں ہے۔

اسے آج بھی یاد تھا وہ دن جب اس نے بی ایس آنرز میں ٹاپ کیا تھا اور اسے آکسفورڈ یونیورسٹی کا اسکالر شپ ملا تھا، حنا، ندا، مریم سب کتنا مذاق اڑا رہی تھیں۔

''اچھا تو اب آپ لندن جائیں گی۔''

تصور سے ہی اس کی آنکھوں میں ستارے چمکنے لگے تھے۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے اس ٹاپک پر اپنے ڈیڈی سے بات کرنے کی خوامخواہ گھر کا ماحول خراب ہو گا جتنا پڑھ لیا اتنا کافی ہے۔'' مما نے سنتے ہی اسے بری طرح سے جھاڑ دیا تھا اور وہ خاموشی سے لب کاٹتی کچن سے باہر نکل آئی تھی ان سب کے ساتھ سر کھپانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، اسے تو بس چاچو کے آنے کا انتظار تھا وہ اپنے بزنس کے سلسلے میں آؤٹ آف سٹی گئے ہوئے تھے اور اس کے لئے دو دن گزارنا محال ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی فارم ہاتھوں میں لئے حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جب چاچو کی گاڑی کا مخصوص ہارن سنائی دیا، اس نے بھاگ کر ان کا بریف کیس پکڑا تھا اور ان کے ساتھ ہی اندر آئی تھی۔

ہمیشہ سے ہی وہ ان کا ہر کام کیا کرتی تھی جیسے ان کے جوتے پالش کرنا، کپڑے استری کرنا، ان کے کمرے کی صفائی، ناشتہ، کھانا اور چائے وغیرہ سے لے کر ان کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کا خیال رکھنا بھی اس کی ذمہ داری تھا۔

وہ کئی بار منع کرتے تم رہنے دو ملازمہ کر لے گی مگر اس کا ہر بار ایک ہی جواب ہوتا۔

''مجھے اچھا لگتا ہے آپ کا ہر کام اپنے ہاتھوں سے کرنا۔'' اور اس کے جواب پر ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی جیسے کسی کی یاد کا دیپ جل اٹھا ہو۔

''کیا ہوا تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے۔'' وہ بھی اس کے مزاج کا ہر رنگ پہچانتے تھے، راعنا چائے کا کپ انہیں تھما کر ان کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی یوں کہ چہرے پر اس وقت زمانے بھر کی مظلومیت طاری تھی اور انہوں نے فوراً بھانپ بھی لیا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے اور پھر پوری بات سننے کے بعد وہ خاموش سے ہو گئے۔

''چاچو پلیز آپ تو جانتے ہیں نا کہ مجھے یونیورسٹی میں پڑھنے کا کتنا شوق ہے۔'' وہ منت سے بولی۔

''تو یہاں کی کسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لو۔'' کچھ دیر سوچنے کے بعد انہوں نے ایک اور قابل قبول حل پیش کیا تھا جس پر راعنا کا منہ پھول گیا۔

''وہاں کی ڈگری کی ویلیوز زیادہ ہے۔''

''تو تمہیں کون سا کہیں نوکری کرنی ہے۔'' وہ خفگی سے بولے۔

''چاچو پلیز یہ چانس مجھے دوبارہ نہیں ملے گا اور کیا آپ کو مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔'' اب کی بار اس نے ایموشنل بلیک میلنگ سے کام لیا تھا اور ہمیشہ کی طرح وہ اس کی ضد کے سامنے ہار گئے تھے، باقی کے تمام تر مراحل پھر انہوں نے ہی طے کیے تھے۔

وہ اپنے خاندان کی پہلی لڑکی تھی جو اعلیٰ ایجوکیشن کے لئے بیرون ملک کی اس یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھی۔

راہب سے اس کی ملاقات جس روز ہوئی وہ اس کا یونیورسٹی میں فرسٹ ڈے تھا ایک تو سفر کی تھکان پھر وہ دیر سے سوئی تو آنکھ بھی دیر سے کھلی تھی، اتنی دیر کہ آخری پوائنٹ بھی نکل چکا تھا۔

وہ روڈ پہ کھڑی ٹیکسی کا ویٹ کر رہی تھی جب سیاہ لینڈ کروزر کے ٹائر اس کے قریب آ کر چرچرائے وہ اچھل کر دو فٹ دور ہٹی تھی۔

تبھی ونڈ اسکرین سے ایک ہینڈسم نوجوان

کا چہرہ نمودار ہوا تھا وہ کوئی اٹیلین لڑکا تھا مگر اس کے نقش اتنے مانوس اور متاثر کن تھے کہ وہ اپنا سارا غصہ بھول کر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اگر آپ کو آکسفورڈ یونیورسٹی کے آس پاس کہیں جانا ہے تو میں آپ کو ڈراپ کر سکتا ہوں۔'' سر باہر نکالے وہ شائستگی سے کہہ رہا تھا۔

''جی نہیں شکریہ۔'' اس نے سہولت سے انکار کرتے ہوئے رخ موڑ لیا اور دل ہی دل میں اپنی بے اختیاری پر خود کو سرزنش بھی کی۔

''اصل میں آپ نے کیب کو رکنے کا اشارہ کیا تھا اور وہ رکے بغیر چلی گئی تو میں نے سوچا یہ نیک فریضہ کیوں نا میں انجام دے لوں بس اسی لئے رک گیا تھا ویسے بھی میں یونیورٹی جا رہا تھا اور آپ کے ہاتھوں میں پکڑی فائل اور بیگ سے اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ بھی یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹ ہیں تو جب راستے ایک ہوں تو ساتھ چلنے میں کیا حرج ہے۔'' اس کے ہاتھ میں فائل کے ساتھ وہ کاسٹ اینڈ مینجمنٹ اکاؤنٹنگ کی بک بھی دیکھ چکا تھا اور آخری جملے کو ادا کرتے ہوئے اس نے آنکھوں پر گلاسز چڑھانے کے ساتھ ساتھ فرنٹ ڈور بھی کھول دیا تھا اور وہ اس کی جرأت پر ششدر سی رہ گئی تھی۔

''میم آپ کو کہیں جانا ہے۔'' اس کی گاڑی کے پیچھے کھڑی کیب میں سے ایک برٹش آدمی نے انگلش میں دریافت کیا تھا وہ سر جھٹک کر اس کی کیب میں جا بیٹھی۔

ٹائم سے فائیو منٹ لیٹ وہ کلاس میں پہنچی تھی سر ولیم جون کلاس میں آ چکے تھے اور ان کا لیکچر جاری تھا وہ شش و پنج کا شکار دروازے پر کھڑی تھی جب سر ولیم نے اسے دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

کلاس میں داخل ہوتے ہی تمام اسٹوڈنٹس کی نظریں اس پر مرکوز ہو چکی تھی اسے جو پہلی سیٹ خالی نظر آئی وہ وہیں براجمان ہو گئی۔

سر ولیم دوبارہ لیکچر اسٹارٹ کر چکے تھے کلاس کی تمام تر توجہ اب نوٹس بکس کی جانب تھی جس پر سر جھکائے وہ لکھتے جا رہے تھے وہ اپنے بیگ سے نوٹ بک نکالنے کے بعد اب پین ڈھونڈ رہی تھی جو جانے اس نے بیگ میں رکھا بھی تھا کہ بھول گئی تھی تبھی اس کے دائیں پہلو سے سرگوشی نما آواز ابھری۔

''وہ کیب والا کیا مجھ سے زیادہ قابل اعتماد تھا۔'' راعنا نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر اپنے دائیں جانب دیکھا تھا اور پھر پلکیں جھپکے بغیر دیکھتی ہی چلی گئی اور وہ اس کی مشکوک نظروں سے محظوظ ہوتے ہوئے مزے سے بولا۔

''اطمینان رکھیں آپ کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک نہیں آیا ہوں بلکہ پچھلے سات دن سے باقاعدہ کلاس اٹینڈ کر رہا ہوں اگر یقین نہ آئے تو آپ کسی بھی اسٹوڈنٹ سے پوچھ سکتی ہیں۔''

''مجھے کیا ضرورت ہے کہ آپ کی انوسٹی گیشن کروں۔'' رکھائی سے کہتی وہ دوبارہ سے اپنے بیگ کی جانب متوجہ ہو گئی۔

''میرے پاس دو پین ہیں اگر آپ چاہیں تو......'' اور اسی وقت سر ولیم نے دونوں کو کلاس سے باہر نکلنے کا حکم سنایا تھا وہ مرے مرے انداز میں اپنا بیگ اور نوٹ بک اٹھا کر باہر چلی آئی اس کے برعکس وہ خوب چہک رہا تھا۔

''ایم سوری میری وجہ سے آپ کو بھی...... اصل میں آج میرا برتھ ڈے ہے اور میرا بالکل موڈ نہیں ہو رہا کوئی کلاس اٹینڈ کرنے کا۔'' وہ کچھ بولنے ہی والی تھی جب اس نے ٹوک دیا۔

''اب آپ سوچ رہی ہوں گی کہ پھر میں یونیورسٹی کیا لینے آیا ہوں تو بات دراصل یہ ہے کہ

میں اس شہر میں بالکل نیا اجنبی ہوں اور میرے سارے فرینڈز تو مانچسٹر میں ہی رہ گئے تو سوچا گھر میں بور ہونے سے اچھا ہے کہ یونیورسٹی چلا جاؤں ہو سکتا ہے کوئی نیا دوست مل جائے۔'' وہ ایک لمحے کے توقف سے بولا۔

''آپ مجھ سے دوستی کریں گی۔'' آفر اتنی اچانک تھی کہ وہ فوری طور پہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

''اچھا پہلے آپ مجھے وش تو کر دیں صبح سے کسی نے وش نہیں کیا مما بھی سرپرائز کے چکر میں شام ڈھلے وش کرتی ہیں۔''

''ہیپی برتھ ڈے۔'' راعنا نے جان چھڑانے کو کہہ دیا۔

''اور تھینک یو سو مچ۔'' وہ فوراً خوش ہو گیا تھا۔

''اب آپ نے مجھے وش کیا ہے تو میرا فرض بنتا ہے کہ میں آپ کو ٹریٹ بھی دوں اور ویسے بھی اب یہاں کھڑے ہو کر بور ہونے سے اچھا ہے کہ آپ میری کمپنی انجوائے کریں۔'' عجیب زبردستی تھی راعنا کی گھوریوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ مسلسل بولے جا رہا تھا۔

اسے سچ میں رونا آنے لگا اتنی دور پردیس میں تنہا اور کوئی دوست بھی نہیں اس پر یہ لڑکا تھا کہ آکٹوپس وہ کیسے جان چھڑائے۔

''آپ کی کمپنی کا بہت شکریہ مجھے اس سے زیادہ آپ کا ساتھ نہیں چاہیے۔'' وہ خود کو مضبوط کرتے ہوئے درشتی سے بولی۔

''میرے ساتھ کا ایک فائدہ بھی ہے ایک ہفتے کے لیکچرز جو آپ مس کر چکی ہیں اس کے نوٹس میں آپ کو دینے کے لئے تیار ہوں۔'' وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا راعنا رک گئی وہ بھی ٹھہر گیا۔

''دیکھیں ہم کلاس فیلو بھی تو ہیں اور میں شکل سے جتنا اچھا نظر آتا ہوں دل کا بھی ویسا ہی شفاف ہوں آپ کو کبھی بھی میرے کریکٹر میں کوئی جھول نظر نہیں آئے گا سادہ مزاج اور بہت پرخلوص ہوں، اپنی حدود مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہیں اتنی ساری خوبیوں کے ساتھ تو میں آپ کو دوستی ڈیزرو کرتا ہوں۔''

''شٹ اپ۔'' اچانک وہ پھٹ پڑی۔

''نہ جان نہ پہچان زبردستی کا مہمان، کب سے میں آپ کی فضول گوئیاں برداشت کر رہی ہوں اتنا وقت برباد کیا میرا کلاس سے نکلوا دیا کیا یہاں کوئی فلم شوٹ ہو رہی ہے اسٹوپڈ۔'' خوب دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد وہ واپس کلاس میں چلی آئی تھی۔

لیکن ایک ہفتے بعد جب سر ولیم نے گروپ بندی کی تو وہ اس کے گروپ میں شامل تھا ایک ساتھ مختلف پروجیکٹ پر کام کرتے ہوئے بات چیت کی ضرورت تو پڑتی تھی پھر اسے ایک پل کے لئے اسے خاموش بیٹھنا تو آتا ہی نہیں تھا اس کی دوستی کی آفر ہنوز برقرار ہے وہ روز اسے باور کروانا نہیں بھولتا تھا، پھر ایک روز اس نے کہا تھا۔

''پتہ ہے راعنا مجھے خوبصورت میموریز اکھٹی کرنے کا بہت شوق ہے یہ اسٹوڈنٹ لائف زندگی میں پھر دوبارہ نہیں آئے گی تو کیوں نا ان چند مہینوں کو اتنا خوشگوار اور یادگار بنائیں کہ یہ ہماری زندگی کا سب سے خوبصورت وقت ہو۔''

اس کے گروپ میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا اور بھی شامل تھا اس کا نام جمشید تھا وہ اس سے بھی ہائے ہیلو کر لیتی تھی پھر اس بیچارے کا کیا قصور تھا کہ اس سے ہر وقت لڑا جائے روڈلی بات کی جائے اس کے چٹکلوں کو انجوائے کرنے کی بجائے انا کا مسئلہ بنایا جائے اور دوسروں کو خود پہ کمنٹس پاس

کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔
ویسے بھی وہ اس کا کلاس فیلو تھا ان کے گروپ کا لیڈر تھا اور پھر اس سے زیادہ ذہین تھا اس نے دیکھا تھا وہ محض بڑبولا ہے اور کچھ نہیں پھر راعنا نے اس کی باتوں پر چڑنا اور اس سے لڑنا چھوڑ دیا تھا اور جب اس نے لڑنا اور چڑنا چھوڑ دیا تھا تو اسے راہب کا ساتھ اس کی باتیں اس کی شرارتیں سب اچھا لگنے لگا تھا وہ اپنی روایات اور اصولوں سے بغاوت کرنے پر مجبور ہو گئی تھی اس نے ایک لڑکے سے دوستی کر لی تھی اور پھر رفتہ رفتہ وہ لڑکا اس کے دل میں گھس کر بیٹھ گیا تھا وہ جانے کب کیسے اور کیوں اس سے محبت کرنے لگی تھی۔

وہ روز اسے پرپوز کرتا تھا اور وہ روز اسے ہی دوٹوک انکار کر کے چلی آتی تھی دونوں کے مابین جو پل صراط حائل تھا اس کے پیروں میں اسے پار کرنے کی طاقت نہیں تھی راہب کے ساتھ کا مطلب تھا کہ وہ اپنے خاندان سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو جائے زندہ ہوتے ہوئے بھی سب کے لئے مر جائے اور ایک رشتے کے لئے اتنے سارے رشتوں کو کھونے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ دیر تک سوتی رہی تھی پھر اٹھ کر مائرہ کے ساتھ ناشتہ کیا آج دونوں کا لنچ باہر کرنے کا ارادہ تھا اسی غرض سے وہ الماری میں سر گھسائے اپنا وائیٹ اور پرپل پھولوں والا اسکارف ڈھونڈ رہی تھی جب اسے راہب کی آمد کی اطلاع ملی۔

اگرچہ اس نے کل کہا تھا کہ وہ اسے اپنی مما سے ملوائے گا مگر پھر بھی وہ اس کے آنے کی توقع نہیں کر رہی تھی کیونکہ وہ وعدہ تو وہ ہر ویک اینڈ پر کرتا تھا وہ سارا دن انتظار کرتی رہتی مگر وہ نہیں آتا تھا اگلے روز اس کے استفسار پر مزے سے کہتا۔

''میں تمہیں ایک دوست کے طور پر اپنی مما سے متعارف نہیں کروانا چاہتا۔'' اور آج بھی اسے یقین تھا کہ وہ نہیں آئے گا مگر اپنے سابقہ ریکارڈ کے برعکس وہ خوب تک سک سا تیار اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''آئی کانٹ بیلیو کہ تم آ چکے ہو اور مجھے اپنے گھر میں لے کر جا رہے ہو۔'' وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے حیرت سے بولی تھی۔

''اس میں اتنا سرپرائز ہونے کی کیا بات ہے فائنل سے پہلے مجھے کوئی فیصلہ کن قدم تو اٹھانا ہی تھا اب محض تمہارے جواب پر تو زندگی برباد نہیں کی جا سکتی۔'' گاڑی کو روڈ پر ڈالتے اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''ہاں مگر میں تمہارا ساتھ دینے کا کوئی وعدہ نہیں کر رہی۔''

''مجھے بھی تم سے کچھ ایسی ہی امید تھی اطمینان رکھو یہ سب اب میں اپنے بل بوتے پر کروں گا۔''

''اور تم کیا کرنے والے ہو۔'' راعنا نے تیکھی نگاہ اس پر ڈالی۔

''تمہیں کڈنیپ کرنے والا ہوں۔'' وہ چڑ کر بولا جس پر وہ منہ پھلا کر گلاس ونڈو سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

اگلے چند لمحوں میں گاڑی گرین اسٹریٹ میں داخل ہو چکی تھی ہاؤس نمبر سیون کے قریب آتے ہی اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

''مما!'' وہ مرکزی دروازے سے پکارتا ہوا لاؤنج میں آیا تھا، دائیں سائیڈ پر واقع کچن سے کھانے کی خوشبو باہر تک آ رہی تھی۔

''مما دیکھیں تو کون آیا ہے۔'' اس نے دوسری بار پھر با آواز پکارا تھا۔

''آ رہی ہوں بابا۔'' آواز کے ساتھ چہرہ بھی نمودار ہوا۔

میرون اور بلیک رنگ کے سوٹ میں ملبوس شانوں پہ گرم شال اوڑھے ایک باوقار سی خاتون ان کے پاس آ کر رک چکی تھیں۔

سفید گلابی رنگت، بڑی بڑی آنکھیں اور تیکھے نقوش کی حامل راہب کی مما بہت گریس فل اور خوبصورت تھیں۔

کچن سے لاؤنج تک کے چند قدم کے فاصلے تک راعنا ان کا مکمل جائزہ لے چکی تھی۔

''مما یہ راعنا شاہ ہے۔'' راہب نے دونوں کے مابین آدھا ادھورا سا تعارف کروایا تھا جس پر اس کی مما کچھ ٹھٹک سی گئیں تھیں۔

وہی چہرہ وہی رنگت اور ویسی ہی مغرور اور سفاک آنکھیں، وہ جانے کہاں کھو گئیں تھیں کہ راعنا کے سوال کا جواب دینا بھی بھول گئیں۔

''تم لوگ بیٹھو میں کھانا لگاتی ہوں۔'' راعنا نے اشارے سے پوچھا تھا۔

''انہیں کیا ہوا؟'' جواب میں وہ لاعلمی سے شانے اچکا کر خود بھی ان کے ساتھ میز پر برتن لگانے لگا تھا۔

بس اس سے انہوں نے اس کا پورا نام پوچھا تھا اور پھر معذرت کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

مما کا یہ ایب نارمل سا رویہ راہب سے بھی ہضم نہیں ہو رہا تھا، راعنا اپنی خفت مٹانے کے لئے اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی تھی۔

''راہب اب تم مجھے ہاسٹل ڈراپ کر آؤ۔'' دو چار لقمے کھانے کے بعد وہ اٹھ گئی مگر پھر لاؤنج میں لگی تصویر کو دیکھ کر اسے ٹھٹکنا پڑا تھا۔

''یہ تصویر۔'' وہ انلارج تصویر کے سامنے جا کھڑی ہوگئی۔

''میرے ماموں ہیں۔''

''کہاں رہتے ہیں۔''

''ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔'' اس انکشاف پر راعنا نے بے ساختہ پلٹ کر اسے دیکھا تھا اسے جانے کیوں دکھ سا ہوا۔

''تم جانتی ہو انہیں۔''

''پتہ نہیں۔'' حالانکہ وہ انہیں نہیں جانتی تھی مگر پھر بھی یہ چہرہ دیکھا بھالا سا لگ رہا تھا راستہ بھر دونوں ہی الجھے ہوئے خاموش سے ہی رہے تھے راہب کی مما کا بی ہیویر الجھا رہا تھا تو راعنا کو وہ تصویر میں مسکراتا شخص۔

☆☆☆

''مما آپ کو راعنا اچھی نہیں لگی۔'' اسے ڈراپ کرنے کے بعد وہ سیدھا سونم کے بیڈ روم میں آیا تھا وہ آنکھیں موندے لیٹی تھیں آہٹ پر پلکوں کے دروا کیے اور پھر راہب کے استفسار پر ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے صاف گوئی سے بولیں۔

''نہیں۔'' اور وہ ان کے جواب پر ششدر رہ گیا تھا۔

''کیوں؟'' اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔

''تم نے ایک سوال پوچھا تھا جس کا جواب میں نے دے دیا اور بہتر ہوگا اگر تم اس لڑکی کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔''

''مما لیکن......''

''میں اس وقت سونا چاہتی ہوں۔'' اس کی بات کاٹتے ہوئے انہوں نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا گویا یہ واضح اشارہ تھا کہ وہ اس ٹاپک پر مزید بحث نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

☆☆☆

پچھلے دو گھنٹوں سے وہ مسلسل ذہن پر زور

ڈالتے ہوئے یہ سوچنے کی کوشش میں ہلکان ہو چکی تھی کہ اس نے وہ تصویر کہاں دیکھی ہے اتنا تو اسے یاد تھا کہ اس نے اس تصویر کو اپنے گھر میں ہی کہیں دیکھا تھا۔

مگر کہاں...... بام تصور میں اس نے ہر کمرے کا جائزہ لے ڈالا مگر سب بے سود، تھک ہار کر وہ بیڈ پہ گرنے والے انداز میں بیٹھ گئی، عجیب سی کشمکش تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس تصویر کو لے کر اتنی ڈسٹرب کیوں ہے، ''یاد آیا'' اچانک اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔

''روشنی پھپھو...... ہاں...... نہیں...... یقیناً'' یہ تصویر اس نے پھپھو کی کتاب میں دیکھی تھی اپنی چوبیس سالہ زندگی میں وہ محض ایک بار ہی تو اس کمرے میں گئی تھی۔

یہ بہت پرانی بات تھی اس وقت نانا جان کی وفات پر اس نے زندگی میں پہلی بار اس وسیع و عریض حویلی کے اس بند دروازے کو کھلتے ہوئے پھر اس کے کمرے سے اپنی نام نہاد پھپھو کو نکلتے ہوئے دیکھا تھا نام نہاد اس لئے کہ اس سے پہلے اس نے بس ان کا ذکر سنا تھا اپنی عمر کے آٹھ سال بعد ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود اس نے پہلی بار انہیں دیکھا تھا صرف دس منٹ کے لئے آخری سفر پر جاتے نانا جان کو وہ آخری بار دیکھنے آئی تھیں اور تب موقع سے فائدہ اٹھا کر وہ ان کے کمرے میں جا گھسی تھی۔

بند کمرے کو دیکھ کر وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ نہ جانے اس کمرے میں ایسا کیا ہے جو اسے مقفل رکھا جاتا ہے لیکن کمرے میں جا کر اسے خاصی مایوسی ہوئی وہ تو بے حد سادہ اور عام سا کمرہ تھا۔

ایک سنگل بیڈ، ایک تخت پوش، سیف الماری اور ریک میں رکھی چند کتابیں، ایک کتاب بیڈ پر اوندھی پڑی تھی اس نے اٹھا کر دیکھا تو اچانک کچھ نکل کر نیچے گرا۔

وہ ایک تصویر تھی۔

اور ایسا چہرہ اس نے اپنی فیملی میں کہیں نہیں دیکھا تھا، اس شخص کے نقوش اتنے شفاف اور کھرے تھے کہ اتنے برس گزرنے کے باوجود بھی اس کے حافظے میں ثبت ہو کر رہ گئے تھے۔

پھپھو کے کمرے اور راہب کے گھر میں ایک ہی تصویر کا ہونا اور سونم آنٹی کا عجیب وغریب ری ایکشن وہ گہری سوچ میں ڈوب ہو چکی تھی۔

☆☆☆

''کیا ضروری تھا کہ یہ لڑکی زنبیل شاہ کی بیٹی ہوتی۔'' وہ جب سے اس لڑکی سے ملی تھیں بے حد مضطرب ہو چکی تھیں، دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں تیز ہواؤں نے ساری گرد جھاڑ دی تھی ماضی شفاف آئینے کی مانند ان کے سامنے کھڑا تھا، وہ کسی کو بھی سوچنا نہیں چاہتی تھیں، مگر قید کی زنجیروں میں جکڑی یادوں کو راہ فرار ملا تھا، کوئی دور بہت دور سے اسے پکارتا ہوا آ رہا تھا۔

''سونم...... سونم۔'' دور سے آتی آواز کو نظر انداز کیے وہ امرود کے درخت تلے بیٹھی دھواں دھار رونے میں مشغول تھی۔

''سونم تمہاری اماں تمہیں ڈھونڈ رہی ہیں۔'' پھولی ہوئی سانسوں کو ہموار کرتا وہ اس کے پاس ہی بیٹھ چکا تھا۔

''میں گھر نہیں جاؤں گی۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''تم رو کیوں رہی ہو اور گھر کیوں نہیں جانا۔'' اس کے قریب گھٹنوں کے بل جھکا وہ چھ سالہ لڑکا وڈے شاہ سائیں کا سب سے چھوٹا بیٹا ہابیل شاہ تھا جو تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اور سونم کو پھر سے راہب یاد آیا تھا اس پیارا بھائی اس کی ہر چوٹ اور معمولی سی تکلیف پر بے چین ہو اٹھنے والا، اس سے بہت پیار کرنے والا، اسے گڑیا کہنے والا۔

''گھر میں سب گندے ہیں میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔'' وہ سب سے خفا ہو چکی تھی ہابیل شاہ اس کے انداز میں دھیرے سے مسکرا دیا، اسے منشی لالہ کی یہ گڑیا بہت پیاری لگتی تھی، سبز آنکھوں اور کالے بالوں والی بالکل باربی ڈول جیسی۔

''اچھا جی تو تمہیں سب گندے لگتے ہیں وہ کیوں۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''پھپھو میرے بھیا کو کیوں ساتھ لے گئی ہیں۔''

''تو کیا ہوا کچھ دنوں بعد وہ پھر واپس آ جائے گا۔'' وہ اسے بہلانے کو بولا اور پھر بہلا پھسلا کر اس کو اسی مما کے پاس لے آیا، وہ دیکھتے ہی لپکی تھی۔

''گڑیا میری جان میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔'' اماں نے اس کے گرد میں اٹے ہاتھ پاؤں اور اس کا فراک جھاڑا ہاتھوں سے اس کے بال سنوارے، دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کیا اور پھر گود میں اٹھا کر گھر کی سمت چل پڑی تھیں۔

''تمہارا راہب بھائی پھپھو کے ساتھ ولایت چلا گیا ہے اب بہت بڑا ڈاکٹر بن کر واپس آئے گا پھر اپنے گاؤں میں ہاسپٹل بنائے گا وہ کہہ رہا تھا سونم کے لئے سنہری بالوں والی گڑیا بھی لائے گا۔'' باتوں کے دوران وہ اسے کھانا کھلانے کی کوشش کر رہی تھی مگر نوالہ اس کے حلق میں بار بار اٹک رہا تھا وہ راہب کے بغیر بہت اداس اور تنہا ہو چکی تھی اگلے روز ابا اس کا دل بہلانے کی غرض سے اپنے ساتھ زمینوں پر لے گئے تھے وہاں اس کی ملاقات ہابیل شاہ سے بھی ہوئی تھی۔

وہ اپنے بھائی زنبیل شاہ اور نبیل شاہ کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا تھا، اسے دیکھا تو کھیل ادھورا چھوڑ کر چلا آیا دونوں کے مابین گہری دوستی ہو چکی تھی وہ بالکل راہب کی طرح اس کا خیال رکھتا تھا۔

چند دنوں تک اس کا ایڈمیشن ہابیل شاہ کے سکول میں کروا دیا گیا تھا اس زمانے میں لڑکیوں کو تعلیم دلوانے کا زیادہ رواج نہیں تھا مگر ابا کی خواہش تھی کہ ان کے دونوں بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلائیں اس کے ابا حیات احمد، وڈے شاہ سائیں کے ہاں منشی تھے اور ان کے تینوں بیٹوں کو شہر کے بڑے سکول پک اینڈ ڈراپ کرنے کی ذمہ داری بھی ان کی تھی اس لئے انہیں سونم کا زیادہ مسئلہ نہیں ہوا تھا۔

وہ صبح سویرے تیار ہو کر اماں کے ساتھ دروازے پر کھڑی تھی جب ہابیل شاہ اسے لینے کے لئے چلا آیا۔

''بیٹا گڑیا کا خیال رکھنا یہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔'' اماں نے اسے تاکید کی تھی جس پر ہابیل شاہ نے بڑے مدبرانہ انداز میں سر ہلایا تھا۔

سونم نے سکول جا کر اس کی کلاس میں بیٹھنے کی ضد کی تھی جس پر وہ اسے اپنی کلاس میں لے آیا تھا، ٹیچر سے اسے بہت ڈانٹ پڑی مگر وہ اسے اپنے ساتھ ڈیسک پر بٹھائے خاموشی سے سنتا رہا۔

اس کے ساتھ سکول جانا، کھیلنا، لنچ شیئر کرنا سے لے کر ہوم ورک کروانے تک ہر کام گویا کہ اس کی ذمہ داری بن چکا تھا۔

گرمیوں کی تپتی دوپہروں میں بوڑھے برگد کی زمین بوس شاخوں پر بیٹھ کر وہ اسے بی بی

سے سنی لوک داستانیں سنایا کرتا تھا۔

ہیر، سنڈریلا اور الف لیلیٰ کے بعد آج سوہنی کی باری تھی وہ بول رہا تھا اور وہ دم سادھے ہمہ تن گوش تھی، تبھی پوسٹ مین کی مخصوص گھنٹی سنائی دی۔

''راہب بھیا کی چھٹی آئی ہے۔'' اس نے بڑی آس سے پوسٹ مین کو دیکھا تھا۔

''نہیں بیٹا۔'' وہ اس کا گال تھپتھپا کر سائیکل پہ سوار ہو کر چلا گیا تو اس کی آنکھوں میں مایوسیوں کے بادل امڈ آئے، ہابیل شاہ خاموش بیٹھا اسے دیکھتا رہا مگر وہ واپس آنے کی بجائے گھر چلی گئی تھی۔

اس کی کہانی ادھوری رہ گئی تھی شام کے بعد اسے سوہنی کا خیال آیا۔

''طوفانی رات، کچا گھڑا اور بپھرتی لہریں۔'' وہ خوف کے مارے اٹھ بیٹھی۔

ابا ساتھ والی چارپائی پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اور اماں دور بیٹھی لکڑیاں سلگاتی دودھ ابالنے میں مگن تھی اور اسے اپنی ادھوری کہانی کی فکر تھی اسے سوہنی کی فکر تھی۔

''تو کیا سوہنی ڈوب جائے گی۔'' وہ بے چینی سے صبح کا انتظار کرنے لگی تھی اور جب صبح ہوئی تو ہابیل شاہ نہیں آیا۔

نبیل شاہ اور زنبیل شاہ اپنے اپنے بیگ اٹھائے چلے آئے تھے اس نے پاؤں اچکتے ہوئے ان کے عقب میں نظر دوڑائی تو دور حویلی تک بل کھاتی لمبی سڑک نے اس کا منہ چڑایا ان دونوں کے بیٹھتے ہی ابا جیپ اسٹارٹ کر چکے تھے۔

''ابا ابھی ہابی کو تو آ لینے دیں۔'' اس نے روکنے کی کوشش کی تو زنبیل شاہ اکھڑے لہجے میں بولا۔

''وہ آج نہیں آئے گا۔'' وہ ایسا ہی تھا جھگڑالو، بد مزاج، سونم کو مزید کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی تبھی وہ چہرے پہ تکلیف کے آثار نمودار کرتے ہوئے حیات احمد سے بولی۔

''ابا میرے پیٹ میں بہت درد ہے۔''

''ارے یوں اچانک کیا کھایا تھا آج۔'' وہ فکر مندی سے بولے تو پیچھے بیٹھا نبیل شاہ ہنسنے لگا۔

''چچا آپ پریشان نہ ہو یہ سب بہانے ہیں آج ہابیل نہیں آیا تو یہ بھی چھٹی کرے گی۔'' سونم اس کے اتنے درست اندازے پر لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔

''بری بات ہے بیٹا۔'' ابا نے اسے پیار بھرے لہجے میں ڈپٹا اور وہ سارا دن سکول میں بور ہوتی رہی اماں نے واپسی پہ اس کا لنچ باکس چیک کیا آدھا پراٹھا اور انڈا باقی تھا۔

''یہ کیوں نہیں کھایا۔'' وہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔

''ہابی نہیں آیا آج یہ اس کا حصہ تھا۔'' دروازے میں رک کر کہتی وہ گھر سے باہر نکل آئی تھی اب اس کا رخ بوڑھے برگد کی سمت تھا۔

لیکن وہ آج وہاں بھی نہیں آیا تھا اس نے کچھ دیر انتظار کیا پھر اٹھ کر بڑی حویلی چلی آئی تھی مگر لاؤنج کے دروازے پر ہچکچا کر رکنا پڑا وہ دن میں چار بار ان کے گھر بلا جھجک آتا تھا مگر وہ حویلی پہلی بار آئی تھی اس نے ادھ کھلے دریچے سے اندر جھانکا۔

ایک خوبصورت خاتون ہابیل شاہ کو گود میں بٹھا کر بڑے پیار سے کھیر کھلا رہی تھی، باقی نوکر چاکر اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

وڈے شاہ سائیں اور چھوٹے شاہ سائیں دونوں بھائی تھے، وڈے شاہ کے تین بیٹے اور

ایک بیٹی روشنی تھی جبکہ چھوٹے شاہ کی ایک ہی بیٹی تھی فریال، جو زنبیل شاہ کے ساتھ منسوب تھی۔

''سونم تم آئی ہو۔'' ہابیل شاہ اسے دیکھ چکا تھا۔

''آؤ اندر آؤ نا۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

''بی بی یہ میری دوست ہے۔'' اب وہ بی بی کے سامنے کھڑا بڑے اشتیاق سے اس کا تعارف کروا رہا تھا بی بی نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا تو وہ انہیں سلام کرنے لگی۔

''بہت پیاری ہے بالکل گڑیا جیسی ہے۔'' بی بی نے اسے پیار کیا۔

''کھیر کھاؤ گی۔'' ساتھ ایک کٹوری بھی اس کی سمت بڑھا دی جسے جھجکتے ہوئے اس نے تھام لیا تھا۔

''تمہیں بی بی کیسی لگیں۔'' ہال کی سیڑھیاں چڑھتا وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

''بہت اچھی۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''یہ میرا کمرہ ہے۔'' ہابیل اب اسے اپنے کھلونے دکھا رہا تھا مگر اس کا سارا دھیان باغیچے کے ایک جانب بیٹھ کر گڑیا کے ساتھ کھیلتی اس بچی پہ اٹکا ہوا تھا جس کے پاس سنہری بالوں والی ولایتی گڑیا تھی، وہ سیڑھیاں اتر کر اس کے قریب آ بیٹھی۔

''میں جانتی ہوں تمہیں یہ بڑی بڑی محل نما حویلیاں اچھی نہیں لگتی لیکن جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو پھر تمہارے لئے سفید گھوڑے پہ بیٹھ کر ایک پیارا سا راج کمار آئے گا جو تمہیں اس حویلی سے نکال کر دور اپنی سندر سی دنیا میں لے جائے گا پھر تم اس کے ساتھ سکول جایا کرو گی باغوں میں جھولا لو گی اور وہ تمہیں ساری دنیا کی سیر......'' سونم کے قریب آنے پر وہ خاموش ہو گئی تھی۔

''میں تمہاری گڑیا دیکھ لوں۔''

''روشی ماسٹر جی آ گئے ہیں۔'' فریال دور سے اطلاع دے کر واپس پلٹ گئی تھی روشنی بھی اٹھ کر اندر بھاگ گئی۔

''یہ سکول نہیں جاتیں؟'' اس نے ہابی سے پوچھا تھا۔

''نہیں ان کے لئے گھر میں ماسٹر جی آتے ہیں۔''

''اور تم سکول کیوں نہیں آئے تھے۔'' اسے حویلی آمد کی وجہ اچانک یاد آئی تھی۔

''صبح فلو تھا لیکن اب ٹھیک ہوں۔''

''وہ سوہنی نے دریا پار کر لیا تھا نا۔'' اسے کہانی پھر سے یاد آ گئی تھی۔

''وہ تو ڈوب گئی۔'' اس نے افسردگی سے بتایا اور سونم کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے پھر وہ کتنے دنوں تک اداس رہی تھی اور پھر اس نے بوڑھے برگد کے پاس جانا چھوڑ دیا تھا وہ کوئی اور کہانی سننا نہیں چاہتی تھی مگر کچھ سال گزرے تو وہ چھوٹے شاہ سائیں کی لائبریری سے کتابیں لے کر پڑھنے لگی تھی لیکن ہابیل اسے کبھی المیہ انجام والی کہانی پڑھنے نہیں دیتا تھا وہ کسی کہانی کے المیہ انجام پر دکھی ہو ہابیل شاہ کو اس کا اتنا بھی دکھ گوارہ نہیں تھا۔

☆☆☆

اس نے میٹرک کے ایگزام دیئے تو وہ گریجویشن کے لئے لاہور چلا گیا جانے سے قبل اس سے ملنے آیا تھا۔

وہ گلاب کے پودے کے پاس بیٹھی پھولوں کی پتیاں چن رہی تھی۔

''میں جا رہا ہوں۔'' وہ قریب آ کر کھڑا اطلاع دے رہا تھا۔

''تو جاؤ تمہیں روکا کس نے ہے۔'' اس کا

انداز خفگی بھرا تھا۔

"اب تو فریال اور روشی سے تمہاری اچھی دوستی ہو چکی ہے سو جو بور تو وہاں میں رہوں گا۔" وہ خاموش رہی تھی۔

"اچھا میں تمہیں خط لکھا کروں گا۔"

"جانتی ہوں تمہارے وعدے راہب بھیا کی طرح تم بھی جا کر بھول جاؤ گے۔"

"میں تمہارے راہب بھیا کی طرح بے وفا نہیں ہوں۔" وہ چھیڑنے کو بولا تو وہ بھڑک ہی اٹھی۔

"وہ بے وفا نہیں ہیں بہت محبت کرتے ہیں مجھ سے۔"

"محبت تو میں بھی بہت کرتا ہوں تم سے۔" ہابیل نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کے ہاتھ سے سارے گلاب لے لئے تھے سونم کی پلکیں عارضوں پہ جھک آئیں، ہابیل نے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"سنو۔" اس نے کہا اور وہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔

"میری سوہنی بنو گی؟" اس کا لہجہ جذبوں کی آنچ سے بوجھل سا ہو گیا تھا۔

"مجھے ڈوبنے سے بڑا خوف آتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں کالی رات اتر آئی تھی۔

"ہم پکا گھڑا بنائیں گے۔" وہ اعتبار دلا کر چلا گیا اور اس کے دن رات ریشم کی اس ڈور سے منسوب ہو گئے جو محبت کی صورت ایک دل کو دوسرے کے ساتھ باندھے ہوئے تھی۔

اس کے جانے کے ایک ہفتے بعد اس کا پہلا خط آیا تھا، وہ بے چینی سے لفافے کا سینہ چاک کرتے ہوئے سیڑھیوں پر آ بیٹھی۔

"راہب کی چھٹی آئی ہے۔" اماں نے اپنے دروازے سے خاکی وردی والے کو پلٹتے دیکھا تو مارے اشتیاق کے اس کے سر پہ آن کھڑی ہوئیں۔

"نہیں اماں یہ ہابی کا خط ہے۔" اسے پڑھنے کی جلدی تھی۔

"میں تمہارے بغیر بہت......" ساتھ ہی اماں نے اس کے ہاتھ سے وہ کاغذ جھپٹ لیا اور وہ ہکا بکا اماں کی صورت دیکھنے لگی تھی جو عجیب تفتیشی انداز میں اب اس سے استفسار کر رہی تھی۔

"اس نے تمہیں خط کیوں لکھا۔"

"اماں وہ میرا بچپن کا دوست ہے۔"

"بچپن کا دوست، دیکھو بیٹا اب تم بچی نہیں رہی ہو کل سے کالج جانے لگو گی پھر مجھے تمہاری شادی بھی تو کرنی ہے یہ دوستی کب تک تمہارے ساتھ چلے گی یہ جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں نا وہاں ایسی دوستیاں بڑی مصیبت سمجھی جاتی ہیں نہیں چاہتی کہ لوگ تمہارا نام ہابیل کے ساتھ جوڑ کر تمہیں رسوا کریں۔" وہ مزید نہ جانے کیا کہے جا رہی تھیں مگر سونم کا سارا دھیان تو ان کی بند مٹھی میں سمٹے کاغذ پر اٹکا تھا جس کے اس نے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد کوڑا دان میں پھینک دیئے تھے۔

"اماں کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے ہاں سے اٹھ گئی۔

"میں تمہارے بغیر بہت......" ساری رات اسی خالی جگہ کو پر کرتے ہوئے گزر گئی تھی۔

☆☆☆

چھ ماہ گزر چکے تھے وہ کالج جانے لگی تھی جب ایک روز واپسی پر اس نے ہابیل شاہ کو حویلی کے گیٹ پر کھڑے دیکھا حویلی میں نبیل شاہ کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں وہ بھی شاید اسی سلسلے میں گاؤں آیا تھا۔

"مگر مجھ سے ملنے کیوں نہیں آیا۔" اسے سوچ کر ہی غصہ آ رہا تھا، مزید دو روز گزرنے پر بھی جب وہ نہیں آیا تو وہ خود ہی حویلی چلی آئی۔

آج رات مہندی تھی اور وہ لان میں کھڑا کرسیاں لگوا رہا تھا۔

"سونم تم اچھا ہوا خود ہی چلی آئی میں ابھی تمہیں پیغام بھجوانے والی تھی۔" روشنی دور سے ہی بولتے ہوئے اس کے پاس آئی تھی پھر اس کا ہاتھ تھام کر اندر لے گئی وہ اپنے ایک ہاتھ پر مہندی لگا چکی تھی اور دوسرے پر لگوانے کے لئے اس کا انتظار ہو رہا تھا۔

مگر کوریڈور میں وہ اس سے ٹکرا گیا روشنی بی بی کی بات سننے جا چکی تھی۔

"کیسی ہو؟" وہ اس کا احوال دریافت کر رہا تھا اور سونم کھا جانے والی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"کتنے دنوں سے یہاں ہو۔"

"تین دن سے۔" وہ انگلیوں پہ گنتے ہوئے بولا۔

"تو مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئے۔" وہ تڑخ کر بولی، بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا کیا حشر کر ڈالے۔

"پہلے بتاؤ میرے کسی خط کا جواب کیوں نہیں دیا۔" وہ اپنا سوال لئے کھڑا تھا وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر رہ گئی۔

"تمہیں بتانا تو یاد ہی نہیں رہا اماں کو جانے کیا ہو گیا ہے وہ اب مجھے تم سے ملنے سے منع کرنے لگی ہیں اور اس نے مجھے تمہارا کوئی خط بھی پڑھنے ہیں دیا۔" آخر میں اس کا لہجہ روانسا ہو گیا تھا۔

"میں بھی تمہارے گھر گیا تھا تمہاری اماں نے کہا دیکھو بیٹا اب تم بڑے ہو چکے ہو تمہارا اس طرح سونم سے ملنا ملنا مناسب نہیں ہو گا۔" وہ صاف گوئی سے بولا تو وہ پریشان ہو گئی۔

☆☆☆

اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر کھڑی صنوبر کے درخت سے ٹیک لگائے وہ بڑی تمکنت اور شان سے ایستادہ حویلی کو دیکھ رہی تھی۔

"کہاں وہ محلوں میں رہنے والا شہزادہ اور وہ خود چھوٹے سے گھر میں رہنے والی ایک غریب کسان کی بیٹی۔" یہ فرق اسے پہلے کیوں نظر نہیں آیا تھا اسے خود پر حیرت ہو رہی تھی۔

دوستی کی حد تک تو ٹھیک تھا لیکن اتنے اونچے خواب سجانے کی کیا ضرورت تھی اب ٹوٹے تھے تو بہت درد ہو رہا تھا۔

وہ ریشمی آنچل، بھاری بھرکم ملبوسات اور جگمگ کرتے زیورات کے ڈبے ایک بار پھر سے اس کی آنکھوں میں ریت کے مانند چبھنے لگے تھے۔

کل وہ بڑی حویلی گئی تھی لاؤنج سے گزرتے ہوئے اس نے دیکھا بی بی اپنے گرد گویا کہ پوری دوکان سجائے بیٹھی تھیں۔

"سلام بی بی۔" وہ پلٹ کر ان کے قریب چلی آئی۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو۔" بی بی اسے دیکھ کر کھل اٹھیں۔

"آؤ دیکھو تو یہ گلوبند کیسا ہے۔" بی بی نے ہیروں سے دمکتا ایک ہار اسے دکھایا تو اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

"بہت خوبصورت ہے بی بی مگر یہ سب......" اس کا اشارہ مختلف اشیاء کی جانب تھا۔

"جمعہ کے مبارک دن ہابیل شاہ کی نسبت طے ہو رہی ہے زمرد کی بھتیجی سے، بڑا اعلیٰ

خاندان ہے ان کا، وڈے شاہ سائیں سے زیادہ باغات اور زمینیں ہیں۔" وہ اس کے دل پر گزرنے والی قیامت سے بے خبر بڑے جوش میں اسے بتا رہی تھیں زمرد بیگم چھوٹے شاہ سائیں کی شریک حیات تھیں، سب انہیں چھوٹی بیگم کہتے تھے۔

"ہابیل شاہ کی نسبت۔" اس کا دماغ آندھیوں کی زد میں آچکا تھا۔

"تم بھی چلنا ہمارے ساتھ، ہابیل بہت مانتا ہے تمہاری، تم لڑکی کی تعریف کروگی تو سمجھ لو اس کی تسلی ہو جائے گی ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خود لڑکی دیکھنے کی فرمائش کردے تمہیں تو پتہ ہے نا حویلی کی عورتیں کتنا سخت پردہ کرتی ہیں۔"

شفاف چمکتی آنکھوں سے پھسلتے موتیوں کو کسی نے بڑی چاہت سے اپنی پوروں پر چنا تھا۔

"کیا تمہیں میری محبت پر اتنا ہی اعتبار تھا جو یہاں چھپ کر رو رہی ہو۔" وہ جانے کب آیا تھا سونم اسے سامنے دیکھ کر اور بھی شدت سے رونے لگی تھی۔

"میں نے اس رشتے سے انکار کر دیا ہے اور آج بابا سائیں سے تمہارے متعلق بات کروں گا۔" اور وہ اس کی بات پر سارا رونا دھونا بھول کر جیسے بالکل منجمد سی ہو چکی تھی اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

کہ وہ اس سے اتنی محبت کرتا ہے کہ اس نے بی بی کے سامنے سر اٹھانے کی جرأت کی ہے اور اب وڈے شاہ سائیں سے بات کرے گا مگر اسے اعتبار کر لینا چاہیے تھا کیونکہ اس کی آنکھوں میں محبت کے ستارے جھلملا رہے تھے جن کی روشنی سے اس کی قسمت چمکنے والی تھی۔

☆☆☆

حویلی میں آج کل بھونچال آیا ہوا تھا وڈے شاہ سائیں کافی غصے میں تھے بی بی اور لڑکیاں ہابیل شاہ کی ہمنوا تھیں جبکہ چھوٹی بیگم دن رات سونم کو کوستی جس نے ان کی بھتیجی کے حق پہ ڈاکا ڈالا تھا، ہابیل شاہ نے بھوک ہڑتال کر رکھی تھی اور چھوٹے شاہ سائیں کا چونکہ وہ بے حد لاڈلا تھا سو وہ ڈوے شاہ جی کو قائل کرنے کی کوشش پر معمور تھے۔

"میں یہ نہیں کہوں گا کہ وہ دولت اور حیثیت سے ہم سے کم تر ہیں لیکن ہماری کچھ خاندانی روایات ہیں جن کی پاسداری کرنا ہم پر فرض ہے تم جانتے ہو کہ ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادیاں نہیں ہوتیں۔" وڈے شاہ سائیں اس کی حمایت پر برہمی سے بولے تھے۔

"چھوڑیں بھائی صاحب ہماری کون سا لڑکی ہے جو ہم ایسی باتیں سوچیں اس کی مرضی ہے تو کر لینے دیں نکاح، اس کی دوسری شادی تو ہم خاندان کی کسی لڑکی کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے کریں گے جوان لڑکا ہے عشق کا بھوت سوار ہے اور آپ کو پتہ ہے نا وہ کتنا جذباتی ہے اپنی کمٹ منٹ بھی نہیں توڑتا ایسے ہی خود کو کوئی نقصان نہ پہنچا لے تین دن سے کمرے میں بند پڑا ہے کچھ کھایا پیا بھی نہیں۔" اور وڈے شاہ سائیں سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے اور پھر چھوٹے شاہ سائیں کے بصد اصرار پر رضامندی دے دی تھیں۔

سونم کے گھر میں بھلا کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا، وڈے شاہ سائیں نے منشی حیات احمد کو اپنے ڈیرے پہ بلا کر رشتہ طلب کیا تھا اور انہوں نے اپنی خوش قسمتی تصور کرتے ہوئے ہاں کر دی تھی اور اس کی وجہ وڈے شاہ سائیں کا جاہ جلال امارت اور رتبہ نہیں تھا وہ ہابیل شاہ کو بچپن سے جانتے تھے وہ اچھا سلجھا ہوا اور مہذب نوجوان تھا۔

سونم سے محبت کے ساتھ ساتھ وہ ان کا بے حد احترام بھی کرتا تھا دونوں جانب شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

☆☆☆

بڑی حویلی سے فریال اور روشنی خیراں بی بی کے ساتھ اسے مہندی لگانے آئی تھیں۔

"ہمارا گاؤں تو دیکھو اف کتنا خوبصورت ہے۔" اس شام موسم اچھا خاصا خوشگوار اور دلفریب ہو رہا تھا روشنی نے کمرے کی کھڑکیاں کھولتے ہوئے باہر جھانکا حد نگاہ تک سبزہ ہی سبزہ پھیلا ہوا تھا۔

ڈوبتے سورج کی نارنجی شعاعوں پر بادلوں کے کنارے سلگ رہے تھے ٹھنڈی سبک ہوا چل رہی تھی ندی کنارے ناچتے موروں سے نگاہ ہٹی تو اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر چلتے اس خوبرو نوجوان پر ٹھہر سی گئی، جانے وہ کون تھا، کوئی مسافر اجنبی یا اس گاؤں کا رہائشی مگر وہ تو کوئی پردیسی ہی لگتا تھا بالکل شہری بابو جیسا، نہیں اس کے خوابوں کے راج کمار جیسا۔

"کھڑکی بند کرو اگر کسی نے تمہیں یوں کھڑے دیکھ لیا تو......" فریال نے ٹوکنا چاہا تھا مگر اس نے الٹا اسے ٹوک دیا۔

"تم خاموشی سے اپنا کام کرو۔" اور جب پلٹ کر دوبارہ اس سبزہ زار کو دیکھا تو وہ یوں غائب تھا جیسے کبھی تھا ہی نہیں وہ مایوس ہو کر ان کے قریب آن بیٹھی

"جانتی ہو سونم کبھی مجھے تمہاری خوش قسمتی پر رشک آتا تھا کہ تم وڈے شاہ سائیں کی بجائے ایک غریب کسان کی بیٹی ہو، بڑی حویلی کی جگہ تمہارا ایک چھوٹا سا گھر ہے تم آزاد ہو تم پر کوئی پابندی نہیں ہے تم فرسودہ روایات اور اقدار کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی نہیں ہو مگر آج مجھے تم پہ ترس آرہا ہے جسے تم محل سمجھ رہی ہو نا وہ سونے کا پنجرہ ہے زندان ہے جو قبر سے زیادہ گہرا اور تاریک......"

"بس کرو روشنی تم پہ پھر سے دورہ پڑ چکا ہے۔" فریال نے بری طرح اسے جھاڑ دیا تھا جبکہ سونم پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اس نے آج سے قبل کبھی روشنی کا یہ روپ نہیں دیکھا تھا، وہ اپنے حالات اور روایات سے اتنی بدگمان تھی،

"راہب میرا چاند۔" باہر گویا کہ ایک ہنگامہ جاگ اٹھا تھا سونم کی سماعتوں میں برسوں بعد اس نام کی پکار گونجی تھی فرط جذبات سے مغلوب ہو کہ وہ باہر بھاگی اس کا بھائی لوٹ آیا تھا آج اتنے برسوں بعد وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"میری گڑیا اتنی بڑی ہو گئی۔" اماں سے ملنے کے بعد اب وہ اسے دیکھ رہا تھا اور وہ اس کے سینے سے لگتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی اماں اور ابا کی آنکھیں بھی نم تھیں مگر یہ خوشی کے آنسو تھے ان کا بیٹا ڈاکٹر بن کر آیا تھا ان کا فخر بن کر لوٹا تھا۔

سونم کے ہاتھوں پہ مہندی لگی ہوئی تھی اس نے فریال کو چائے کے لئے کچن میں بلا لیا تھا اور باہر اب وہ اماں اور ابا سے باتوں میں مصروف تھا، اماں نے خوشی خوشی اسے سونم کی شادی کا بتایا تھا اور وہ کچھ حیران ہوتا سونم کو تنگ کرنے کے خیال سے کمرے میں چلا آیا تھا، وہ رخ موڑے کھڑکی کی جانب کھڑی تھی۔

"اچھا تو آپ پیا دیس سدھارنے والی ہیں۔" اس نے اپنی ہی دھن میں سونم کی بجائے کسی اور لڑکی کا ہاتھ تھام لیا تھا اس کے پلٹتے ہی راہب نے فوراً ہاتھ چھوڑ دیا۔

''سوری میں سمجھا سونم ہے۔'' وہ سخت شرمندہ ہوا تھا، جبکہ روشنی دم بخودی یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی ابھی کچھ دیر قبل تو وہ ندی کنارے موروں کے قریب پگڈنڈی سے گزر رہا تھا، حویلی آ کر بھی اس کا دل کانوں میں دھڑکتا رہا تھا وہ اپنے بدلتے جذبوں سے خود ہی خوفزدہ ہو چکی تھی۔

☆☆☆

''آئینہ کچھ نہیں بولے گا جو پوچھنا ہے ہم سے پوچھو۔'' وہ نہ جانے کس پردے کے پیچھے سے نمودار ہوا تھا، آج اس کی مہندی تھی اور وہ رسم کے بعد چھت پر بنے کمرے میں کچھ دیر آرام کرنے کے ارادے سے آئی تھی۔

''تم یہاں۔'' اس کے لبوں سے گھٹی گھٹی سی چیخ تو ہابیل شاہ نے اس کے لبوں پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''اب شور تو مت مچاؤ بس تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔'' کہنے کے ساتھ اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے لئے، وارفتہ نگاہیں اس کے خوبصورت چہرے پہ ٹکی ہوئی تھی۔

''کوئی تک بنتا ہے بھلا۔'' اس نے جھینپتے ہوئے آنکھیں دکھائیں۔

''ارے میرا تک نہیں حق بنتا ہے۔'' وہ شرارت سے کہتا مزید گویا ہوا۔

''تم اپنا شگن والا دوپٹہ اوڑھ کر مسہری پر بیٹھو نا میں تمہیں مہندی لگاؤں گا۔'' عجیب اصرار تھا۔

''پاگل ہوئے ہو ابھی کوئی اوپر آ جائے گا چلو نکلو ادھر سے۔'' وہ دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے سرعت سے بولی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

''ایسی بھی کیا بے مروتی دوست ہوں تمہارا کیا مجھے اپنا شوق پورے کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' مصنوعی رنجیدگی بھرا لہجہ سونم کو مسکرانے پہ مجبور کر گیا۔

''کل بھی تو آئے گی جی بھر کر اپنے شوق پورے کرنا اور اب ڈرامہ ختم کرو مجھ پر تمہاری جذباتیت کام نہیں آنے والی۔'' دروازہ کھول کر اب وہ اسے باہر کا راستہ دکھا رہی تھی، وہ جاتے ہوئے پھر پلٹا۔

''اور یہ کل کب آئے گی۔'' بے تابی ہر لفظ سے مترشح تھی سونم کی ہنسی کا جلترنگ جگمگاتی چاندنی رات میں دور تلک گونجا۔

''بارہ گھنٹے بعد۔'' وہ جواب دیتی منڈیر کے قریب جھک آئی اور وہ منڈیر کے اس پار جامن کی شاخ سے لٹکا کھڑا تھا۔

''ان بارہ گھنٹوں کے بعد پھر میں کبھی ہجر کو اپنے درمیان ٹھہرنے نہیں دوں گا۔'' وہ کہہ کر چلا گیا سونم زیر لب مسکراتے ہوئے واپس کمرے میں چلی آئی دونوں نہیں جانتے تھے کہ ہجر ان کی دسترس میں نہیں ان کی قسمت میں ٹھہر چکا تھا۔

☆☆☆

مختلف رسموں سے فراغت کے بعد اسے حجلہ عروسی میں پہنچا دیا گیا تھا اور اب ایک نئے خوبصورت دن کا آغاز ہوا تھا ایسا دن جوان کے لئے خوشیوں اور مسرتوں کا پیغام لئے نمودار ہوا تھا۔

''السلام علیکم بھابھی جان!'' وہ سنگار میز کے سامنے بیٹھی اپنے بال سلجھا رہی تھی جب روشنی اور فریال نے اسے اپنی بانہوں کے حصار میں جکڑتے ہوئے زور سے بھینچا۔

''ارے ہٹو بھی۔'' سونم نے ہنستے ہوئے فریال کے پیچھے دھکیلنے کی ناکام سی کوشش کی مگر وہ شرارت پر آمادہ تھی۔

''کچھ دیر کے لئے مجھے اپنا وہ تصور کر لو نا۔'' دونوں کھلکھلا کر ہنسی تھیں سونم کے چہرے پہ حیا کے رنگ سمٹ آئے۔

''وہ کون؟'' اسی لمحے ہابیل شاہ بالوں کو [illegible]لیے سے رگڑتا ہوا واش روم سے برآمد ہوا تو [illegible]ی استفسار پر دونوں کا رنگ اڑ گیا وہ تو سمجھ رہی [illegible]تھیں کہ لالہ کہیں باہر ہوں گے، اس پر سونم نے [illegible]اریوں کے ساتھ حد کر دی تھی۔

''بتاؤ نا فریال۔'' اندر ہی اندر وہ ان کی [illegible]اس با خفگی پر ہنس رہی تھی۔

''کوئی نہیں۔'' دونوں بجلی کی سی تیزی سے [illegible]ب ہو چکی تھیں، ہابیل شاہ بھی ہنستے ہوئے [illegible]وں میں کنگھا کرنے لگا تھا۔

''تم تیار ہو گئی تو چلو ناشتہ کر لیتے ہیں [illegible]ائننگ ہال میں سب ہمارا انتظار کر رہے [illegible]نگے۔'' مگر چھوٹی بیگم کو نئی نویلی دلہن کا یوں منہ [illegible]ھا کر سب کے درمیان آنا کچھ خاص پسند نہیں آیا [illegible]۔

''بھئی حویلی کے کچھ اپنے ضابطے اور [illegible]وایات ہیں ہابیل تو مرد ہے لیکن تمہیں ان باتوں [illegible]خیال ہونا چاہیے تھا۔'' اور اب وہ اپنی جگہ [illegible]رمندہ سی کھڑی تھی سب ناشتہ روکے اسے دیکھ [illegible]ہے تھے۔

''بیٹھو بیٹا۔'' بی بی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ [illegible]کیا تھا۔

''اب اسے حویلی کے رسم و رواج کا کیا پتہ [illegible]آہستہ آہستہ سیکھ جائے گی۔'' اس کے بعد وہ اس [illegible]کی حمایت میں بھی بولی تھیں چھوٹی بیگم نے نخوت [illegible]بھرے انداز میں سر جھٹک دیا وہ اپنی بھتیجی کو مسترد [illegible]کرنے کا ملال ابھی تک دل میں لئے بیٹھی تھیں [illegible]سی وجہ سے ایک فطری رقابت کا احساس ان کے [illegible]اندر جنم لے رہا تھا۔

☆☆☆

شام میں ولیمہ کی رسم تھی اگلے ہفتے دونوں ہنی مون کے لئے پیرس چلے گئے تھے وہاں سے واپسی پر رکی ہوئی دعوتوں کا سلسلہ چل نکلا تھا پہلے وہ اپنے گھر جانا چاہتی تھیں لیکن ابھی سب گھر والوں کو ان کے تحفے دینا باقی تھے چھوٹی بیگم کے لئے وہ بڑی خوبصورت سی شال لائی تھی جسے لینے سے انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا۔

''تم نے ناحق زحمت کی تمہاری پسند کبھی ہمارا معیار نہیں ہو سکتی۔'' لفظوں سے زیادہ ان کا لہجہ کاٹ دار اور درشت تھا وہ اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی تھی اور پھر تو جیسے یہ سلسلہ ہی چل نکلا تھا، اس نے پہلی بار میٹھا بنایا تو اس میں بھی کیڑے نکال دیئے۔

''اتنا کم دودھ ڈالا ہے کھیر میں اور میٹھا تو نام کو بھی نہیں، ہاں بھئی پہلی بار جو اتنی مقدار میں کچھ بنایا ہے ہوش کہاں ہونا تھا، میاں کے آگے پیچھے پھرنے سے کام نہیں چلنے والا وہ تو پہلے ہی تمہاری مٹھی میں بند ہے ہمیں تو ساری عمر اپنے گن نہ آئے اور تمہیں کسی نے یہ بھی نہیں سکھایا کہ میاں کا نام نہیں لیتے۔''

''اب بس بھی کر دیں امی۔'' فریال نے ناگواری سے انہیں ٹوکا تھا جس پر وہ مزید پیچ پا ہو گئیں۔

''لو بس یہ کسر باقی تھی آتے ہی ہماری بچیوں پر بھی اپنا رنگ چڑھا دیا ورنہ آج تک بچوں کو بڑوں کی بات کاٹنے یا انہیں ٹوکنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔'' یہ الزام بھی اس کے سر آ گیا تھا حالانکہ وہ مہر بہ لب ان کی کڑوی کسیلی سنے جا رہی تھی۔

''اب کھڑے کھڑے منہ کیا دیکھ رہی ہو لے جاؤ اٹھا کر۔'' غصے میں ہاتھ مار کر کٹوری کو پرے گھسیٹا تو پورا باؤل الٹ کر فرش پر جا گرا۔

حواس باختگی میں وہ نیچ جھک کر کھیر واپس باؤل میں ڈالنے لگی تھی۔

"ارے یہ کیا کر رہی ہو۔" جانے کہاں سے ہابیل شاہ ادھر آن نکلا تھا۔

"چھوٹے گھر کی ہے نا حویلیوں میں رہنے کا ڈھنگ کبھی نہیں آئے گا۔" نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے وہ اندر چلی گئیں ہابیل شاہ کو ان کا انداز بے حد برا لگا تھا۔

"مجھے تو بتانا یاد ہی نہیں رہا راہب نے اپنے ہاسپٹل کی بنیاد رکھی ہے اسی خوشی میں آج شام ہم ڈنر پر انوائیٹڈ ہیں۔" وہ اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی خاطر اسے خوشی کی خبر سنا رہا تھا اور وہ خوش بھی ہو گئی تھی اس کے ابا کا برسوں پرانا خواب پورا ہو رہا تھا وہ جلد از جلد ان کے پاس جانا چاہتی تھی، کپڑے چینج کرنے کے ارادے سے کمرے میں آئی تو فریال بھی اس کے پیچھے ہی اندر آئی تھی۔

"تمہاری امی کو اپنی امارت رتبے اور اونچے خاندان کا بڑا گھمنڈ ہے نا لیکن ان کو یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آتی کہ میں بھی بڑی حویلی کی بہو ہوں ہابیل شاہ کی بیوی، انہیں میری ہتک کرنے یا اس طرح باتیں سنانے کا کوئی حق نہیں ہے اور آئندہ میں بھی برداشت نہیں کروں گی۔" سارا غصہ اس پر نکالتے ہوئے آخر میں اس نے جیسے وارننگ دی تھی اور ایسا وہ ہر بار ہی کرتی تھی مگر چھوٹی بیگم سے زبان درازی کا تو تصور ہی محال تھا ان کے سامنے تو بی بی بھی خاموشی میں ہی عافیت جانتی تھیں حسب معمول پہلے تو کھڑی وہ اسے سنتی رہی پھر آگے بڑھ کر اس کے گلے میں بازو ڈال دیئے۔

"اچھا نا اب چھوڑ دو غصہ میں امی کو سمجھا دوں گی۔"

"تم ہمیشہ یہی سب کر کہ مجھے منا لیتی ہو۔" وہ اسے گھورتے ہوئے مسکرانے لگی تھی۔

☆☆☆

کچن میں کام کرتے ہوئے روشنی کے ہاتھ سے گلاس گر کر ٹوٹا تھا اور پھر کانچ چنتے ہوئے اپنا ہاتھ زخمی کر بیٹھی تھی خون فوارے کی مانند اس کے ہاتھوں سے پھوٹ رہا تھا وہ چولہا بند کر کے اس کی جانب بڑھی۔

"تمہیں کیا ضروری تھی کانچ اٹھانے کی۔" پہلے اس نے روشنی کو ڈپٹا پھر بھاگ کر بی بی کے کمرے کی جانب آئی لیکن راستے میں چھوٹی بیگم سے سامنا ہو گیا تھا جو کھڑی درشت نظروں سے اسے گھور رہی تھیں۔

"وہ روشنی کو کانچ لگ گیا تھا۔" پہلے اسے اپنے بھاگنے کی وضاحت پیش کرنا پڑی تھی انہوں نے آ کر زخم کا معائنہ کیا پھر اس سے مخاطب ہوئیں۔

"اپنے بھائی کو فون کر دو آ کر اس کی مرہم پٹی کر جائے زخم زیادہ گہرا لگ رہا ہے۔" اس نے جا کر راہب کو پیغام بھجوایا وہ فوراً ہی آ گیا تھا اور جب وہ روشنی کی بینڈیج کر رہا تھا تو چھوٹی بیگم غیر مخصوص انداز میں اٹھ کر اندر چلی گئیں تھیں۔

وہ چائے بنا کر واپس آئی تو اس کے قدم دہلیز کے اس پار ہی جامد ہو کر رہ گئے تھے۔

"یہ کیا پاگل پن ہے محض مجھے دیکھنے کے لئے آپ نے خود کو اتنی اذیت میں مبتلا کیا۔" راہب کی آواز تھی جو اسے ڈپٹ رہا تھا۔

"تو کیا کرتی دوسرا کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔" روشنی کے جواب پر اس کی نظروں میں زمین و آسمان گھوم گئے تھے وہ بدوقت تمام خود پر جبر کرتی اندر داخل ہوئی۔

"چائے کی تو اس وقت بالکل بھی طلب نہیں ہے تم چکر لگانا اماں اور ابا تمہیں بہت یاد کر رہے تھے۔" وہ کہہ کر جا چکا تھا اور روشنی کے چہرے پہ کتنے دلکش رنگ بکھرے ہوئے تھے وہ ان رنگوں سے نظریں چراتی راہب کے متعلق سوچنے لگی تھی۔

وہ کیا حماقت کرنے جا رہا تھا اس نے تو وہ خواب اپنی آنکھوں میں سجانے کی جسارت کی تھی جس کی پاداش میں آنکھیں بنجر کر دی جاتی ہیں اس کا دل دہل اٹھا تھا وہ سارا دن پریشان رہی تھی اور اس کی اس اداسی کو ہابیل نے بھی نوٹ کیا تھا۔

"گھر والوں کی یاد آ رہی ہے کیا، تو کل چکر لگا آنا۔" وہ محبت سے اسے دیکھ رہا تھا سونم نے خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہابی مجھے کبھی چھوڑ تو نہیں دو گے۔"

"پاگل ہو گیا۔" ہابیل نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تم تو میری زندگی ہو تمہیں چھوڑ دیا تو سمجھ لو جینا چھوڑ دیا۔" اور پھر کتنی دیر وہ اسے اپنی محبت کا تحفظ کا اعتبار دلاتا رہا تھا اس کی باتیں سنتے ہوئے وہ اس کے سینے پہ سر رکھے رکھے ہی سو گئی تھی۔

راہب اگلی صبح وہ پھر سے اس کی ڈریسنگ کرنے آیا تھا روشنی اس وقت لاؤنج میں بیٹھی تھی راہب کو دیکھ کر اس کا چہرہ گلاب کی مانند کھل اٹھا تھا۔

بی بی قریب ہی بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مشغول تھیں اور ماریہ بھابھی حنا کو چاول کھلا رہی تھیں۔

دونوں کے لب خاموش تھے مگر بولتی نگاہوں کی حکایتیں اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھیں۔

وہ بی بی سے اجازت لے کر راہب کے ساتھ ہی گھر چلی آئی تھی، اماں اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں راہب اسے گھر چھوڑ کر خود واپس ہاسپٹل چلا گیا تھا اور وہ اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگی تھی۔

شام کو کھانے کے بعد دونوں چہل قدمی کے ارادے سے چھت پر چلے آئے تھے کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے قدرے ہچکچاتے ہوئے راہب کو دیکھا تھا۔

"آپ سے ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں پوچھو۔" وہ چائے کا کپ منڈیر پر رکھتے ہوئے ہمہ تن گوش ہوا سونم کے انداز سے وہ اخذ کر چکا تھا کہ ضرور کوئی خاص بات ہے وہ ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے اوپر جھلملاتے ستاروں کو دیکھنے لگی تھی ایک معنی خیز سی خاموشی دونوں کے مابین آ کر ٹھہر گئی بالآخر اس نے اپنی تمام تر ہمت مجتمع کرتے ہوئے لب کھولے، مگر اندر ہی کہیں اس کے مثبت جواب پر خوفزدہ بھی تھی۔

"آپ روشنی میں انٹرسٹڈ ہیں۔" وہ سمجھ نہیں پایا کہ یہ سوال تھا یا الزام وہ کچھ دیر اپنی جانب اٹھی سونم کی مشکوک نظروں کو دیکھتا رہا پھر قدرے لاپرواہ انداز میں بولا۔

"نہیں۔" اور اس کا انکار سونم کو اندر تک شانت کر گیا تھا اسے لگا وہ پل صراط سے اتر کر واپس جنت میں آ چکی ہو۔

"مگر اسے جانے کس طرح مجھ سے اتنا عشق ہو چکا ہے تم نے دیکھا تھا نا اس روز اس نے محض مجھے دیکھنے کی خاطر اپنا ہاتھ زخمی کر لیا تھا وہ بالکل پاگل لڑکی ہے تم اسے سمجھاؤ کہ جیسا وہ چاہتی ہے وہ سب ناممکن ہے اور جہاں تک میری بات ہے تو میں سیدھا سادا پریکٹیکل بندہ ہوں عشق و محبت کے لئے کوئی جوگ نہیں لے سکتا میرے خواب کچھ اور ہیں۔" اور وہ خاموشی سے بیٹھی اس کو بولتے دیکھتی رہی۔

☆☆☆

"یہ موسم ہجر کو لگتا ہے وصل سے کچھ بیر ہے جو آئے روز منہ اٹھا کر چلا آتا ہے اور میں تھک جاتی ہوں اس کے لمحے شمار کرتے ہوئے۔" وہ اس کے بازو سے سر اٹھا کر اٹھ بیٹھی تھی، ہابیل اس کی کلائیوں میں گجرے سجانے لگا۔

ابھی کچھ دیر قبل وہ ایک خوبصورت سہانی شام ایک دوسرے کی بھرپور سنگت میں گزار کر گھر لوٹے تھے وہ اسے اپنی جیپ میں بٹھا کر مری لے گیا تھا، تارکول کی لمبی سنسان سڑک پر ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر چلتے ہوئے اس نے کتنی حسرت سے ان لمحوں کو دیکھا تھا جانے کیوں ایسا لگا کہ یہ پل زندگی میں دوبارہ نہیں آئیں گے۔

ٹھنڈی سبک ہوا کے جھونکے اس کے بالوں کو چھو کر گزرے تو وہ دھیرے سے گنگنایا۔

"کاش یہ پل رک جائیں لمحے ساکت ہو جائیں وقت ٹھہر جائے اور تارکول کی اس لمبی سڑک پر یونہی ساتھ چلتے چلتے زندگی بیت جائے۔" اور وہ کتنی ہی دیر کھلکھلا کر ہنستی رہی تھی پھر اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"وقت ٹھہر جائے گا تو زندگی کیسے گزرے گی۔"

"تم میرے اتنے رومینٹک موڈ کا ہمیشہ ہی کباڑا کر دیتی ہو۔" وہ خفا ہو کر جیپ کی جانب چل پڑا تھا اور شام ان لمحوں کو مٹھی میں بند کر کے ہمیشہ کے لئے ماضی میں کہیں گم ہو گئی تھی۔

اور اب وہ اسے بتا رہا تھا کہ بابا سائیں شہر میں نئی فیکٹری لگا رہے ہیں جس کی کنسٹریکشن کی تمام تر ذمہ داری اس کے ذمے ہے اور اب اسے دو ماہ کے لئے شہر میں ہی رہنا ہوگا۔

"ویک اینڈ پہ آیا کروں گا۔"

"مجھ سے تو وہ اینٹ سیمنٹ اچھے ہیں جن کو ہفتے میں چھ دن تو ملیں گے۔" وہ گجروں کے پھول نوچنے لگی۔

"تم سے اچھا اور پیارا تو اس جہان میں کوئی نہیں ہو سکتا۔" وہ اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلا کر محبت سے بولا۔

"ہٹو پرے مجھے نیند آ رہی ہے۔" سونم نے غصے سے اس کا بازو جھٹک دیا۔

"ارے او ظالم محبوب کچھ تو رحم کرو اب تو پردیسی بندے ہیں۔" وہ مصنوعی بیچارگی سے کہتا اس کے قریب جھک آیا تھا۔

چاند کھڑکی پہ جھکا ان کی سرگوشیوں میں مسکراتا رہا ستارے جھلملاتے رہے اور رات بیت گئی، طلوع سحر کے ساتھ ہی موسم ہجر نے دروازے پر دستک دی اور وصل شب کا مسافر اپنے سفر کو لوٹ گیا۔

☆☆☆

اس کے جانے کے دو روز بعد روشنی کے لئے چھوٹی بیگم کے خاندان سے ایک رشتہ آیا تھا۔

"میں مر جاؤں گی لیکن اس وڈیرے سے شادی نہیں کروں گی۔" اس کا لہجہ سفاکی کی حد تک خطرناک تھا سونم کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے، فریال نے چور نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور کسی کو موجود نہ پا کر سینے میں گھٹی سانس خارج کی، وہ تینوں اس وقت عقب برآمدے میں بیٹھی تھیں۔

"تم کچھ نہیں کر سکتی آخری فیصلہ وڈے شاہ سائیں کا ہوگا۔"

"میں بغاوت کروں گی بچپن سے ہمارے ساتھ جو زیادتیاں ہو رہی ہیں وہ......"

"کیا زیادتیاں ہو رہی ہیں تمہارے ساتھ۔" فریال نے اس کی بات کاٹ کر گھورا۔

"بجائے اس کے کہ ہم سکول جاتے سکول کو لا کر ہمارے سر بٹھا دیا گیا لالہ کی شادی پر شاپنگ کرنے گئے تھے وہ بھی گاڑیوں میں بٹھا کر کروا دی، حویلی کا ہر دروازہ کھڑکی ہمارے لئے بند ہے دم گھٹنے لگا ہے میرا اس زندان میں پڑے ہوئے نفرت ہے مجھے ان حویلیوں سے اور ان میں تڑپتی سسکتی زندگی سے۔" وہ ایک لمحے کو توقف سے بولی۔

"اتنے برسوں کے انتظار کے بعد اس زندان میں ایک روزن ملا ہے جہاں سے خوابوں کی کچھ کرنیں رہائی کی نوید لے کر آئی ہیں اور تم کہتی ہو کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس روزن پر مٹی ڈال کر اس قبر کو پھر سے تاریک کر ڈالوں اور بن جاؤں گی جاگیردار کی حویلی کی سجاوٹ۔" اس نے سوالیہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر استہزائیہ انداز میں ہنستے ہوئے بولی۔

"نہیں فریال بی بی میں اب کسی کو بھی اپنی زندگی سے کھیلنے کی اجازت نہیں دوں گی یہ میری زندگی ہے اور مجھے اسے اپنی مرضی سے جینے کا پورا حق ہے، مجھے یہ نرم و لطیف جذبات سے عاری پتھروں اور اینٹوں سے بنے محل نہیں چاہیے مجھے تو ایک چھوٹا سا گھر چاہیے جسے میں اپنی مرضی سے سجاؤں سنواروں جس کے کونے کونے میں زندگی بستی ہو جس گھر کو چاند، بادل، پھول، بارش اور خوشبو مل کر اپنے رنگوں سے آباد کریں۔" اس کی چھوٹی چھوٹی خواہشیں حسرتوں کا وہ جنگل بن چکی تھیں جسے کاٹنا اب ناممکن تھا۔

اسے مظاہر فطرت سے عشق تھا اور اس طلب میں وہ بچپن سے بھٹک رہی تھی بارہ سال کی عمر میں ان کو بتا دیا گیا تھا کہ یہ لاؤنج اور اس کے گرد بنے کمرے اور لان ہی تم لوگوں کی کل کائنات ہے اور پھر حویلی کی ہر چیز انہیں حویلی کے اس لاؤنج میں ملنے لگی تھی، پنجرہ سونے کا ضرور تھا مگر اسے سونے کی نہیں رہائی کی چاہ تھی۔

ہابیل شاہ کی شادی پر سونم کو مہندی لگانے کی اجازت بھی بڑی مشکل سے ملی تھی اور تب اس نے پہلی بار حویلی سے باہر کی ہنستی بولتی، مسکراتی زندگی کو دیکھا تھا اور دل کے نہاں خانوں میں تھپک تھپک کر سلائی امنگیں جیسے ایک جھٹکے سے بیدار ہوئی تھیں اور وہ بھی ایسی ہی آزاد بے فکری اور خوشیوں سے بھرپور زندگی کا خواب دیکھنے لگی تھی۔

اور جس لمحے راہب نے اس کا ہاتھ تھاما تھا، اسے لگا یہ شخص اس کے خوابوں میں چاہتوں کا رنگ بھرنے ہی آیا ہے اور اس ایک لمحے نے اس کی زندگی بدل دی تھی اور فریال اسے قصے سے بے خبر نہیں تھی۔

مگر حویلی کے مردوں کے ممکنہ غصے سے خائف ہو کر اسے سمجھانے بیٹھ گئی تھی اس کا دل تو ویسے بھی چڑیا جتنا تھا جس بارش میں بھیگنے کو روشنی کا دل مچلا کرتا تھا اس کی گرج فریال کے دل دہلا دیا کرتی تھی۔

لاؤنج کے سامنے بڑا سا لان تھا اور اس کے دوسری جانب مردان خانہ، انہیں تو اس جانب کی کھڑکیاں تک کھولنے کی اجازت نہیں تھی روشنی جب بھی ان درزوں سے باہر جھانکتی اسے اپنا دم سینے میں گھٹتا محسوس ہوتا تھا اسے تو ان دیواروں سے عشق تھا جن کے اندر زنبیل شاہ سانس لیتا تھا اس نے تو کبھی ان روایات سے بغاوت کا تصور بھی نہ کیا تھا، ایک حویلی اور ایک ہی ماحول میں رہنے والی دو لڑکیاں دو متضاد خیالات کی مالک تھیں۔

"شاہوں کی لڑکی کو عشق ہو گیا ہے حویلی کے مرد یہ تہمت برداشت نہیں کریں گے۔" سونم نے پہلی بار لب کشائی کی تھی۔

''ہابیل لالہ آپ سے شادی کر سکتے ہیں تو میں راہب سے کیوں نہیں کر سکتی۔''

''وہ لڑکا تھا اور تم......'' اس نے بے بسی سے اپنا لب کچل ڈالا اس کی اچھی بھلی خوشگوار زندگی کس موڑ پر آ کر الجھ گئی تھی۔

''وہ لڑکا ہے تو آزاد ہے ہر معاملے میں اور میرا جرم یہ ہے کہ میں لڑکی ہوں اس لئے کھلی ہوا میں سانس تک بھی نہیں لے سکتی اس کے لئے بھی پہلے ان کی اجازت درکار ہو گئی بس میں مزید کٹھ پتلیوں جیسی زندگی نہیں گزار سکتی۔'' وہ بھڑکتے ہوئے بولی۔

''آگ سے مت کھیلو روشنی۔'' فریال نے اس کے گرد بازو پھیلا کر منت بھرے لہجے میں کہا مگر اس کا فیصلہ اٹل تھا۔

کچھ دیر کے لئے عقبی دلان میں مکمل خاموشی چھا چکی تھی پھر روشنی نے ایک عجیب بات کہہ دی۔

''سنو تم راہب اور میرے رشتے کی بات بی بی سے کرو نا۔'' اس کے لہجے میں کتنی آس تھی سونم کا دل بھر آیا وہ کچھ بھی کہے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

اور اسی شام اسے ایک بہت خوشگوار خبر بھی ملی تھی وہ ماں بننے والی تھی بی بی نے اس کا صدقہ اتار کر مبارکباد دی، اس کا دل چاہنے لگا تھا دن پر لگا کر اڑ جائیں اور ہابیل شاہ جلد از جلد واپس لوٹ آئے پھر وہ اسے ساری حقیقت بتا دے گی وہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔

☆☆☆

''میں نے کہا تھا نا کہ میں کسی بھی قیمت پر زیب شاہ سے شادی نہیں کروں گی۔'' ہال کمرے میں سب کے سامنے اس نے اپنی بات کو کس دیدہ دلیری کے ساتھ دوہرایا تھا سونم کو امید نہیں تھی کہ وہ بی بی کو انکار کرنے کے بعد وڈے شا[illegible] سائیں کے سامنے بولنے کی جرأت کرے گی۔

''بقیہ خاندان میں زیب شاہ کے علاوہ کوئ[illegible] تمہارے جوڑ کا نہیں ہے۔'' وڈے شاہ سائی[illegible] نے تحمل سے جواب دیا، مگر وہ آج آر یا پار کا فیصل[illegible] کر کے آئی تھی۔

''لیکن مجھے آپ کے خاندان میں شاد[illegible] نہیں کرنی۔'' اس کے سپاٹ لہجے پر دیوار ک[illegible] پاس کھڑی سونم کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ [illegible] دوڑ گئی تھی۔

وڈے شاہ سائیں خاموش سے ہو گئے، [illegible] بی نے ملامت بھری نظروں سے اسے دیکھا تھ[illegible] فریال نے آنکھوں کے اشارے سے خامو[illegible] رہنے کی گزارش کی تھی، زنبیل شاہ مٹھیاں بھینچے ا[illegible] ابال ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا، چھوٹی بیگم ا[illegible] بھابھی انگشت بدنداں رہ گئیں۔

نبیل شاہ زمینوں پر تھے اور چھوٹے شا[illegible] سائیں پر جیسے سکتہ طاری ہو چکا تھا۔

''تو پھر کس سے شادی کرنی ہے تمہیں۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جب وہ بولے تو ان [illegible] لہجہ بے تاثر تھا سونم کی ٹانگوں نے اس کا وز[illegible] سہارنے سے انکار کر دیا تھا وہ ملتجی نظروں [illegible] روشنی کو دیکھ رہی تھی مگر اس پر تو جیسے اک جنو[illegible] سوار ہو چکا تھا بغیر ڈرے یا جھجکے وہ بول پڑ[illegible] تھی۔

''ڈاکٹر راہب سے۔'' اور اس کی بات مکم[illegible] ہونے سے قبل زنبیل شاہ کسی خونی بھیڑیے [illegible] مانند اس پر جھپٹا تھا۔

''بے غیرت بے حیا لڑکی تجھے تو میں ز[illegible] زمین میں گاڑ دوں گا۔'' تھپڑوں کے بعد اب اس کی ٹھوکروں کی زد میں تھی۔

وڈے شاہ اور چھوٹے شاہ سائیں میں [illegible] کسی نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اس کی چیخوں پر حویلی کے سارے ملازم ہال کمرے کے باہر آن کھڑے ہوئے تھے لیکن کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ زنبیل شاہ کا ہاتھ روکنے کی کوشش کرتا۔

تبھی چھوٹی بیگم نے اسے کالر سے کھینچتے ہوئے اس کا رخ اپنی سمت موڑا۔

''پاگل ہو گئے ہو کیا، ارے ہماری بچی تو معصوم تھی اسے بہکایا ہے اس لڑکی نے جو اپنے بھائی کو زنانے میں بلوا کر ملاقاتیں کرواتی رہی ہے۔'' ان کا اشارہ سونم کی جانب تھا وہ اس الزام پر حق دق سی ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''اسی لئے میں کہتی تھی مت بیاہ کر لاؤ اسے آتے ہی ہماری معصوم پارسا بچیوں پر اپنا رنگ چڑھا ڈالا ورنہ ایسی جرأت تو ہمارے خاندان کی سات پشتوں میں بھی کسی نے نہیں کی تھی۔'' ان کا واویلا جاری تھا زنبیل شاہ مزید کچھ بھی سنے بغیر حویلی سے باہر نکل گیا، چھوٹی بیگم الزام پہ الزام لگائے جا رہی تھی۔

''یہ سب جھوٹ ہے بی بی آپ کو پتہ ہے روشنی کو کانچ لگ گیا تھا اور بھائی تو بس اس کی بینڈیج کرنے آیا تھا۔'' اسے یقین تھا بی بی ضرور اس کا ساتھ دیں گی لیکن انہیں بھی بیٹی کی جان پیاری تھی سو انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ جھٹکتے ہوئے رخ موڑ لیا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں پتہ اور تم نے ایسی کوئی اجازت لی تھی مجھ سے۔'' اسے اپنے سینے میں گھٹن سی اترتی محسوس ہو رہی تھی دل و دماغ جیسے آندھیوں کی زد میں تھا عجیب بے کلی سی تھی دل کہیں ٹھہر نہیں رہا تھا۔

کچھ دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد وہ بھاگتے ہوئے فون اسٹینڈ کی جانب بڑھی پہلے اس نے ہابیل شاہ کا نمبر ڈائل کیا تھا کچھ دیر بیل ہونے کے بعد ایک اجنبی آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

''ہابیل شاہ سے بات کروائیں۔'' وہ بولی تو اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''سوری میم وہ اس وقت آفس میں نہیں۔''

اس نے ریسیور پٹخ ڈالا پھر راہب کا نمبر ملانے لگی بیل مسلسل جا رہی تھی مگر کوئی ریسیو نہیں کر رہا تھا ایک بار...... دو بار...... دس بار، اس کی انگلیاں شل ہو چکی تھیں نبض ڈوب رہی تھیں۔

لاؤنج میں موت کا سا سکوت چھایا ہوا تھا سب ایک دوسرے سے نظریں چرائے بالکل خاموش بیٹھے تھے روشنی کی سسکیاں وقفے وقفے سے اس سکوت زدہ فضا میں ارتعاش پیدا کرتی تھیں۔

تبھی زنبیل شاہ تن فن کرتا اندر آیا اس کے سفید کپڑوں پہ جابجا خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔

''اسے تو قبر میں اتار آیا ہوں اور تمہیں اس کمرے میں زندہ درگور کروں گا۔'' روشنی کو بالوں سے گھسیٹتے ہوئے اس نے کمرے میں بند کر ڈالا تھا، اس کے ہاتھوں سے ریسیور کب کا لڑھک کر نیچے گر چکا تھا۔

''میرا بھائی...... میرا راہب۔'' وہ ننگے پاؤں پگڈنڈیوں پر بھاگتے ہوئے ہاسپٹل تک آئی تھی سارے گاؤں میں جیسے کہرام مچا ہوا تھا، چوکیدار نے اسے بتایا کہ انہیں شہر والے بڑے ہسپتال لے جایا گیا ہے۔

☆☆☆

اس کی ماں غم سے نڈھال تھی باپ کا دل جیسے پھٹا جا رہا تھا اور وہ خود ہاسپٹل کے ٹھنڈے کوریڈور پر گھٹنوں کے بل جھکی گڑگڑاتے ہوئے

اس کے لئے دعائیں مانگ رہی تھی۔
چھ گھنٹے تک اس کا آپریشن چلا تھا ڈاکٹرز نے بتایا کہ وہ کومہ میں جا چکا ہے دعا کریں صبح تک ہوش آجائے گا۔

اور وہ رات تو صدیوں جیسی طویل ہو چکی تھی صبح کے انتظار میں اس کی آنکھیں تھک گئیں، دعائیں مانگتے اس کے لب سوکھ گئے اور جب صبح ہوئی تو وہ مر گیا، اس کا بھائی مر گیا۔

اس کا باپ اپنے بال نوچ رہا تھا اس نے زنبیل شاہ کو اپنے ہاتھوں سے کھلایا تھا اسے اپنے کندھوں پر بٹھا کر باغ کی سیر کروائی تھی اس کی کبھی کوئی فرمائش نہیں ٹالی تھی اس میں انہیں اپنا راہب نظر آتا تھا اور اس نے ان کے بیٹے کو مار ڈالا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

وہ سونم سے کہہ رہے تھے اور سونم کے لئے انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔

اگلے روز انگلینڈ سے پھپھو بھی آچکی تھی گھر میں ایک بار پھر سے صف ماتم بچھ گئی اور یہ دکھ اب بھی پرانا ہونے والا نہیں تھا۔

☆☆☆

''اماں تھوڑا سا کھالو۔'' وہ نوالہ ہاتھ میں لئے اماں کے پاس بیٹھی تھی اماں نے پچھلے دو روز سے کچھ نہیں کھایا تھا اب بھی سونم بڑی لجاجت اور نرمی سے کھانے پر اصرار کر رہی تھی جب اماں نے اتنی عجیب بات کہی کہ ضبط کے باوجود اس کی آنکھوں میں سمندر امڈ آیا۔

''تم کھالو میں تو راہب کے ساتھ کھاؤں گی۔'' اماں نے اسے پچکارا تھا اور وہ روتے ہوئے حواس باختہ سی اماں کو دیکھے جا رہی تھی۔

''اس میں رونے والی کیا بات ہے اب راہب کے بغیر مجھے کھانا کھانے کی عادت بھی نہیں رہی میں دیکھوں ذرا کہاں رہ گیا۔'' وہ اسے ڈپٹتے ہوئے خود دروازے میں جا کھڑ ہوتیں ان کے سامنے ہی تو راہب کی میت آ تھی پھر بھلا ایسی باتیں...... اماں کو کیا ہو گیا تھا

''ابا!'' وہ اٹھ کر ابا کے کمرے میں آ تا کہ انہیں مطلع کر سکے مگر وہ سینے پر ہاتھ ر درد سے دوہرے ہوئے جا رہے تھے اس لبوں سے بے ساختہ چیخ نکل گئی تھی پھپھو ساتھ مل کر وہ فوراً انہیں ہاسپٹل لے گئی تھی برو طبی امداد ملنے کی وجہ سے ان کی جان تو بچ گئی لیک ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ ان کے دل کے دو والو بند ہو چکے ہیں اور ان کے دل کی وینز بہت ویک ہ جس کی وجہ سے بلڈ سرکولیشن میں پرابلم ہو ر ہے اور یہ ہارٹ پین بھی اسی عمل کا ردعمل ہے۔

''اس کا کوئی علاج؟'' سونم کی رنگت ز پڑنا شروع ہو چکی تھی ڈاکٹر نے پانی کا گلاس ا تھمایا جسے واپس میز پر رکھتے ہوئے وہ بے تا سے بولی تھی۔

''ہاں ان کا بائی پاس کروانا پڑے گا۔'' ڈاکٹر کا لہجہ تسلی آمیز تھا۔

''میں عمر سے بات کرتی ہوں پھر ہم بھا صاحب کو انگلینڈ لے جاتے ہیں وہاں ڈاکٹرز زیادہ قابل ہیں تم فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' پھپھو نے بروقت مثبت فیصلہ تھا، سونم نے ابا کے دوست چاچا فضل دین کو ب کر اپنی زمینیں اور گھر فروخت کروا دیا تھا پھپھو آج پھر ابا کو چیک اپ کے لئے شہر لے کر ہوئی تھیں اماں کی ہنوز وہی حالت تھی، ہر کسی پوچھتی تھیں کہ راہب کو کہیں دیکھا ہے، کبھی اس غصہ ہونے لگتی تھیں کہ وہ اپنے گھر کیوں جاتیں اور کبھی گھنٹوں ایک ہی جگہ پر بیٹھی کسی مرئی نقطے کو گھورتی رہتیں۔

وہ ابھی اماں کو سلا کر ڈھلے ہوئے کپڑ

پھیلا نے چھت پر آئی تھی جب منڈیر کے اوپر جھکتے ہی اس کی نظر ہاسپٹل کی ادھوری عمارت سے ٹکرائی۔

''تم دیکھنا ایک دن اس گاؤں میں بڑا ہاسپٹل بنواؤں گا اور ابا کا خواب پورا کروں گا۔'' وہ کہیں نہیں تھا مگر ان فضاؤں میں اس کا احساس ابھی باقی تھا ہر سو اس کی آواز گونج رہی تھی۔

''سونو۔'' وہ آہٹ پر پلٹی تھی اور اپنے سامنے ہابیل شاہ کو کھڑے دیکھ کر دم بخود رہ گئی تھی۔

☆☆☆

عمر نے ان کو انگلینڈ بلوانے کا سارا انتظام کر لیا تھا کل صبح اسے ہمیشہ کے لئے یہ گاؤں چھوڑ جانا تھا، منڈیر کے قریب جھک کر اس نے آخری بار اپنے گاؤں کو دیکھنا چاہا نیم تاریکی میں ہر شے دھندلی دکھائی دے رہی تھی بوڑھے برگد کی وہ شاخ بھی جو زمین پر جھکی ہوئی تھی جس پر بیٹھ کر وہ اسے کہانیاں سنایا کرتا تھا۔

''میری سونی بنو گی۔'' پیار کا وہ پہلا اقرار اسے آج بھی یاد تھا۔

''ان بارہ گھنٹوں کے بعد میں ہجر کو کبھی اپنے درمیان آنے نہیں دوں گا۔'' اور اب وہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر جا رہا تھا۔

''تم تو میری زندگی ہو تمہیں چھوڑ کر بھلا زندہ کیسے رہوں گا۔'' اور وہ زندہ تھا۔

''تم نے فیصلے کا اختیار مجھے سونپ کر اچھا نہیں کیا اب تو میں تمہیں پا کر بھی ہمیشہ کے لئے کھو دوں گی تم عمر بھر میرے ہو کر رہو گے لیکن میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گی کاش تم نے یہ سب نہ مانگا ہوتا۔'' اور پھر اگلی صبح وہ اماں اور بابا کے ساتھ ہمیشہ کے لئے انگلینڈ آ گئی تھی مگر آنے سے پہلے اس نے ایک کام کیا تھا اس نے عدالت سے کیس واپس لے لیا تھا اس نے زنبیل شاہ کو سزا سے بچا لیا تھا اس نے اپنے بھائی کے قاتل کو چھوڑ دیا تھا لیکن...... معاف نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

دونوں کے فائنل ایگزیم ہو چکے تھے اور آج شاید وہ اسے آخری بار ملنے آئی تھی پارک کے تنہا گوشے میں دونوں خاموش اور لاتعلق سے بیٹھے تھے جیسے کہنے سننے کو اب کچھ باقی نہ رہا ہو۔

اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مما کی جانب سے بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے اس پر یہ رعنا شاہ، جس نے لڑنے سے قبل ہی سلنڈر کر لیا تھا اور اس سے بھی یہی توقع لگائے بیٹھی تھی۔

''اگر قسمت نے یہ چند خوبصورت لمحے ہمارے دامن میں ڈال دیے ہیں تو کیا ضروری ہے کہ تم منہ پھلا کر بیٹھو۔'' وہ اس کی مسلسل خاموشی پر قدرے چڑ کر بولی تھی۔

''مجھے نہیں چاہیے یہ چند خوبصورت لمحے۔'' انداز ہنوز خفگی بھرا تھا۔

''آئسکریم کھاؤ گے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے راہب کا والٹ اٹھا لیا جو اس نے گاڑی کی چابی کے ساتھ لاپرواہی سے بینچ پر پھینکا ہوا تھا۔

''تمہیں یہ سب ایک مذاق لگ رہا ہے نا۔'' وہ اس کی جانب دیکھ کر مزید خفگی سے بولا مگر رعنا کا دھیان تو ہاتھ میں پکڑے والٹ کی جانب تھا جسے بے دھیانی میں وہ کھول چکی تھی اور اس میں سجی ہابیل شاہ کی تصویر نے اسے چونکا ڈالا تھا۔

''یہ تصویر۔'' اس کی آنکھیں جیسے باہر کو ابل آئی تھیں۔

''ڈیڈی ہیں میرے۔'' اس نے بٹوہ جھپٹ کر دوبارہ سے بینچ پر پٹخا اور اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"تم کیوں نہیں سمجھتی میں نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر۔"

"تمہارے ڈیڈی میرے چاچو ہیں۔" وہ بولی تو اس کی آواز کپکپا رہی تھی راہب اپنی جگہ ساکت سا ہو کر رہ گیا تھا۔

"میں پاکستان جا رہی ہوں۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی جیسے چاچو کو ابھی راستے سے پکڑ کر لے آئی گی اور وہ آ بھی جائیں گے۔

"کیا ڈیڈ آ جائیں گے۔" وہ اس کی راہ میں حائل ہوا تھا اور وہ رک گئی تھی اس نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ کیا سونم آنٹی اور چاچو کے رشتے میں کوئی گنجائش بھی باقی تھی یا نہیں۔

"ان دونوں کی علیحدگی نہیں ہوئی۔" راہب نے اس کی آنکھوں کا سوال پڑھ لیا تھا راعنا کے چہرے پر کلیاں سی کھل اٹھی تھیں اس نے بے ساختہ گہرا سانس بھرا۔

"لیکن معاملہ خاصا نازک اور پیچیدہ ہے مما نے کبھی مجھے بتایا تو نہیں مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ مما نے ڈیڈ کو خود چھوڑا تھا، اب اگر ڈیڈ نے آنے سے انکار کر دیا تو......"

"ایسا نہیں ہوگا۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"اور اگر ایسا ہوا بھی تو تم میرا ساتھ دو گی۔" اس نے آس بھری نظروں سے راعنا زنبیل شاہ کو دیکھا جو اس سے نظریں چرا کر پائل پام کی شاخوں پر پھدکتی چڑیا کو دیکھنے لگی تھی۔

"میں تمہیں کسی آس کی ڈور میں باندھنا نہیں چاہتی مجھ سے ایسا کوئی عہد نہ لو۔" وہ اپنا بیگ اٹھا کر خود بھی اٹھ گئی تھی راہب نے اب کی بار اسے نہیں روکا تھا۔

دونوں ساتھ چلتے ہوئے ڈرائیوے تک آئے تھے وہ شام دونوں نے ایک ساتھ گزاری تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح اسے راعنا کو سی آف کرنے جانا تھا سونم نماز پڑھ کر لاؤنج میں آئی تو وہ ٹک سک سا کہیں جانے کو تیار کھڑا تھا۔

انہوں نے ایک حیرت بھری نگاہ وال کلاک کی جانب دوڑائی صبح کے چھ بجے تھے عموماً وہ صبح دس بجے سے پہلے نہیں اٹھتا تھا۔

"خیریت۔" انہوں نے اچنبھے سے دریافت کیا۔

"میں راعنا کو ائیر پورٹ ڈراپ کرنے جا رہا ہوں۔" اس نے جھوٹ بولنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اس لئے سچ بتا دیا۔

اس روز کے بعد سے وہ اپنے فائنل ایگزیم میں مصروف ہو چکا تھا پھر دونوں کے مابین دوبارہ اس ٹاپک پر بات نہیں ہوئی تھی۔

"چلو اچھا ہے وہ جا رہی ہے تو پھر کہاں رابطہ ہو پائے گا دونوں کے درمیان۔" اس کے جانے کے بعد انہوں نے اطمینان سے سوچا اور فون اسٹینڈ کی جانب بڑھ گئیں ان کا خیال تھا کہ اب انہیں عمر سے راہب اور لائبہ کے رشتے کی بات کر لینی چاہیے۔

عمر وہیں مانچسٹر میں رہتا تھا آپریشن کے دوران اس کے ابا کی ڈیتھ ہو گئی تھی اماں بھی چند ماہ ہی ساتھ نبھا سکیں اس کے پاس ننھا راہب تھا جس کا نام اس نے بھائی کے نام پر رکھا تھا حالانکہ عمر پھپھو اور فاطمہ بہت اچھے تھے ہر طرح سے اس کا خیال رکھتے عمر اور فاطمہ کی ان دنوں نئی نئی شادی ہوئی تھی مگر وہ اس کا دل بہلانے کے لئے ہر جگہ زبردستی اپنے ساتھ گھسیٹ کر لے جاتے تھے وہ بارہا احتجاج کرتی۔

"کباب میں ہڈی کا کیا کام۔" تو فاطمہ

لاڈ سے اس کے گلے میں بازو ڈال دیتی تھی۔

"ہم کیا کریں ہمیں ہڈی کے بغیر مزہ ہی نہیں آتا۔" پھر کچھ عرصے بعد انہیں ایک ایشین سکول میں جاب مل گئی تو وہ مانچسٹر سے لندن چلی آئی تھی سب نے روکنے اور منع کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس پر خودداری کا بھوت سوار تھا پھر وہ تنہا رہنا چاہتی تھیں۔

سب کے درمیان ہر وقت ہنستا باتیں کرنا آؤٹنگ پر جانا وہ اس بناوٹ بھری زندگی سے عاجز آ چکی تھی مگر ان سب نے ان کا ساتھ پھر بھی نہیں چھوڑا تھا، فاطمہ کا مسلسل اس کے ساتھ رابطہ تھا، اس کے تین بچے لائبہ عبید اور حمزہ تھے لائبہ راہب سے دو سال چھوٹی تھی اور اس نے راہب کے ساتھ دولہن کے روپ میں ہمیشہ سے اسے ہی دیکھا تھا۔

دوسری جانب بیل جا رہی تھی فون فاطمہ نے ہی ریسیو کیا تھا مگر انہوں نے کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فون رکھ دیا تھا، انہوں نے سوچا یہ ابھی کچھ زیادہ ہی قبل از وقت ہے انہیں پہلے راہب کو منانا چاہیے راہب کے نام کے ساتھ ہی ان کے تصور میں ایک بار پھر سے راعنا زنبیل شاہ چلی آئی تھی۔

"کاش راعنا تم زنبیل شاہ کی بیٹی نہ ہوتی تو میں چند پھول راہب حیات احمد کی تربت پر نچھاور کرنے کے لئے بھیجتی۔" راہب کی یاد نے ان کی آنکھوں کو نم کر دیا وہ کتنی بدنصیب تھیں کہ بھائی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے بھی نہیں جا سکتی تھی، مسکراتی ہوئی اس بلیک اینڈ وائیٹ تصویر کو انہوں نے اپنے پلو سے صاف کرتے ہوئے دوبارہ دیوار پر لٹکا دیا تھا۔

☆☆☆

"مجھے یاد کرو گے۔"

"میں تمہیں یاد نہ بھی کروں تم پھر بھی مجھے یاد آؤ گی۔"

"میں تم سے فون پر رابطہ رکھوں گی۔"

"احسان ہوگا آپ کا۔"

"میں جلد واپس آؤں گی۔"

"میں نے ابھی سے انتظار کرنا شروع کر دیا ہے۔"

"اپنا خیال رکھنا۔"

"تم بھی۔" فلائیٹ کی اناؤنسمنٹ ہونے لگی تھی وہ آخری بار اس کی جانب دیکھ کر مسکرائی اور پھر دلنشین لہجے میں بولی۔

"موسم ہجر اس بات کی نوید ہے کہ وصل کی بہاریں پھر لوٹ کر آئیں گی۔"

☆☆☆

وہ واپس آیا تو اس نے سونم کو کافی ریلیکس اور مطمئن محسوس کیا تھا وہ ٹی وی دیکھتے ہوئے کافی کے سپ لے رہی تھیں وہ ان کے قریب جا کر بیٹھا تو وہ اس کی سمت متوجہ ہوئیں۔

"ناشتہ کرو گے۔"

"پراٹھا اور آملیٹ۔" اس نے خوشگوار لہجے میں فرمائش کی تھی سونم تو کچھ اور توقع کیے بیٹھی تھی کہ وہ افسردہ ہوگا بھوک ہڑتال کرے گا لیکن رنج و ملال کا کوئی رنگ ڈھونڈے سے بھی اس کے چہرے پر نظر نہیں آ رہا تھا ان کے دل میں ایک اور الجھن کا اضافہ ہوا تھا۔

"چلو خیر وجہ جو بھی ہو لیکن میرے لئے یہ احساس کافی ہے کہ اس نے بات کو اپنے دل و دماغ پر زیادہ سوار نہیں کیا اب میں جلد ہی اس کی نسبت لائبہ کے ساتھ طے کر دوں گی تو وہ راعنا کو مکمل طور پر بھول جائے گا۔" وہ سب سوچتی کچن میں چلی آئیں۔

☆☆☆

ائیر پورٹ پر اسے ڈرائیور لینے آیا تھا حویلی آنے پر اس کا شاندار استقبال ہوا تائی اماں، امی، بی بی اور چھوٹے شاہ سائیں سے ملنے کے بعد وہ کچھ دیر آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

بابا اور تایا ابا اس وقت زمینوں پر تھے اور چاچو زیادہ تر شہر والے بنگلے میں ہی رہتے تھے تو اس وجہ سے ان سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔

حنا اور مرہم اپنے سسرال میں تھیں اور ندا لاہور ہاسٹل میں رہتی تھی وڈے شاہ سائیں اور چھوٹی بیگم کا چند سال قبل انتقال ہو چکا تھا۔

بستر پر لیٹتے ہی اسے نیند آنے لگی تھی بوجھل پلکوں کو بمشکل جھپکتے ہوئے اس نے بیگ سے اپنا سیل فون نکالا اور کچھ ٹائپ کرنے لگی۔

''میں حویلی پہنچ گئی ہوں۔'' لکھنے کے بعد اسے سینڈ کر دیا تھا پھر اس کی آنکھ مما کے جگانے پر ہی کھلی تھی وہ اسے لنچ کے لئے بلانے آئی تھیں وہ کچھ دیر کسلمندی سے لیٹی رہی پھر اٹھ کر شاور لیا اور چینج کرنے کے بعد باہر نکل آئی۔

بریانی، مٹن قورمہ اور فرائی فش، میز پر ساری اس کی فیورٹ ڈشز تھیں۔

''واؤ مما یو آر سو سویٹ۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔

''اب محض چکھنے پر اکتفا نہیں کرنا ڈٹ کر کھانا دیکھو تو کتنی سی شکل نکل آئی ہے وہاں کیا کچھ کھانے کو نہیں ملتا تھا۔''

''افوہ میں ڈائیٹ پر ہوں۔'' فریال نے اس کے احتجاج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوسری بار بھی اس کی پلیٹ بھر دی تھی۔

''یہ ڈائیٹ وائیٹ چھوڑ اور اپنی صحت کا خیال رکھو چند دنوں تک بیاہ کر دوسرے گھر چلی جاؤ گی دولہن بن کر کیا روپ آئے گا۔'' اس کی پلیٹ میں فرائی فش کا ضافہ کرتے ہوئے انہوں نے جیسے راعنا کے سر پر بم پھوڑا تھا، وہ ہونق پن سے ان کی شکل دیکھنے لگی۔

''میری شادی۔''

''دو، تین پرپوزل آئے ہوئے ہیں تمہارے بابا کہہ رہے تھے راعنا آئے گی تو اس سے پوچھ کر فائنل کر لیں گے۔'' بابا اور تایا ابا کی آمد پر ان کی گفتگو ادھوری رہ گئی تھی۔

''کیسا ہے میرا بیٹا۔'' وہ انہیں دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اس کا کتنا دل چاہا تھا کہ وہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھیں اسے سینے سے لگائیں اس کی پیشانی پر بوسہ دیں، مگر وہ اپنی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکے تھے۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''ایگزیم کیسے ہوئے۔'' انہوں نے اگلا سوال پوچھا۔

''اچھے ہوئے ہیں۔'' اس نے تابعداری سے جواب دیا۔

''یہ ہابیل شاہ نے نیا رواج ڈال دیا ہے اب تمہارے بعد، ندا بھی یونیورسٹی چلی گئی ہے مجھے تو لڑکیوں کی اتنی تعلیم کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا مگر وہ ہمیشہ اپنی من مرضی کرتا ہے اور ہم ہمیشہ یہی سوچ کر خاموش رہتے ہیں کہ کہیں وہ ایسا نہ سمجھے کہ ہماری اولاد پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔'' تایا ابو پھر سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے لگے تھے۔

''لالہ نے بڑی قربانی دی ہے اس حویلی کے لئے۔'' فریال کے منہ سے بے ساختہ ہی پھسلا تھا راعنا نے چونک کر انہیں دیکھا پھر تایا ابا کو جو ان کی بات پر اثبات میں سر ہلا رہے تھے اور بابا نہ جانے کیوں انہیں بہت گم صم اور ملول

سے لگے تھے۔

☆☆☆

لنچ کے بعد وہ یونہی عقبی برآمدے میں چکر لگا رہی تھی جب اس نے حلیمہ کو ٹرے میں کھانا رکھے لاؤنج کے آخری کارنر میں اسی مقفل کمرے کی سمت جاتے دیکھا جو جانے کتنے برسوں سے بند تھا وہ غیر ارادی طور پر تھوڑا سا آگے جھک آئی اب وہ پھپھو کے کمرے کے باہر کھڑی تھی راعنا لپک کر اس کی راہ میں حائل ہوئی۔

''کہاں جا رہی ہو۔'' اس کا انداز سرسری تھا۔

''آپا کے لئے کھانا لے جا رہی ہوں۔'' وہ سادگی سے بولی۔

''اچھا مجھے دو میں لے جاتی ہوں۔'' راعنا نے اس کے ہاتھ سے ٹرے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

''آپا کا حکم ہے کہ ملازمہ کے سوا گھر کا کوئی فرد ان کے کمرے میں نہ آئے۔'' راعنا کے گھورنے پر اس نے جلدی سے اپنی حرکت کی وضاحت دی تھی۔

''راعنا۔'' فریال اسے ڈھونڈتے ہوئے وہیں چلی آئی تھیں پھر اسے حلیمہ کے راستے میں حائل دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

''کیا بات ہے؟''

''بی بی جی آپا کے کمرے میں کھانا لے جانا چاہتی ہیں۔''

''تم جاؤ۔'' انہوں نے حلیمہ کو جانے کا اشارہ کیا۔

''اور راعنا تم میرے ساتھ آؤ۔'' اب وہ اس سے مخاطب تھیں راعنا منہ پھلا کر رہ گئی۔

''مما ہم کیوں پھپھو کے کمرے میں نہیں جا سکتے وہ کیوں ہم سے ملنا پسند نہیں کرتیں۔''

''بھئی ان کی مرضی ہے۔'' وہ صاف ٹال گئیں۔

''اور تم یہ دیکھو میں نے تمہارے لئے کچھ زیور نکالے ہیں تم پسند کر لو۔'' وہ اپنی الماری سے مخملی کیس کے سات ڈبے اٹھا لائی تھیں۔

''یہ نیکلس دیکھو ہیروں کا ہے۔'' وہ اس کی عدم دلچسپی کی بنا پر خود ہی کھول کھول کر اس کے سامنے رکھ رہی تھی یا پھر شاید اپنی باتوں میں الجھا کر وہ اس کے سوالوں سے بچنا چاہ رہی تھی، راعنا نے بے دلی سے سارے ڈبے بند کر کے ایک جانب رکھ دیئے۔

''مما سونم آنٹی نے چاچو کو کیوں چھوڑ دیا تھا۔'' بغیر کسی تمہید کے وہ ڈائریکٹ اپنے موضوع پر آئی تھی اور اس اچانک استفسار پر اس نے فریال کو چونکتے ٹھٹکتے اور پھر واضح طور پر اس کی رنگت کو بدلتے ہوئے دیکھا تھا، اس کا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا یہ تاثرات گواہ تھے کہ وہ لاعلم نہیں تھی۔

''کون سونم؟'' اگلے ہی پل وہ خود کو کمپوز کر چکی تھیں مگر لہجے کی ہکلاہٹ پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔

''چاچو کی وائف۔'' اس کا اطمینان قابل دید تھا فریال نے کچھ کہنے کو لب وا کیے مگر اس نے ٹوک دیا۔

''مما پلیز اب یہ مت کہیے گا کہ ہابیل شاہ نے تو شادی ہی نہیں کی میں ان کی وائف اور بیٹے سے مل کر آ رہی ہوں۔''

''تم سچ کہہ رہی ہو۔'' فریال نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا ان کی آنکھوں میں بے یقینی اور تعجب کے رنگ تھے لہجے سے خوشی چھلکی پڑ رہی تھی، راعنا سوچ میں پڑ گئی اسے امید نہیں تھی کہ سونم آنٹی کا ذکر حویلی والوں کے لئے اتنی خوشی کا باعث ہو گا۔

"جی مما میں اور راہب کلاس فیلو تھے۔"

ان کے ردعمل سے ہی راعنا کو حوصلہ ملا تھا اور وہ سب کچھ بتاتی چلی گئی تھی راہب کی خواہش بھی، فریال ساری بات سن کر سوچ میں پڑ گئی۔

"ہمارے لئے اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہو گی کہ تم چھوٹے لالہ کی بہو بنو لیکن بیٹا سونم کو شاید یہ رشتہ قبول نہ ہو اگر ایسا ہوا تو تم ان کی خواہش کا احترام کرنا اور راہب کو سمجھا دینا۔"

"کیوں مما، یہ سب کیا کہانی ہے میں نے پھپھو کی کتاب میں راہب حیات احمد کی تصویر دیکھی تھی اب آپ مجھ سے کچھ نہیں چھپائیں گی آپ کو بتانا ہی ہو گا۔" اس کا اصرار بڑھتا ہی جا رہا تھا فریال نے آنکھیں میچتے ہوئے ان دنوں کو سوچا جو حویلی پر قیامت بن کر آئے تھے، وہ کتنا روئی تھی زبیل شاہ کے لئے...... سونم کے لئے...... روشنی کے لئے اور سب سے بڑھ کر چھوٹے لالہ کے لئے اس کے رشتوں کی تو ساری مالا ٹوٹ کر بکھر گئی تھی اور پھر انہوں نے راعنا سے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا، آگہی واقعی عذاب ہوتی ہے سب سننے کے بعد اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کاش وہ بے خبر ہی رہتی اس کا چہرہ دھواں دھواں سا ہو رہا تھا اندر کہیں گھٹن سی اتر آئی تھی وہ دل پر اپنے بابا کے گناہ کا بوجھ لئے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

اسے سونم آنٹی کا اپنے نام پر چونکنا یاد تھا شاید وہ بھی اسے پہچان چکی تھی اسی لئے تو ٹیبل سے اٹھ کر چلی گئی تھیں اور میں نے راہب سے پوچھا ہی نہیں کہ آنٹی نے مجھ سے ملنے کے بعد کیا کہا تھا، اس کے موبائل کی بیل بجی راہب کی کال تھی، اس نے بے دلی سے فون ایک جانب رکھ دیا فی الحال تو اس کا کسی سے بھی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا وہ صرف جی بھر کر رونا چاہتی تھی۔

☆☆☆

بائیس سال...... بائیس سال بیت گئے تھے وہ جس کے بغیر ایک لمحہ ایک پل نہیں رہ سکتی تھی اس کو دیکھے ہوئے بائیس برس جانے کس طرح گزار دیئے تھے آج اسے دیکھا تھا تو ایسا لگا تھا کہ جیسے یہ بائیس برس ان کے درمیان کبھی آئے ہی نہیں تھے وہ آج بھی اس مقام پر کھڑی تھی جب وہ آخری بار ان سے ملنے آیا تھا جب وہ یہ سمجھی تھیں کہ وہ ان کے بھائی کی تعریف کرنے آیا ہے انہیں حوصلہ دینے اپنی چاہت کا اعتبار سونپنے اور اپنے تحفظ کا احساس دلانے آیا ہے مگر وہ تو......

"یہ جو بھی ہوا مجھے اس کا افسوس ہے لیکن زبیل شاہ کو تو تم جانتی ہو وہ کتنا جذباتی انسان ہے بس ایسے ہی غصے میں آ کر اس نے......" وہ بات ادھوری چھوٹ کر کچھ پل رکا۔

"تمہیں اپنے بھائی کو سمجھانا چاہیے تھا کہ کم از کم مجھے تو اس سارے معاملے سے بے خبر نہ رکھتی، خیر اب کیا فائدہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا میں تم سے کہنے آیا ہوں کہ تم لوگ عدالت سے مقدمہ واپس لے لو کیونکہ میں تمہیں اسی صورت میں گھر لے جا سکتا ہوں ورنہ......"

"ورنہ......" سونم نے بے خوف نظروں سے اسے دیکھا۔

"ورنہ مجھے تمہیں چھوڑنا پڑے گا۔" چھن سے اس کے وجود میں کچھ ٹوٹا تھا اور اس کی ذات کے پرخچے اڑ گئے تھے وہ کیس واپس لے کر ہابیل شاہ کو اس گاؤں اس حویلی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ آئی تھی۔

اور آج اتنے برسوں بعد انہوں نے دوبارہ اسے دیکھا تھا وہ گروسری کا سامان لینے سپر مارکیٹ آئی تھیں جب ان کی نگاہ اپنے قریب

کاؤنٹر کے پاس کھڑے شخص سے الجھی، وہ بھی انہیں دیکھ چکا تھا کیا نہیں تھا اس کی آنکھوں میں، شکوہ، محبت، امید، وہ ایک قدم پیچھے ہٹی تھیں اور پھر پلٹ گئی تھیں ان کا سارا سامان کاؤنٹر پر رہ گیا تھا، ان کے رخسار مکمل طور پر بھیگ چکے تھے اور دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا، یہ اتفاق تھا حادثہ تھا کہ سازش۔

☆☆☆

"مما تو ڈیڈ کو دیکھتے ہی واپس پلٹ گئیں۔"

راہب کو افسوس سا ہوا۔

"تم جو یہ فلمی سین کریٹ کروانے کی کوشش کر رہے ہو نا تو میں تمہارے جنرل نالج کے لئے تمہیں بتا دوں کہ یہ زندگی ہے کوئی فلم یا ڈرامہ نہیں جس میں تم اپنا من پسند سین ایڈ کروا لو اور نہ ہی تم ڈائریکٹر ہو کہ ہر کوئی تمہارے اشاروں پر چلے۔" وہ اچھی خاصی بد مزہ ہوئی تھی جس پر اس نے راہب کو خوب لتاڑا تھا جس کا آئیڈیا تھا کہ ڈیڈ کو اچانک مما کے سامنے لائیں گے پھر جو ان کا ردعمل ہو گا اس کے مطابق اگلا لائحہ عمل ترتیب دیں گے۔

"میری بڑی بی بننے کی کوشش نہ کرو سوچو اب کیا کرنا ہے۔"

"اب ہمیں اپنے گھر لے کر چلو۔"

"اس سے کیا ہو گا۔"

"ان کے درمیان جو غلط فہمیاں ہیں وہ ایک دوسرے کی بات سن کر ہی دور ہو سکتی ہیں۔"

"اور ان کے درمیان کیا غلط فہمیاں ہیں۔"

راہب نے ابرو اچکائے۔

"مجھے کیا پتہ۔" وہ بے ساختہ نظریں چرا گئی۔

"مجھے پہلے مما سے بات کرنی چاہیے ایسے تو وہ بہت خفا ہو جائیں گی۔"

"وہ خفا نہیں ہوں گی۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔" اس نے الٹا سوال پوچھا۔

"مجھے الہام ہوا ہے۔" وہ زچ ہو اٹھی۔

"اچھا اب غصہ تو نہ کرو منہ پھلا کر تم بہت بری لگتی ہو۔" راہب نے اس کے چہرے پہ جھولتی لٹ کھینچی تو وہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے مزید برہمی سے بولی۔

"اپنی حد میں رہا کرو۔"

"اور میری حدود کیا ہیں آؤ پہلے یہ طے لیں۔" اسے جیسے راعنا کو چڑانے میں مزہ آ رہا تھا۔

"بکو مت اور چلو۔" وہ اپنا بیگ اٹھا کر رخ موڑ گئی۔

"راہب تم میری ہیلپ کرو گے نا۔" ہابیل شاہ نے بڑی پر امید نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر اس نے فوراً آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔

"جی نہیں آپ اپنا مقدمہ خود لڑیں گے اور میں اپنا......" بات کو معنی خیز سا رنگ دے کر اس نے کن اکھیوں سے راعنا کو دیکھا تھا جو ان شوخیوں سے قطع نظر مکمل لاتعلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے باہر جھانکنے لگی تھی۔

"تمہارا مقدمہ بھی برخوردار میرے مقدمے کی کامیابی پر ڈیپنڈ کرتا ہے۔" وہ بھی باور کروانا نہیں بھولے تھے۔

☆☆☆

"مما دیکھیں تو کون آیا ہے۔" وہ مرکزی دروازے سے ہی شور مچاتا اندر داخل ہوا تھا وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئیں اور پھر جیسے زمین نے ان کے قدموں کو جکڑ لیا۔

"السلام علیکم!" ہابیل شاہ نے آہستگی سے

سلام کیا تھا وہ محض سر ہلا سکیں۔
"کیسی ہیں آنٹی۔" راعنا نے خود ہی آگے بڑھ کر ان کا احوال دریافت کیا تھا۔
"اچھی ہوں۔" رکھائی بھرے جواب پر راعنا کو خفت نے گھیر لیا سونم نے مروتاً بھی اس کا حال نہیں پوچھا تھا۔
ہابیل شاہ کی نظریں اس کے چہرے پر جمی جیسے برسوں کی تشنگی سیراب کر رہی تھیں اسے لگا کہ وہ آج بھی اتنی ہی حسین ہیں جتنی بائیس سال قبل تھیں اتنے سال محض اسے چھو کر گزر گئے تھے۔
"آپ بیٹھیں۔" انہیں پچھلے سات منٹ سے کھڑا دیکھ کر بالآخر اس نے بیٹھنے کا اذن دیا تھا وہ دونوں خاموشی سے کاؤچ پر بیٹھ گئے، راہب اتنی دیر سے کھڑا محض ان کے تاثرات نوٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اسے کہیں کوئی گنجائش نہیں مل رہی تھی مگر وہ پھر بھی مایوس نہیں ہوا تھا۔
"کیا لیں گے آپ کافی یا چائے۔" اب وہ آداب میزبانی نبھا رہی تھیں انداز کس قدر لاتعلق اور بیگانہ سا تھا جیسے زبردستی کوئی مہمان گلے پڑ گیا ہو۔
ہابیل شاہ کو بائیس سال کے ہجر سے زیادہ اس ایک اجنبی لہجے پر ملال ہوا تھا۔
"آپ بیٹھیں میں چائے بنا لاتی ہوں۔" راعنا اٹھ کر کچن میں چلی گئی تھی وہ خاموشی سے دوسرے کاؤچ پر بیٹھ گئی راہب بھی چپکے سے کھسک گیا تھا۔
"میری ہیلپ چاہیے تو بندہ حاضر ہے۔"
"ہاں وہ شوگر چائے اور سالٹ کہاں ہے۔" وہ ابھی تک کچن کا جائزہ ہی لے رہی تھی، اس نے اندر آ کر مطلوبہ چیزیں کاؤنٹر پر رکھ دیں، پھر کیبن سے ٹی سیٹ نکالنے لگا۔
"اور تم یہ چائے میں نمک مت ڈالنا۔" سالٹ واپس رکھتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔
"مجھے نمک والی چائے کا ذائقہ اچھا لگتا ہے۔"
"اور مجھے نہیں لگتا۔"
"تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔"
"تمہارا قصور یہ ہے کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتی تمہیں میرے نازک جذبات و احساسات کا کوئی خیال نہیں ہے جب سے آئی ہو ایک مسکراہٹ تک میں نے تمہارے چہرے پر نہیں دیکھی تم اتنی مغرور کیوں ہو۔"
"چلیں۔" وہ ٹرے سجا چکی تھی راہب محض دیکھ کر رہ گیا۔
راعنا نے سینٹرل ٹیبل پر ٹرے رکھی تو اسے احساس ہوا کہ دونوں میں سے ابھی تک کسی نے بھی ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کیا تھا، اس نے دو کپ میں ایک ساتھ چائے بنائی۔
"شوگر۔" اس نے بیک وقت دونوں سے پوچھا تھا۔
"تین چمچ۔" دونوں کے لبوں سے ایک ساتھ پھسلا تھا دونوں کی نظریں بھی ایک لمحے کو ملی تھیں ہابیل شاہ کی آنکھوں میں حیرت اور سونم حیات احمد کے چہرے پہ اک نرم سا تاثر امڈ آیا تھا۔
"ہابی پلیز میرے کپ میں اتنی شوگر مت ڈالو۔" وہ چلائی۔
"دیکھنا میں تمہیں بھی عادی بنا دوں گا اور پھر تم مجھے منع نہیں کرو گی۔" وہ روز اس کے کپ میں تین چمچ شوگر ڈال دیا کرتا تھا اور وہ برے برے منہ بناتی اس شربت کو حلق سے اتارا کرتی تھی۔

ان چاروں نے ساتھ بیٹھ کر چائے پی تھی مگر لاؤنج میں یوں سناٹا چھایا ہوا تھا جیسے وہاں کوئی نفوس موجود ہی نہ ہو۔
راعنا اور راہب کے درمیان آنکھوں ہی آنکھوں میں معنی خیز تبادلے ہوتے رہے تھے سونم چائے کے خالی کپ اٹھا کر کچن میں چلی گئی تھیں۔
"ڈیڈا!" راہب نے مصنوعی خفگی سے انہیں گھورا تو وہ خفت زدہ سا مسکرائے۔
"میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔"
"آئیں میں آپ کو کمرہ دکھا دوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا ہابیل شاہ نے اس کی تقلید میں قدم بڑھا دیئے تھے وہ کمرہ سونم کا تھا اس کی فضا میں اس کی مہک رچی ہوئی تھی۔
وہ کتنی ہی دیر اس سے متعلقہ چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے، سائیڈ ٹیبل پر ایک سیاہ ڈائری الٹی رکھی ہوئی تھی انہوں نے احتیاط سے اٹھا کر سیدھا کیا تو سامنے ایک نظم تحریر تھی۔

تیرے خیال سے محبت کی ہے
تیرے احساس سے محبت کی ہے
تو میرے پاس نہیں ہے پھر بھی
تیری یاد سے محبت کی ہے
کبھی تو نے مجھے یاد کیا ہوگا
میں نے ان لمحات سے محبت کی ہے
جن میں ہو صرف تیری اور میری باتیں
میں نے ان اوقات سے محبت کی ہے
جو مہکے ہو صرف تیری ہی محبت سے
میں نے ان جذبات سے محبت کی ہے
تجھ سے ملنا تو اک خواب سا لگتا ہے
میں نے تیرے انتظار سے محبت کی ہے

ہابیل شاہ کو لگا جیسے کسی نے ان کا دل مٹھی میں لے کر بھینچ ڈالا ہو وہ کتنے ہی پل ان لفظوں کے سحر سے نکل نہیں پائے تھے، آنسوؤں کے مٹے مٹے سے نشانوں پر وہ اپنے لب رکھتے ہوئے بے ساختہ رو دیئے تھے۔

☆☆☆

راعنا اٹھ کر ان کے پیچھے ہی کچن میں چلی آئی تھی انہیں فریج میں جھانکتے دیکھا پھر وہ گوشت نکال کر اسے مکمل طور پر نظرانداز کرتی سینک کی جانب بڑھ گئی کتنا آکورڈ لگ رہا تھا کہ میزبان تو لفٹ نہیں کروا رہے تھے اور وہ زبردستی کی مہمان بنی ان کے سر پہ سوار تھی۔
"کچھ چاہیے۔" بالآخر انہیں اس کی موجودگی کا خیال آ ہی گیا تھا۔
"میں آپ کی ہیلپ کروا دوں۔" وہ اتنی سی توجہ پر ہی کھل اٹھی تھی۔
"نو تھینکس مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" رکھائی بھرے جواب پر اس کی آنکھوں کی جوت بجھ سی گئی۔
"آپ مجھ سے ناراض ہیں۔" اس نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری تھی۔
"کیوں؟" عجیب سوال تھا نا۔
"راہب نے بتایا تھا کہ آپ کافی فرینڈلی اور سویٹ ہیں مگر جب سے میں آپ سے ملی ہوں آپ مسلسل مجھے اگنور کر رہی ہیں بابا نے جو کیا اس کی سزا مجھے تو نہ دیں میں ہابیل شاہ کی ہی نہیں فریال کی بھی بیٹی ہوں۔" سونم نے اس کے گلوگیر لہجے پر قدرے سٹپٹا کر اسے دیکھا وہ شاید راعنا سے یوں ڈائریکٹلی اس بات کی توقع نہیں کر رہی تھیں۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے تم بتاؤ ڈنر میں کیا کھانا پسند کرو گی۔" ان کا انداز ہنوز تھا۔
"میں جانتی ہوں آپ شاید اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ راہب کی ضد پر کہیں مجھے بہو بنانا

نہ پڑ جائے لیکن آپ بے فکر رہیں آپ کو انکار کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی میں خود ہی راہب کو منع کر دوں گی۔" وہ کہہ کر وہاں رکی نہیں تھی سونم سب چھوڑ چھاڑ کر کچن میں رکھے اسٹول پر بیٹھ گئیں، انہیں تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

وہ لڑکی کتنی آسانی سے کہہ گئی تھی کہ راہب کو منع کر دوں گی تو اس کا مطلب ہے کہ اب مجھے راہب کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا، اس خیال کے آتے ہی انہیں اپنا آدھا مسئلہ حل ہوتا دکھائی دیا تھا، وہ اپنے بیڈروم سے اپنی شال لینے آئی تھیں ہابیل شاہ کو کھڑکی میں کھڑے دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئیں، واپس پلٹنا چاہا تو اس نے پکار لیا۔

"سونم!" وہ ٹھہر گئی تھیں۔

"ناراض ہو۔" وہ ان کے سامنے آن کھڑے ہوئے بائیس سال بعد انہیں یہ خیال آیا تھا کہ وہ ان سے ناراض بھی ہو سکتی ہیں آج ایک ہی دن میں دوسری بار ان سے یہ سوال دریافت کیا گیا تھا اور دوسری بار بھی ان کا جواب ہنوز تھا۔

"کیوں؟" عجیب سوال نہیں تھا، مگر جواب ضرور عجیب تھا۔

"بی بی نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے وہ ماں ہو کر میرے پیروں میں جھکی ہوئی تھیں میں فریال کے آنسوؤں اور بھائی کی محبت میں مجبور ہو گیا تھا اپنے مسئلوں کے سامنے مجھے تمہارا غم نظر ہی نہیں آیا، میں تمہیں کوئی دکھ دینا نہیں چاہتا تھا مگر مجھے لگا تم میرے بغیر نہیں رہ سکتی اس لئے میں نے تم سے وہ سب کہا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی، میں نے تمہاری کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی اور تم نے اپنی کمزوری کو ہی اپنی طاقت بنا لیا یہ بائیس سال کا سفر میں نے کسی پل صراط پر چلتے ہو[ئے] طے کیا ہے تمہیں ڈھونڈنے مانچسٹر بھی آیا تھا مگر نہیں ملی۔" ان کے آنسو سونم کو اپنے دل کی زمین پر گرتے محسوس ہو رہے تھے وہ اسے کہنا چاہ[تی] تھیں پلیز اس طرح مت رو مگر ان کے لبوں میں جیسے کوئی جنبش ہی نہیں رہی تھی، انہیں احساس نہ[یں] تھا کہ وہ خود بھی رو رہی ہیں۔

"فریال نے زنبیل شاہ کے گھر آنے پر بتا[یا] کہ اس میں راہب کا کوئی قصور نہیں تھا روشنی [کی] محبت یکطرفہ تھی تو زنبیل شاہ کو اپنے فعل پہ بہ[ت] رنج ہوا تم نے تو اسے دنیاوی سزا سے بچا لیا تھا مگر قدرت نے اسے یہ سزا اس کے بیٹوں کی موت کی صورت دے دی تھی۔" سونم نے الجھن آمیز نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اس کا بڑا بیٹا تین سال کا تھا جب ہمیں پتہ چلا کہ اس کے دل میں سوراخ ہے اور دو[سرا] ڈیڑھ برس کا تھا جب اس کی برین ہیمرج سے ڈیتھ ہو گئی تھی ساری ساری رات وہ اپنے بچوں کے درد اور اذیت پر تڑپتے ہوئے گزارتا تھا، اس نے راہب کے نام ایک خیراتی ہاسپٹل بھی بنوا[یا] ہے وہ روز اس کی قبر پہ جا کر روتا ہے اور اس سے اپنے گناہ کی معافی مانگتا ہے، میری بہن نے پچھلے بائیس سال سے اس کمرے کو اپنی قبر بنا رکھا ہے وہ ہم میں سے کسی کی شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی اور میں نے یہ بائیس سال ہجر کے تپتے صحرا میں جلتے ہوئے گزارے ہیں اب تو اس مسافر کو کنارا دے دو۔" ہابیل شاہ نے ان کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

سونم نے ان کے ہاتھوں پر اپنے لب رکھ دیئے وہ انہیں اپنے سامنے ہاتھ جوڑے اور روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا۔" بڑی آس [سے] ان کی آنکھوں میں کہ ان کا محبوب جوان کا محب بھی تھا آج انہیں خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا انہیں دھتکارے گا نہیں اور سونم ہابیل شاہ بھلا کیسے ان ہاتھوں کو جھٹک سکتی تھیں جو ان کے لئے اس دنیا میں سب سے پرسکون پناہ گاہ تھے، وہ شخص تو ان کا سرمایہ حیات تھا یہ محبت کی انتہا تھی یا پھر چہرہ ان کو اتنا پیارا تھا کہ اس سے صرف محبت ہی کی جا سکتی تھی، بھیگی پلکوں اور مسکراتے لبوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلاتیں وہ ان کے سینے سے لپٹ گئی تھیں۔

"کیا اس حسین منظر میں میرے لئے کوئی جگہ نکل سکتی ہے۔" وہ جانے کب دروازے پہ آن کھڑا ہوا تھا ہابیل شاہ نے اس کی جانب دونوں بازو پھیلا دیئے۔

"مما آپ بھی نا اتنی جلدی مان گئیں۔" اس کا انداز شرارت آمیز تھا ہابیل شاہ اسے مصنوعی خفگی سے گھورتے ہوئے بولے۔

"بائیس سال کم ہیں کیا؟"

"اور مجھے اپنا محاذ سر کرنے میں کتنے سال لگیں گے۔" اس کی بیچارگی پر سونم نے ہنستے ہوئے اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی سے ڈائمنڈ رنگ اتار کر ہابیل شاہ کو تھما دی۔

"مجھے اپنے بیٹے کی خوشی سے عزیز کچھ بھی نہیں ہے۔" زنبیل شاہ سے اب مزید کوئی بدلہ لینا اپنے ہی بیٹے کو دکھ دینے کے مترادف تھا سو انہیں اپنا فیصلہ بدلنے میں محض ایک لمحہ ہی لگا تھا۔

"او مما یو آر گریٹ۔" محبت کے عملی مظاہرے کے طور پر اس نے سونم کو بازوؤں میں بھینچ ڈالا تھا پھر ہابیل شاہ کے پیچھے لپکا۔

"ڈیڈ یہ فاؤل ہے انگیج منٹ میری ہے تو رنگ بھی میں پہناؤں گا۔"

"ہمارے ہاں ایسے رواج نہیں ہیں۔" انہوں نے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"مگر ہمارے ہاں ایسے ہی رواج ہیں۔" وہ راعنا اور ان کے درمیان آن کھڑا ہوا تھا۔

راعنا اس ساری سچوئیشن پر کافی کنفیوژ سی کھڑی تھی ہابیل شاہ پہلے تو اسے گھورتے رہے پر شرافت سے رنگ اسے تھما دی۔

"راعنا مجھ سے شادی کرو گی۔" وہ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے قدرے شوخی سے بولا راعنا نے لاؤنج کی دہلیز پر کھڑی سونم آنٹی کو دیکھا جن کے چہرے پر اطمینان تھا آمادگی تھی، اس پر چاچو کی موجودگی کا ایقان اس کے رخسار تپ اٹھے، ریشمی پلکوں کی جھالر لرز کر عارضوں پہ جھک آئی اور پھر جھکے سے اس نے اپنا ہاتھ راہب شاہ کی جانب بڑھا دیا، خوشیاں ہر سو مسکرانے لگی تھیں۔

☆☆☆

نیناں لگیاں بارشاں

صبا جاوید

مکمل ناول
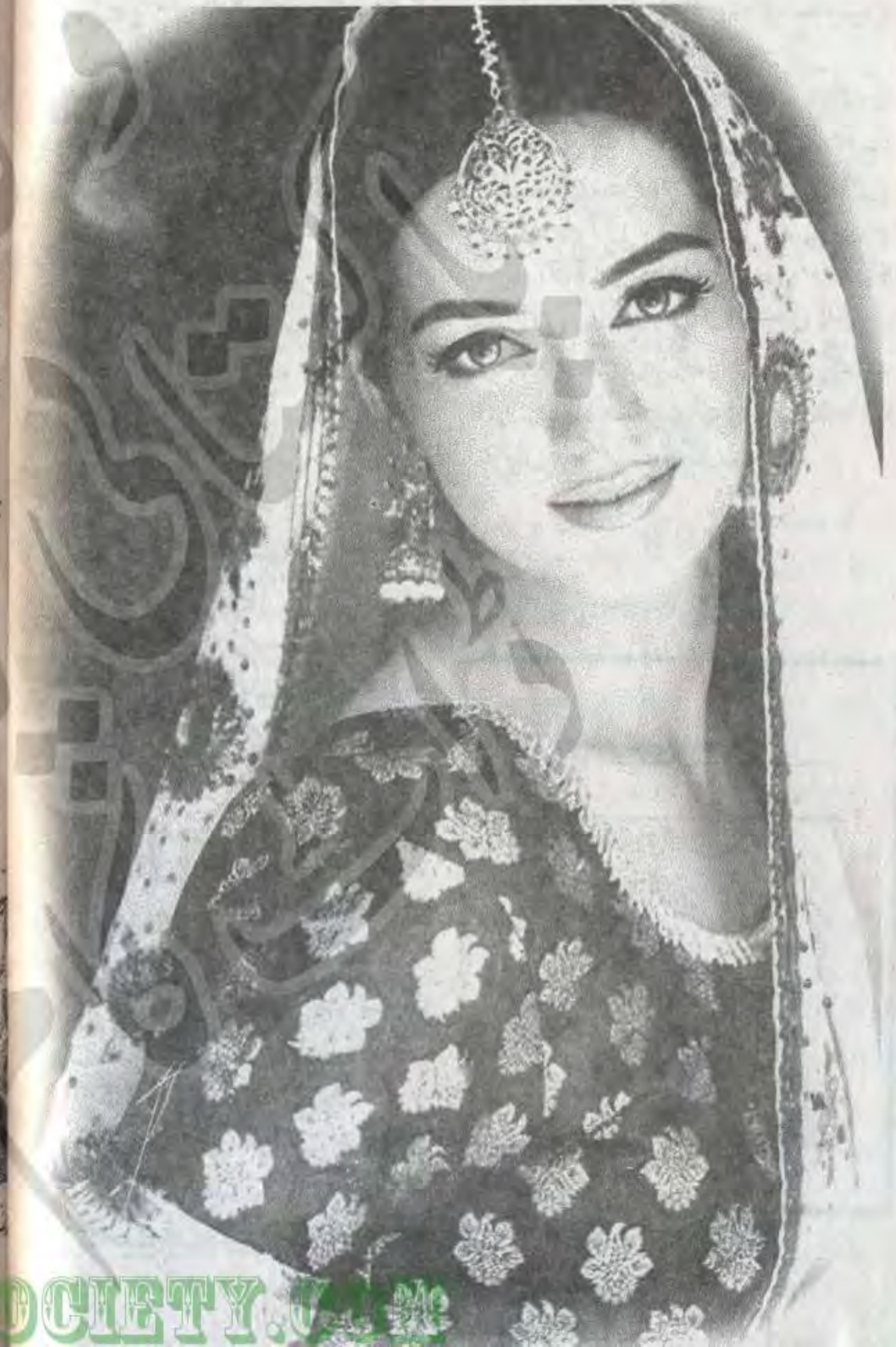
ہنڈا اکارڈ کو مین گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر اسے آنے والی شخصیت کا پتہ چل چکا تھا، دانستہ طور پر وہ ٹیرس سے ہٹ گئی، سارا دن پرسکون رہنے والی علیشہ رضوی کی ذات، اب بنا پانی کی مچھلی کی طرح بے چین ہو چلی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ منظر سے ہٹ جائے، یا پس منظر بدل دے وہ کسی طور آنے والی ساعتوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی، اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے کہیں دور بھاگ جائے جہاں اس شخص کا سایہ بھی نہ ہو، مگر یہ تو روز کا معمول تھا، جب بھی وہ شخص اس گھر میں اپنی شراکت داری ظاہر کرتا تب ہی بے چینیاں اس کے دل کی مکین بنتی تھیں، خود کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے وہ لاؤنج تک چلی آئی۔

سامنے ہی گلاس ڈور دھکیلتا ایک ہاتھ میں بریف کیس تھامے، دوسرے بازو پر کوٹ لٹکائے بلیک پینٹ اور لائم شرٹ زیب تن کیے وہ اندر داخل ہوا، اس کی ہزار پردوں میں لپٹی سنجیدہ اور جاذب شخصیت پاگل کر دینے کی حد تک قاتلانہ تھی، چہرے پر پھیلتے تھکاوٹ کے آثار اس کی کشش میں اضافے کا موجب بن رہے تھے، مگر اس کی موجودگی علیشہ رضوی کے لئے ہمیشہ گھٹن کا باعث رہی تھی۔

''گڈ ایوننگ علیشہ!'' اسے دیکھتے ہی اس شخص کے لب ہمیشہ کی طرح خیر مقدمی مسکراہٹ سے نوازنے کے لئے پھیل گئے تھے، مگر وہ مروتاً بھی مسکرا نہیں پائی تھی۔

''گڈ ایوننگ۔'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے وہ باہر کی طرف بڑھنے لگی، اس شخص نے علیشہ رضوی کے لہجے کی سرد مہری کو اندر تک محسوس کیا تھا مگر وہ ہمت نہیں ہارا تھا۔

''کھانے میں کیا ہے؟'' اس کی اجنبیت کو

نظر انداز کرتا وہ پھر دوستانہ انداز میں بولا، علیشہ رضوی کے بڑھتے قدم اس کی آواز سے زنجیر ہو گئے، پھر وہ پوری اس کی طرف گھوم گی۔

''میرے خیال میں پہلے بھی یہ فریضہ میں آپ کے لئے انجام نہیں دیتی۔'' انداز بہت کاٹ دار تھا۔

''مگر میں چاہتا ہوں کہ آج یہ فریضہ تم سر انجام دو۔'' اس کے طنز میں ڈوبے لہجے کو وہ سرے سے نظر انداز کر گیا، اب کی بار وہ اس کی موجودگی کو فراموش کیے بلا مقصد ہی لان میں نکل گئی، اس قدر انسلٹ پر اس کا خون کچھ اور تیزی سے رگوں میں گردش کرنے لگا تھا، لیکن خود کو بمشکل ٹھنڈا کرتا وہ کمرے میں فریش ہونے کی غرض سے چلا آیا۔

وہ لان میں آنا نہیں چاہتی تھی مگر وہ اندر رکنے پر بھی خود کو آمادہ نہیں پا رہی تھی، اس کی باتوں کو کوئی بھی اہمیت دیئے بغیر وہ چلی آئی تھی اور وہ شخص اس کے گریز، گھبراہٹ اور فرار ہر عمل کو بخوبی سمجھتا تھا۔

یہ اوائل مارچ کی کچھ شوخ اور کچھ کھنک شام تھی، ٹھنڈی ہوائیں ماحول سے سرگوشیوں میں مگن تھیں، ہلکی سی خنکی ٹھنڈ کا احساس پیدا کر رہی تھی اور یہ ٹھنڈک اس کے اندر جلتے الاؤ کو کم کرنے لگی تھی، دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھے وہ خالی الذہنی سے لان میں دائیں بائیں چکر لگا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اسے اپنے پہلو میں کسی دوسرے وجود کی موجودگی کا احساس ہوا تھا، اس نے بے ساختہ گردن کو خم دے کر دائیں طرف نظر دوڑائی، ایزی ڈریسنگ میں وہ شخص اس سے قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا۔

''ایسا کیا سوچ رہی ہو علیشہ، جو تمہیں میری موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا۔'' سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ رک گیا۔

''اب آپ کے گھر میں، میں اپنی مرضی سے کچھ سوچ بھی نہیں سکتی، میری سوچ بھی آپ کے دائرہ کار میں گردش کرے گی، کیا میں اپنے ہر عوامل کے لئے بھی آپ کے سامنے جوابدہ ہوں۔'' خشک لہجے میں، اس نے تفصیلاً جواب دیا، بظاہر سنجیدگی سے ادا کیے گے الفاظ دوسرے شخص کو اندر تک ہلا گیا، ایک پل میں کئی رنگ اس کے چہرے سے آ کر گزر گئے، مگر علیشہ رضوی کو اسے دیکھنے کی فرصت ہی کہاں تھی۔

''علیشہ پہلی بات تو یہ گھر تمہارا یا میرا نہیں بلکہ ہمارا ہے اور میں نے تمہیں کبھی کسی بات کے لئے پابند نہیں کیا۔'' بلا شبہ اس کے لہجے میں کسی حد تک نرمی حائل تھی مگر تیور خطرناک حد تک سنجیدہ تھے، چند لمحوں بعد خود کو نارمل کرتے ہوئے وہ مستحکم لہجے میں بولا۔

''یہ آپ کی ہمارے گھر والی تھیوری میری سمجھ سے بالاتر ہے۔'' وہ ناگواری سے سر جھٹک گئی۔

''یہ بیکار کی کوششیں چھوڑ دیں آپ.....'' وہ مزید گویا ہوئی۔

''کون سی کوششیں؟'' وہ معصومیت کی حدیں توڑتا ہوا بولا۔

''سب جانتے ہے آپ، خدا کے لئے بس کر جائیں، کیا تھک نہیں گئے آپ یہ اچھائی کا ڈھونگ رچاتے رچاتے، میرا دم گھٹتا ہے یہاں، نفرت ہے مجھے ان در و دیوار سے، نفرت ہے مجھے آپ سے، گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی میں ایک دن، وقت حالات اور آپ کی نرمی کا دکھاوا کچھ بھی ہمارے درمیان حائل خلیج کو پاٹ نہیں سکتا، اگر آپ سوچتے ہیں کہ آپ اپنے رویے کی

نمائش کر کے مجھے حاصل کر لیں گے تو یہ آپ کی بھول ہے۔'' نم آلود نگاہیں اس کے مرتعش چہرے پر جمائے وہ بلا سوچے سمجھے یہ در پے اس پر الزامات کی بوچھاڑ کر رہی تھی، اس کے اندر کہیں گہری ضرب لگی تھی۔

''یہ کیا بکواس ہے، اگر میں نے تمہیں ڈھیل دے رکھی ہے تو اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ تم اس چیز کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ، ورنہ حالات کو اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق موڑنا مجھے بہت اچھی طرح آتا ہے، میں نے کبھی غلط کسی کے بارے میں سوچا ہے نہ ہی کسی کو اجازت دیتا ہوں اپنے بارے میں غلط بات کہنے کی۔''

شدید غصے میں وہ اس کی طرف بڑھا اور بازو سے دبوچ کر ایک جھٹکے سے اپنے قریب کرتے ہوئے غرایا، وہ ذہنی طور پر پہلے ہی الجھا ہوا تھا اوپر سے علیشہ رضوی کے شعلے برساتے الفاظ اس کی سماعتوں کو جلانے لگے تھے اس کا ضبط جواب دینے لگا تھا۔

''کیا کریں گے آپ مجھے اپنا بنانے کے لئے، ماریں گے، یا روایتی مردوں والا طریقہ و رویہ اپنائیں گے، زبردستی کریں گے میرے ساتھ، اپنی مردانگی مجھ پر ظاہر کریں گے، دیر کس بات کی ہے اتار دیں یہ نیک نیتی کا نقاب، جس سے نجانے کس کس کو بے وقوف بنایا ہے آپ نے مگر پھر بھی میرے دل میں آپ کے لئے رتی برابر بھی جگہ پیدا نہیں ہوگی یاد رکھیں۔''

بازو چھڑوانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے وہ مسلسل رو رہی تھی مگر اس کی آواز میں لرزش کی ذرا سی بھی رمق نہ تھی، وہ نڈر اور بے باک شیرنی کی طرح غرا رہی تھی، وہ حق دق علیشہ رضوی کے زبان کے جوہر دیکھ رہا تھا، وہ یقین نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے دل میں اس کے متعلق

اتنا زہر بھرا ہوا تھا، اس نے بڑی بے باکی اور بے دردی سے اس کی ذات کی اچھائیوں اور صفات کے پرخچے اڑائے تھے، اس کی مردانگی کو للکارا تھا، اس کا جی چاہا تھا ایک بار بیچ میں اسے اپنی مردانگی دکھا دے تاکہ اسے پتا چل جائے کے کسی کی غیرت اور شرافت کو للکارنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، مگر نجانے وہ کیا تھا کہ وہ خود پر قابو پا گیا۔

''دفع ہو جاؤ علیشہ، جاؤ یہاں سے، جسٹ گو آوے فراہم ہیئر۔'' ایک جھٹکے سے اسے پرے دھکیل کر وہ حلق کے بل دھاڑا۔

''نہیں جاؤں گی۔'' بازو کو سہلاتے ہوئے وہ چیختے لہجے میں بولی۔

''پلیز علیشہ جاؤ، مجھے غلط رویہ اپنانے پر مجبور مت کرو۔'' مٹھیاں بھینچتے ہوئے اس نے اپنے اندر ابلتے غصے کے طوفان کو کم کرنا چاہا۔

''جو کرنا ہے کرلیں آپ۔'' وہ تن کر اس کے سامنے آگئی۔

''علیشہ لیومی آلون۔'' اس کی آنکھوں میں سرخی اتر رہی تھی، اس کی آواز میں غصے اور شیر کی سی دھاڑ نے اسے ایک لمحہ کے لئے دہلا دیا تھا، وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہوئی تھی، اس کے وجود میں اشتعال کی لہر بہت نمایاں تھی، علیشہ رضوی نے یہ خطرناک تیور پہلے کب دیکھے تھے۔

''جا رہی ہوں میں، مہربانی کر کے ہمیشہ کے لئے ہی مجھے یہاں سے نکال دیں۔'' اب اس کے لہجے میں ساری گرمی مفقود تھی، لرزتے لبوں سے گویا کوئی التجاء برآمد ہوئی تھی، اس نے بے بسی سے سر ہاتھوں پر گرا لیا اور وہ دوڑتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، بیڈ روم کا درواز لاک کر کے وہ بیڈ پر گر گئی، نارسائی، ناکامی، بدنصیبی، پچھتاوا، ذلت، اہانت، بے وفائی اور نجانے کون کون سے احساس اسے ناگ کی طرح ڈس رہے تھے، اس کے رونے میں کچھ اور شدت آئی تھی، ماضی کی کوئی نوخیز اور کوئی جاوداں دکھ میں لپٹی یادیں اس کے ذہن کے دریچے پر دستک دینے لگے تھے۔

☆☆☆

''یہ لو علیشہ، حاذم سے بات کرلو۔'' علیشہ رضوی نے جونہی کمرے کی دہلیز پار کی زرین رضوی نے اسے دیکھتے ہی موبائل تھمایا، کالج سے واپسی پر وہ بے پناہ تھکاوٹ محسوس کر رہی تھی فی الحال اس کا کسی سے بھی بات کرنے کا موڈ نہیں تھا لیکن پھر بھی اس نے فون پکڑ لیا۔

''ہیلو۔'' مدھم لہجہ تھکاوٹ کا غماز تھا۔

''السلام علیکم!'' دوسری طرف چہکتا لہجہ اس کا منتظر تھا۔

''وعلیکم السلام!'' وہی دھیمہ انداز۔

''کیا ہوا؟ بات کرنے کا موڈ نہیں ہے؟'' شوخ لہجہ ذرا سی سنجیدگی اختیار کر گیا تو وہ بے ساختہ مسکرائی۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، اصل میں میں ابھی ابھی کالج سے لوٹی ہوں تو شاید تھکی ہوئی ہوں۔'' اس نے فوراً گھبرا کر وضاحت دی۔

''سب سے پہلے مجھ سے بات کرنے کے لئے تھینکس اور بے وقت آپ کو ڈسٹرب کرنے کے لئے سوری۔'' اسے ایک لمحے میں خیال آیا۔

''پلیز ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ مت کریں۔'' علیشہ رضوی درحقیقت نادم ہونے لگی تھی۔

''اسٹیڈیز کیسی جا رہی ہیں؟'' حاذم صدیقی نے فوراً موضوع بدل دیا۔

''فنٹاسٹک بہت اچھی۔'' وارڈ روب کا پٹ کھولتے ہوئے وہ پرجوش ہوئی، زرین رضوی

ناخنوں کو فائل کرنے میں مصروف ہو چکی تھی۔

''اور ہمارے غریب خانے میں تشریف آوری کب متوقع ہے کب ہمیں اپنے دیدار کا شرف بخش رہی ہیں۔'' لہجے میں ہلکی سی بیتابی اور شرارت سموئے وہ اس سے مخاطب تھا، لیکن علیشہ رضوی کے پاس وہ حس نہ تھی جس نے یہ بیتابی محسوس کر پاتی۔

''ارے آپی کو تو پہنچے دیجئے، پھر دیکھئے کیسے آپ کے غریب خانے کو رونق بخشتے ہیں۔'' وہ شرارت سے کھلکھلائی۔

''آہ، زہے نصیب، ہم تو منتظر بیٹھے ہیں۔'' اس نے سرد آہ کھینچ کر گویا بے بسی کا اظہار کیا۔

''اتنا مایوس کیوں ہیں، امید رکھیئے ہم ضرور آئیں گے مایوسی گناہ ہے۔'' اس نے مدبرانہ انداز اپنایا۔

''امید کب حقیقت کا روپ دھارے گی؟'' اس کا لہجہ سرگوشیوں میں ڈھل گیا، علیشہ رضوی نے ٹھٹک کر موبائل کو گھورا تھا۔

''آپ کو کس کا زیادہ انتظار ہے میرا یا آپی کا؟'' وہ چہکتے لہجے میں بولی۔

''آپ کی آپی کا۔'' وہ فوراً سنبھل کر بولا تو علیشہ کے سینے میں اٹکتی پھانس نکل گئی۔

''ظاہری بات ہے آپی آئیں گی تو آپ کے آنے کے امکان زیادہ قوی اور روشن ہوں گے۔''

اگلے ہی لمحے وہ پھر ٹون بدل گیا تو علیشہ رضوی سر جھٹک کر رہ گئی دو چار ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے کال بند کر دی اور ہاتھ لینے کی غرض سے واش روم میں گھس گئی۔

☆☆☆

''حاذم کی فون کالز آج کل کچھ زیادہ ہی نہیں آنے لگیں۔'' زرین رضوی نے کہا تو نوٹ بک پر تیزی سے حرکت کرتی علیشہ رضوی کی انگلیاں تھم سی گئیں۔

''آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں آپی۔'' اس نے تصدیق کے لئے سر اٹھا کر دیکھا تو زرین رضوی کو اپنی ہی طرف متوجہ پایا۔

''ہاں تو اور میں دیواروں سے بات کر رہی ہوں۔'' وہ تنک کر بولی۔

''مجھے کیا پتہ۔'' اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

''اور ویسے بھی اگر وہ کال کر لیتے ہیں تو اس میں پرابلم کیا ہے ان کا رشتہ ہے اس گھر سے۔'' اس نے زرین رضوی کے تلخ لہجے کو محسوس تو کرلیا تھا لیکن پھر بھی سرسری انداز میں جواب دے کر دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔

''برائی اس کے فون کال سے نہیں علیشہ...... علیشہ رضوی کے ورد سے ہے جو وہ ہمیشہ جاری رکھتا ہے۔'' زرین رضوی کا انداز تیکھا تھا۔

''آپی آپ کیا کہہ رہی ہیں میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔'' وہ بہت الجھن میں نوٹ بک بند کر گئی۔

''زیادہ اداکاری دکھانے کی ضرورت نہیں سب پتہ ہے تمہیں۔'' نجانے زرین رضوی اتنی تفتیش کیوں کر رہی تھی۔

''کیا پتہ ہے مجھے؟'' وہ بھی سنجیدگی پر مائل دکھائی دی تھی۔

''مجھے لگتا ہے وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے۔'' زرین نے قیاس آرائی کی۔

''فضول خیال ہے۔'' اس نے فوراً تردیدی بیان جاری کیا۔

''تو کیوں ٹھیک اسی ٹائم پر کال کرتا ہے جب تمہاری واپسی متوقع ہوتی ہے اور بہانے

بہانے علیشہ یہ ہے، وہ ہے کہاں ہے، بس تمہارا ہی پوچھتا رہتا ہے۔" اس نے دلائل سے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہا۔

"اگر ایسی بات ہے تو میرا اپنا پرسنل سیل ہے وہ اس پر بھی پرسنلی کال کر سکتے ہیں، لیکن وہ ہمیشہ نمل آپی، گھر کے نمبر یا آپ کے نمبر کے توسط سے مجھ سے بات کرتے ہیں۔" اس نے تلخی سے اس کی بات کی نفی کی۔

"کم آن علیشہ، اس میں اتنا ٹمپر ہائی کرنے والی کون سی بات ہے۔" وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

"ویسے بندہ تو برا نہیں ہے۔" اس کے موڈ کی پرواہ کیے بغیر اس نے اپنا قیاس ظاہر کیا۔

"زرین آپی پلیز، آپ کیوں میرے اور حاذم کے رشتے کو غلط رنگ دے رہی ہیں اگر وہ فرینکلی بات کرتے ہیں تو یہ شوخی شرارت ان کے موڈ کا خاصہ ہے وہ مجھ سے بات کیے بغیر کال بند نہیں کرتے تو یہ ان کی ہمارے گھر کے ہر فرد کے لئے ریسپکٹ ہے، آپ کیوں خوامخواہ مجھے کچھ اور سمجھانے پر تلی ہیں۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔

"اور اگر میں ثابت کر دوں۔" وہ اپنے فیصلے پر مصر تھی، انداز پر یقین تھا، زرین رضوی جس بات کے پیچھے پڑ جاتی تھی اسے منوا کر ہی دم لیتی تھی اور اب تو علیشہ رضوی بھی کھٹک گئی تھی۔

"دیکھو پورے دو منٹ موصوف کی زبان پر علیشہ رضوی کا نام ہوگا۔" فون بک سے حاذم کا نمبر نکال کر پریس کرتے ہوئے وہ پراعتماد لہجے میں بولی، دوسری تیسری بیل پر کال ریسو ہوگئی۔

"ہیلو حاذم، کیسے ہو؟ میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" نظروں کے فوکس میں علیشہ رضوی کا ملیح چہرہ لاتے ہوئے وہ بولی۔

"ارے نہیں جناب، آپ نے یاد کیا ہمارے تو نصیب روشن ہو گئے۔" وہی ازلی لاپرواہ اور ہشاش بشاش لہجہ ماحول میں ارتعاش پیدا کر رہا تھا، زرین رضوی نے لاؤڈ اسپیکر آن کر لیا، جیسے جیسے وقت سرکتا جا رہا تھا علیشہ رضوی کی دھڑکن نجانے کیوں بے ترتیب ہوتی جا رہی تھیں۔

"علیشہ رضوی کدھر ہوتی ہیں آج کل۔" ٹھیک دو منٹ بعد اس کے ذکر پر جہاں زرین رضوی کا چھت پھاڑ قہقہہ برآمد ہوا تھا وہیں علیشہ رضوی حق دق رہ گئی۔

"کیا ہوا؟" دوسری طرف وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

"کچھ نہیں، علیشہ اپنے روم میں ہے کچھ کام کر رہی ہے۔" بمشکل اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو پاتے ہوئے وہ نارمل لہجے میں بولی، مگر فتح سے سرشار نگاہیں گاہے بگاہے ہونق پن طاری کیے بیٹھی علیشہ پر پڑ رہی تھیں۔

"یہ کچھ زیادہ ہی پڑھائی اور کاموں کے پیچھے نہیں پڑی رہتی اسے کہیں کبھی ان چیزوں سے فراغت پا کر آس پاس کے لوگوں کو بھی گفتگو یا ملاقات کا شرف بخش دیا کریں۔" نجانے زرین رضوی کی باتوں کا اثر تھا یا واقعی حاذم صدیقی کے لہجے میں کچھ خاص رنگ نمایاں تھے جو علیشہ رضوی کو وہاں رکنا محال لگ رہا تھا۔

"تم نے مجھے قاصد سمجھا ہے اپنے پیغامات خود ہی پہنچاؤ۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

"نہیں نہیں جناب آپ کی پرسنالٹی کے شایان شان یہ کام نہیں۔" وہ فوراً لجاجت سے بولا تو زرین رضوی بے ساختہ کھلکھلائی۔

"یہ لو خود ہی اس سے بات کر لو، علیشہ آ ہی گئی ہے۔" زرین رضوی نے فوراً اسے گھسیٹا تو

علیشہ رضوی ٹپٹا کر رہ گئی جو کسی بھی لمحے بھاگنے کو بالکل تیار بیٹھی تھی، مگر اس کا ہاتھ زرین رضوی نے مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا۔

"السلام علیکم!" زرین کے آنکھیں دکھانے پر علیشہ نے زبان کھولی۔

"وعلیکم السلام! آخر خبر ہو گئی آپ کو کہ میں آن لائن ہوں۔" شکایت بھی خوب کر رہا تھا وہ، علیشہ رضوی خوامخواہ چڑ گئی۔

"خوش فہمی کا بخار چڑھ گیا ہے آپ کو، علاج کروائیں۔" وہ فوراً تنک کر بولی ساتھ ہی مشورہ بھی دیا۔

"آپ ہی نے چڑھایا ہے آپ ہی علاج کر دیں۔" دوسری طرف سے فوراً جواب موصول ہوا تو وہ بلاوجہ ہی گھبرانے لگی۔

"اچھا بتائیں اتنے دنوں کی غیر حاضری کی وجہ کیا تھی۔" اس کی خاموشی محسوس کر کے حاذم صدیقی نے بھی شرافت کا لبادہ اوڑھ لیا اور سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"بس ایگزامز کا سیزن چل رہا تھا تو اسی میں بزی تھی۔" وہ آہستگی سے اپنی صفائی میں بولی۔

"اچھا کیسے رہے ایگزامز؟" وہ فوراً دوستانہ انداز میں بولا۔

"ایکدم فرسٹ کلاس، بہت اچھے۔" وہ چہکی۔

"اچھا میں نے بات نہیں کی تو آپ نے کون سا زحمت گوارا کی کہ خود آ کر خیریت معلوم کر لوں۔" زرین کے کہنے پر علیشہ رضوی نے جوابی حملہ کیا۔

"اف ایسے اپنائیت بھرے انداز میں بات کر کے ہماری جان تو مت لیں۔" وہ بھی اپنے کام کا ایک ہی تھا مجال ہے جو کسی کے زیر ہو جائے وہ خجل سی ہوگئی۔

"میں نے ڈائیلاگ بازی کے لئے نہیں کہا۔" انداز صاف چڑانے والا تھا۔

"اچھا پھر کیا کہا ہے؟" وہ بھی غیر سنجیدہ تھا، علیشہ رضوی بات کر کے پچھتائی، چند لمحوں کے لئے وہ بالکل خاموش ہوگئی۔

"آپ حکم کریں جناب، ہم صبح ہی حاضر ہو جائیں۔" اس کی خاموشی پر وہ فوراً سنجیدہ ہوا تھا۔

"نرے دعوے ہیں آپ کے پاس، کرتے کراتے تو کچھ ہیں نہیں۔" زرین کے کہنے پر علیشہ رضوی نے بات بڑھائی۔

"کیا میں اسے دعوت سمجھوں؟" اس کے مدھم لہجے میں نجانے کتنے جذبے عیاں تھے، علیشہ رضوی پر انجانے جذبوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی اور وہ اندر تک ٹھنڈی پڑتی جا رہی تھی، وہ انہی لمحوں سے بھاگتی تھی، وہ کسی ایسے تعلق کی خواہاں نہیں تھی جو اس کی دھڑکنیں بے ربط کر دے، اس کی سوچ منتشر کر دے اور وقت سے پہلے کسک اس کا مقدر بنا دے، اس کی پلکیں نجانے کس بوجھ تلے جھکی جا رہی تھیں اور آواز نے حلق میں ہی دم توڑ دیا تھا۔

"سمجھ لیں۔" زرین نے اسے جھنجھوڑ کر مثبت جواب دینے پر آمادہ کیا۔

"اوکے جناب صبح حاذم صدیقی آپ کے پاس ہوگا میرا انتظار شروع کر دیجئے۔"

انتظار کی ڈور سے اسے باندھتا وہ اللہ حافظ کہہ گیا، علیشہ رضوی کی ذات کے گرد پہرہ لگائے کھڑی دیواریں بڑی تیزی سے زمین بوس ہوئی تھیں اور کوئی بلا اجازت دل کا شہر آباد کرنے کو بے تاب تھا، نجانے اس شخص کے لہجے میں کیسا زعم تھا یا استحقاق کہ انکار کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی۔

''اب کیا کہتی ہو؟'' اس کی سوالیہ فتح کی خوشی سے چمکتی نگاہیں علیشہ رضوی پر مرکوز تھیں۔

''ہوں...... ہاں...... مجھے کچھ نہیں پتہ۔''

اس نے ٹھٹک کر زرین رضوی کو دیکھا اور بے اختیار بڑھتے دل کے شور پر قابو پاتی خالی خالی لہجے میں بولی اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے کی طرف بڑھ گئی جو اس کا اور نمل رضوی کا مشترکہ کمرہ تھا، زرین رضوی کی ذو معنی نگاہوں نے تا دیر علیشہ رضوی کا تعاقب کیا تھا۔

اس شخص کے منہ زور جذبات کے ریلے میں اس کا ہر عہد بہہ گیا، شاید وہ عمر کے اس نوخیز حصے میں تھی جب دل پر دستک دینے والے کے لئے پہلی دستک پر دروازہ کھول دیا جاتا ہے یا وہ شخص تھا ہی اس قابل کہ علیشہ رضوی نے بھی انکار مناسب نہ سمجھا یا شاید زرین رضوی کی باتوں کا اثر تھا کہ وہ وہی دیکھ رہی تھی جو زرین رضوی اسے دکھا رہی تھی، جو بھی تھا اٹھارہ برس کی یہ الہڑ سی لڑکی محبت کرنے لگی تھی کہ ابھی تو اسے محبت کے معانی بھی معلوم نہ تھے، اس کے وجود میں محبت کی تردید اور قبولیت کا طوفان اٹھا ہوا تھا ایک بے کلی مسلسل اس کے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھی جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

☆☆☆

''صائم صاحب سر آئے ہیں اور مجھے پتہ بھی نہیں۔'' خوشی و حیرت کے ملے جلے تاثرات میں نمل رضوی نے استفسار کیا۔

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی صائم مرتضٰی کو دیکھ کر نمل رضوی کو حیرت کا خوشگوار جھٹکا لگا، اسے دیکھتے ہی صائم مرتضٰی نے خیر مقدمی مسکراہٹ سے نوازا، بلیک اینڈ اسکن کمبی نیشن کے ٹو پیس میں صائم مرتضٰی کی جاذب شخصیت مزید نکھر گئی تھی، گھنے سیاہ بال سلیقے سے پیشانی کے وسط میں سجے تھے، چہرے کے تاثرات میں نرمی کے ساتھ ساتھ چھلکتے بارعب اور سنجیدہ پن نے اس کی پرسنالٹی کو مزید جادوئی اور پرکشش بنا دیا تھا۔

''کیسی ہو نمل؟'' عنابی لبوں نے اس کا نام لے کر اس کی دلکشی کو ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔

''آپ کے سامنے ہوں الحمدللہ، بالکل ٹھیک ٹھاک۔'' وہ فریش انداز میں بولی۔

''آپ آج یہاں کا راستہ کیسے بھول گئے؟'' وہ بہت کم رضوی پیلیس آتا تھا لہٰذا نمل رضوی خفیف سی چوٹ کر گئی، البتہ لہجے میں احترام کا عنصر بہت نمایاں تھا۔

''بری بات نمل، آپ کو معلوم ہے نا صائم بیٹے کتنے مصروف رہتے ہیں، پھر بھی وہ وقت نکال کر آپ کی شادی کی تیاریوں میں حتی الامکان مدد کر رہے ہیں۔'' ان کی گفتگو پر مسلسل مسکراتے ذیشان رضوی نے ہولے سے نمل رضوی کو سرزنش کی۔

''جانے دیں چاچو، نمل مجھ سے شکوہ کرے مجھے اچھا لگتا ہے یہ ہم بہن بھائیوں کا مسئلہ ہے ہم پر چھوڑ دیں۔'' اسے خفت زدہ دیکھ کر صائم صدیقی نے فوراً نمل رضوی کا دفاع کیا تو بے ساختہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر دوڑ گئی۔

''اور سر بتائیں ایسی کیا مصروفیات کہ آپ ہمیں بھی بھول گئے۔'' انداز ہلکا پھلکا تھا۔

''آپ کو کیسے بھول سکتا ہوں نمل بس کچھ بزنس کی مصروفیت، کچھ اسٹڈیز کی تو ٹائم بہت شارٹ لگتا ہے۔'' اس نے رسانیت سے جواب دیا۔

''مصروفیت کو زندگی بنا لیں تو کبھی اپنوں کے لئے وقت نہیں بچتا، ہمیشہ شارٹ رہتا ہے، وقت نکالنا پڑتا ہے۔'' انداز ناصحانہ تھا جواباً وہ کھل کر مسکرایا تھا۔

''بس اب تمہاری شادی کے چکر میں تو آنا جانا لگا ہی رہے گا۔'' وہ شگفتگی سے کہتا اس کی زبان بند کر گیا۔

''آپ بیٹھیں سر میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔'' وہ بری طرح گڑبڑائی اور تا دیر اس کے فرار پر مسکراتا رہا تھا۔

''اچھا چاچو، میں چلتا ہوں۔'' نمل رضوی کے نکلتے ہی اسے نے اجازت طلب کی۔

''دیکھو یار کبھی کبھی تو آتے ہو اور فوراً جانے کی رٹ لگا لیتے ہو۔'' ذیشان رضوی، صائم مرتضٰی کی مصروفیت بھلے بخوبی آگاہ تھے مگر آج شاید انہیں بھی صائم مرتضٰی کا ساتھ اچھا لگ رہا تھا۔

''آپ کو تو پتہ ہے چاچو، کوئی دن فارغ ہو اور میں گھر نہ جاؤں تو امی تو خوب ہی درگت بناتی ہیں میری۔'' ان کے اصرار پر دوبارہ احتراماً نشست سنبھالتے ہوئے وہ گویا ہوا۔

''ہاں بھابھی گن گن کر تو دن گزارتی ہیں، انہیں کس قدر تم سے پیار ہے ہمیں بخوبی علم ہے۔'' ذیشان رضوی نے بھی اس کی بات سے اتفاق کیا۔

''اب ناشتہ بن رہا ہے صائم بیٹے ناشتہ کر کے ہی جانا میں نے نمل سے کہا ہے ذرا جلدی تیار کرے۔'' سارا رضوی نے محبت بھرے انداز میں جیسے حکم دیا۔

''پھر بھی چچی جان، آپ اتنا تکلف کیوں کرتی ہیں، ناشتے کی کوئی ضرورت ہیں۔'' اس نے بہت خوبصورت انداز میں انکار کرنا چاہا۔

''صائم ہم تمہیں کوئی غیر دکھائی دیتے ہیں اس میں تکلف کی کیا بات ہے۔''

''چچی جان آپ کچھ کہیں اور میں انکار کر دوں بھلا ایسا ممکن ہے۔'' وہ فوراً ہی فرمانبرداری کے ریکارڈ توڑنے لگا، تو ذیشان رضوی کا قہقہہ بے ساختہ ہی تھا، صائم مرتضٰی جانتا تھا کہ سارا رضوی اس سے بہت پیار کرتی تھیں اور اب یہ ممکن تھا کہ وہ اسے یہاں سے ہلنے دیتیں، ان کے پرخلوص انداز کے سامنے یونہی ہار جایا کرتا تھا۔

''جیتے رہو اور بھائی صاحب اور بھابھی کیسے ہیں؟'' اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے وہ حلاوت آمیز لہجے میں بولیں۔

''اللہ کا شکر ہے چچی جان۔'' وہ مؤدب سا بولا اور پھر سارا رضوی گھر کے بارے میں تفصیلی بات کرنے لگیں۔

''زرین اور علیشہ کدھر ہیں؟'' ڈائننگ ٹیبل پر پہنچتے ہی ذیشان رضوی نے ان کی بابت دریافت کیا۔

''میں ادھر ہوں پاپا اور علیشہ سو رہی ہے۔'' کالج کے لئے بالکل تیار کھڑی زرین نے نجانے کہاں سے سر نکال کر جواب دیا۔

آف وائٹ ٹراؤزر پر براؤن لانگ شرٹ پہنے، دوپٹے کو سلیقے سے کندھوں پر سجائے نیچرل میک اپ اور نفیس سے ائیر رنگ پہنے وہ دلکشی کی ہر حد پار کر رہی تھی۔

''تم آج بھی کالج جا رہی ہو، تمہاری بہن کو مایوں بیٹھانے والے ہیں اور تمہارے کالج کے چکر ہی ختم نہیں ہو رہے۔'' صائم مرتضٰی نے اسے چھیڑا۔

''بس سر میں چھٹیاں لینے ہی والی ہوں۔'' چڑنے کی بجائے وہ سچ مچ اس کی بات مان گئی۔

''ناشتہ اسٹارٹ کریں نا۔'' اسے باتوں میں مشغول پا کر نمل نے ٹوکا تو وہ فلاسک سے چائے نکالنے لگا۔

''علیشہ کو بھی بلا لیں وہ بھی ہمارے ساتھ ہی ناشتہ کرے۔'' ذیشان رضوی نے کہا تو صائم

مرتضٰی کی نگاہیں بے ساختہ ہی اس کی تلاش میں اٹھی تھیں، رشتہ دار ہونے اور کئی بار اس گھر میں آنے جانے کے باوجود کافی عرصے سے اس نے علیشہ رضوی کو نہیں دیکھا تھا۔

''سونے دیں اسے، ایگزامز کے بعد کیسے فراغت سے سوتی ہے پتہ ہے نا آپ کو۔'' سارا رضوی نے اس کی عادت سے ذیشان رضوی کو آگاہ کیا تو اپنی محنتی اور ذہین بیٹی کی عادت سن کر وہ بے ساختہ ہی مسکرا دیئے۔

''اب تو اجازت ہے نا چچی جان۔'' ناشتہ کر کے صائم مرتضٰی نے بڑے شریر سے انداز میں کہا تو تمام جملہ افراد ہنس دیئے۔

''ہاں بیٹا خدا تمہیں ہمیشہ خوش اور آباد رکھے۔'' ان کے دل سے فوراً ہی اس ہونہار اور مودب انسان کے لئے دعائیں نکلنے لگیں، فرداً فرداً سب سے سلام دعا کے بعد وہ پورچ میں آیا تھا جب زرین بھاگتی ہوئی اس کے پیچھے آئی تھی۔

''سر مجھے کالج ڈراپ کر دیں گے؟ میری گاڑی میری فرینڈ کے پاس ہے۔'' پھولی سانسوں سمیت اس نے عذر تراشا۔

''یس شیور۔'' ایک نظر اس کے دودھیا اور صبیح چہرے پر دوڑاتا وہ خوشدلی سے بولا تو وہ جلدی سے فرنٹ ڈور کھول کر سیٹ پر براجمان ہو گئی۔

☆☆☆

ذیشان رضوی کی تین بیٹیاں تھیں، سب سے بڑی نمل رضوی، جو ایم اے اکنامکس کے بعد فارغ تھیں ان سے دو برس چھوٹی زرین رضوی ایم ایس سی انجینئرنگ کے بعد حال ہی میں مقامی کالج میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر اپنے فرائض سرانجام دے رہی تھیں، اس سے چھ برس چھوٹی علیشہ رضوی تھی جو ایف ایس سی کے فائنل ائیر میں تھی۔

نمل رضوی کی شادی ذیشان رضوی نے اپنے بچپن کے دوست درک صدیقی کے بڑے بیٹے دریاب صدیقی سے طے کی تھی جو اپنا ذا[تی] بزنس چلا رہے تھے، ان سے چھوٹا حازم صدیقی تھا جو تعلیم مکمل کر لینے کے باوجود زندگی کے بارے میں سنجیدہ نہ تھا، نمل رضوی کی شادی علیشہ رضوی کے فائنل امتحانات کے بعد ہونا قرار پائی تھی اب چونکہ وہ فارغ تھی لہٰذا شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

دریاب ایک خوش شکل اور ملنسار انسان تھا ذیشان رضوی بیٹی کے مستقبل کے بارے میں قدرے مطمئن تھے۔

صائم مرتضٰی، ذیشان رضوی کے چچا زاد بھائی، مرتضٰی علی کے سپوت تھے، بنیادی طور پر گاؤں سے تعلق رکھتے تھے مگر گزشتہ دس برس سے صائم مرتضٰی تعلیم کی غرض سے شہر میں ہی مقیم تھے اب وہ پی ایچ ڈی کر رہے تھے اور ساتھ ہی ایک میڈیسن فرم بھی چلا رہے تھے، وہ پی ایچ ڈی انگلینڈ سے کرنا چاہتے تھے مگر نسیمہ صدیقی مرتضٰی کی آنکھوں کی ٹھنڈک صائم مرتضٰی تھے لہٰذا ان کے منع کرنے پر وہ اپنے ارادے کو عملی شکل نہیں پہنا سکے۔

دو بیٹیوں کی پیدائش کے بعد بہت منتوں اور مرادوں کے بعد انہیں صائم مرتضٰی ملے تھے۔

صائم مرتضٰی بہت فرمانبردار حساس اور ذمہ دار بیٹے واقع ہوئے تھے، سارا رضوی کو ان سے دلی پیار تھا وہ بیٹے کی کمی صائم مرتضٰی کی ناز برداریاں اٹھا کر پوری کرتی تھیں، ان کی بے پناہ چاہت کی وہ بہت قدر کرتے تھے مگر ان کے پیار کے چکر میں کیے جانے والے نت نئے تکلفات سے وہ اکثر گھبرا اٹھتے تھے، یہی وجہ تھی ان کا آنا جانا کچھ محدود تھا دوسری وجہ ان کی حد سے زیادہ مصروف زندگی تھی ایک طرف تعلیم کا سلسلہ تھا تو دوسری طرف تیزی سے پھیلتے بزنس کی ذمہ داریاں بس وہ انہی کاموں میں الجھے رہتے تھے۔

بی اے میں جب نمل رضوی کو انگلش کے ٹیوٹر کی ضرورت پڑی تو صائم مرتضٰی نے اپنی خدمات فراہم کیں، تب علیشہ رضوی چھٹی جماعت کی طالبہ تھی اور زرین رضوی ایف ایس سی انجینئرنگ کے فائنل ائیر میں تھی، نمل کی دیکھا دیکھی زرین اور علیشہ نے بھی صائم مرتضٰی کو سر ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔

نمل اور زرین تو صائم مرتضٰی سے کافی فرینک تھیں مگر علیشہ رضوی کبھی صائم مرتضٰی سے اتنا کھل مل نہیں پائی تھی، لہٰذا وہ ابھی بھی جیسے ایک دوسرے سے غیر شناسا سے تھے۔

☆☆☆

''کسی کو دعوت دے کر ایسا سلوک نہیں کرتے۔'' حازم صدیقی کا پرسکون اور سنجیدہ لہجہ علیشہ رضوی کو ندامت کی گہری کھائی میں دھکیل گیا۔

''آئم سوری، میرے بالکل ذہن میں نہیں رہا۔'' نظریں جھکائے ہوئے اس نے صفائی دینے کی کوشش کی۔

''آپ کے نزدیک میں یاد رکھنے یا بھول جانے کے زمرے میں آنے والی ایک غیر اہم شخصیت ہوں بلکہ چیز کہنا بے جا نہ ہوگا یعنی آپ ہمیں اتنا غیر اہم گردانتی ہیں۔'' اس کے جواب نے حازم صدیقی کو مزید چراغ پا کیا تھا۔

''آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں۔'' اس کی بلا کی سنجیدگی پر وہ بے طرح گھبرا اٹھی۔

''میں نے نہیں سوچا، آپ کے جواب اور رویے کی تشریح کی ہے میں نے۔'' اب وہ ذرا نرم پڑا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ منمنی سی آواز میں بولی۔

''تو کیسی بات ہے؟'' وہ پوری طرح اس کی طرف گھوم گیا اور علیشہ رضوی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''مجھے لگا تھا آپ نہیں آئیں گے۔'' وہ منمنائی۔

''آپ کو لگتا ہے آپ مجھے بلائیں گی اور میں نہیں آؤں گا۔'' وہ چپ رہی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ سوال نہیں تھا، دو انسان اک آن کہے اور ان جانے رشتے کی ڈور سے بندھ گئے، ان کے درمیان ہونے والی گفتگو میں اتنا استحقاق تھا کہ اسے لفظوں کے اظہار کی ضرورت نہ تھی، حازم صدیقی کو اس کی سوچ پر تاسف ہوا تھا۔

وہ چاہ کر بھی کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی، پس پلکیں جھپک جھپک کر آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کر رہی تھی اور لرزتی پلکوں کی چادر تلے چمکنے والے سفید موتیوں سے وہ بخوبی آگاہ تھا، اس کے دل کو اچانک کچھ ہوا تھا، اپنے سخت رویے کا اک پل میں افسوس ہوا تھا۔

اس کی نظروں میں چاہت کا سمندر خود بخود موجزن ہو گیا تھا، ایک بار اگر نگاہ اٹھا کر دیکھ لیتی تو ہر راز سے پردہ اٹھ جاتا۔

''کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں تم دونوں کے بیچ۔'' علیشہ رضوی اور حازم صدیقی کو کچھ فاصلے پر محو گفتگو دیکھ کر وہ بھی وہیں چلی آئی تو حازم صدیقی فوراً سنبھلا تھا۔

''کچھ خاص نہیں آپ کی بہن کو مہمان نوازی کے اصول سکھا رہا تھا۔'' وہ چوٹ کرنے سے باز نہیں آیا تھا، علیشہ رضوی نے تڑپ کر

اسے دیکھا، اس کی اتنی سی غلطی وہ معاف نہیں کر رہا تھا، خود کو نارمل پوز کرنے کی کوشش میں وہ ہلکان ہو رہی تھی وہ فوراً ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

''میں مذاق کر رہا تھا۔'' حاذم رضوی نے یقیناً اسے ہی کہا تھا مگر وہ ان سنی کر گئی۔

''آپ کو کیا لگتا ہے مجھے بھی مہمان نوازی کے اصول سیکھنے چاہئیں۔'' کیوٹکس سے سجے ناخنوں کا از سر نو جائزہ لیتے ہوئے زرین رضوی نے تیکھے پن سے کہا۔

''اوں ہوں، جناب جب سے آئے ہیں آپ ہی نے تو سنبھال رکھا ہے۔'' حقیقتاً وہ جب سے آیا تھا زرین رضوی نے اسے بور نہیں ہونے دیا تھا اسے بھرپور کمپنی دی تھی حاذم صدیقی اپنی ترنگ میں بول گیا مگر زرین رضوی ٹھٹک گئی۔

حاذم صدیقی، علیشہ رضوی کے کہنے پر فوراً ہی آ دھمکا تھا، وہ ثمل رضوی کا مایوں کا سامان مع جیولری اور سوٹ لے کر آیا تھا، وہ علیشہ اور زرین رضوی کے لئے بھی بہت خوبصورت جوڑے لائے تھے، بقول حاذم صدیقی کے یہ مما نے اپنی خوشی سے بھیجے ہیں، لیکن اس کے آنے سے قبل ہی ثمل نے علیشہ رضوی کو زبردستی شاپنگ کے لئے اپنے ساتھ گھسیٹ لیا، اس پر مستزاد کہ پارلر، ٹریٹمنٹ کے لئے بھی چلی گئیں یوں ان کی واپسی شام ڈھلے ہوئے ہوئی اور حاذم صدیقی محض زرین رضوی کے رحم و کرم پر تھا۔

علیشہ رضوی کی بے پروائی پر اسے جی بھر کر غصہ آیا تھا جس کا اظہار وہ دبے دبے الفاظ میں کر گیا تھا مگر پھر اس کے جانے کے بعد اس کو افسوس ہو رہا تھا ایک دم ہر چیز سے دل اچاٹ ہو گیا۔

''اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' سارا رضوی کا اشارہ علیشہ اور زرین رضوی کے قیمتی ملبوسات کی طرف تھا۔

''اس میں تکلف کی کیا بات ہے آنٹی! مما کو اچھا لگا تو انہوں نے اپنی ایک بیٹی کے ساتھ ساتھ باقی بیٹیوں کو بھی بھیج دیا۔'' وہ مسکراتے ہوئے وضاحت دینے لگا۔

''آپی آپ بتائیں، آپ کو یہ سب پسند آیا ہے یا نہیں۔'' وہ ثمل کے پاس بیٹھ گیا جو سی گرین سوٹ میں شرمائے شرمائے سے روپ میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

''سب کچھ بہت اچھا ہے۔''

''دل مت رکھیں میرا، فارمیلٹی نہیں چلے گی، ایک ایک چیز کی پیکنگ کھول کر دیکھیں اور پھر اپنے ہونہار دیور کو داد دیں۔'' جوں کی توں پیکنگ دیکھ کر اس نے مصنوعی خفگی سے کہا تو ثمل ایک ایک کر کے پیکنگ کھولنے لگی۔

''بس اب خوش۔'' ثمل دھیرے سے مسکرائی۔

''نہیں تعریف تو رہتی ہے۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''بہت اچھے ہے۔'' ثمل نے مسکراتے ہوئے تعریف کی، اس کی پرستائش نظریں اپنے مایوں کے خوبصورت جوڑے پر جمی تھیں ہر شے واقعی لاجواب تھی۔

''آخر چوائس کس کی ہے، حاذم صدیقی کچھ خریدے اور دوسرے انسان کو وہ پسند نہ آئے ایسا ممکن ہی نہیں۔'' اس نے مصنوعی کروفر سے گردن اکڑائی تو تمام جملہ افراد کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''اوکے آنٹی، میں چلتا ہوں۔'' پھر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''ابھی اتنی جلدی۔'' ثمل نے حیرت سے

استفسار کیا۔

''آپ ابھی آئی ہیں نا اس وجہ سے آپ کو جلدی لگ رہا ہے میں تو کب سے آیا ہوں، کیوں جی، بتائیں نا۔'' اس نے زرین رضوی سے گواہی مانگی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں تو تمہیں ٹھیک سے ٹائم بھی نہیں دے پائی۔'' ثمل کو افسوس ہوا۔

''فکر مت کریں آپی، آگے کا آپ کا پورا ٹائم ہمارا ہی ہے۔'' حاذم صدیقی نے اپنے رشتے کا حق جتایا تو وہ دونوں مسکرا دیئے۔

''اوکے آپی پھر اجازت دیں۔'' اس دشمن جاں کی تلاش میں نگاہیں دوڑاتے ہوئے اس نے کہا، اسے تو وہ خود ہی کافی زچ کر چکا تھا مگر علیشہ رضوی نے بھی تو اسے پورا دن انتظار کی سولی پر لٹکائے رکھا تھا، وہ اپنے درعمل پر درست تھا، آخری بار دیکھ لینے کی خواہش بھی پوری ہوتی دکھائی نہ دے رہی تھی۔

''کہیں نہیں جانا تم نے، کھانا تیار ہے کھا کر جانا۔'' سارا رضوی کا انداز تحکم بھرا تھا۔

''ثمل تم کھانا لگاؤ، سب کچھ تیار ہے اور علیشہ سے کہو کہ یہ سامان سمیٹے۔'' پھر وہ ثمل سے مخاطب ہوئیں اور علیشہ رضوی کا نام سنتے ہی اس کے ارادے بدلنے لگے تھے۔

''علیشہ یہ سامان سمیٹو۔'' سارا رضوی کے بلاوے پر جب وہ لاؤنج میں آئی تو انہوں نے حکم صادر کیا۔

''جی مما!'' مختصراً کہتی وہ دو زانوں ہو کر کارپٹ پر بکھری چیزیں اٹھانے لگی، ثمل اور سارا رضوی کچن میں تھیں، زرین اپنے کمرے میں چینج کرنے گئی تھی، اس کی سرخ آنکھیں اور گلابی چہرہ دیکھ کر وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ یقیناً پورا ٹائم روتی رہی ہے۔

''میں بھی ہیلپ کروا دوں۔'' وہ اس کے قریب ہی فلور کشن پر ٹک گیا اور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگا، کمر تک آتے بالوں کو پونی ٹیل کی شکل میں بنائی گئی تھی مگر چند ایک شریر لٹوں نے قید میں جانے سے انکار کر دیا تھا اور آوارہ چہرے کے اطراف میں جھول رہی تھیں رونے کی وجہ سے پورا چہرہ گلابی رنگ کی چھاپ کے زیر اثر تھا فیروزی رنگ کا سوٹ جس پر سلور موتیوں کا کام ہوا تھا اس کے سراپے پر خوب جچ رہا تھا اس کا پورا وجود گویا چاندنی میں نہایا تھا، بڑا سا ہمرنگ دوپٹہ کندھے کی زینت بنا تھا۔

''نہیں میں کر لوں گی۔'' اس کی گہری نگاہوں سے پزل ہو کر وہ جلدی سے بولی۔

''ویسے تم نظر اٹھا کر دیکھ سکتی ہو، میں بھی کافی اچھا لگ رہا ہوں۔'' وہ معصومیت لہجے میں سمو کر بولا، انداز میں شوخی کی جھلک بہت نمایاں تھی۔

''مجھے نہیں دیکھنا۔'' وہ چڑ کر بولی تو وہ بے ساختہ زیر لب مسکرایا۔

''نہیں دیکھو گی تو پتہ کیسے چلے گا کہ ان آنکھوں میں کیا ہے۔'' وہ بے باکی کے تمام ریکارڈ توڑنے پر تلا بیٹھا تھا اور علیشہ رضوی کے رخسار دیک کر انگارہ ہو رہے تھے، جواباً وہ لب کاٹنے لگی تھی۔

''ایسی بھی کیا ناراضگی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے وہ حساب ہے تمہارا، سارا دن انتظار بھی خود کروایا اور اب خفگی کا میڈل بھی اپنے گلے میں ڈالا ہے۔'' وہ مصنوعی ناراضگی سے بولا۔

''ایسی ہی بات ہے تو ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں۔'' وہ مزید گویا ہوا۔

''رکیں تو میں، میں کب ناراض ہوں۔'' وہ گھبرا کر اپنی صفائی میں بولی۔

''میں اتنی دور سے تمہارے لئے آیا ہوں اور تم ہو کہ دور بھاگ رہی ہو۔'' وہ بدستور منہ پھلائے تھا، یہ شاید پہلا اقرار تھا جو اس کے لبوں نے کیا تھا، علیشہ رضوی کو خوامخواہ رونا آنے لگا، تو حاذم صدیقی نے ایک ہی جست میں اس کا آنکھوں کی طرف بڑھتا ہاتھ تھام لیا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔'' وہ رونا دھونا بھول گئی، اس کے وجود میں جیسے برقی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔

''چھوڑیں میرا ہاتھ۔'' اسے مسکراتا دیکھ کر اس کی جان ہوا ہوا ہی تھی۔

''اگر میں نہ چھوڑوں تو......؟'' اسے روہانسی پا کر حاذم صدیقی نے مزید ڈرایا۔

''پلیز بھی چھوڑ دیں۔'' علیشہ رضوی کا لہجہ التجائیہ ہو گیا، ساتھ ساتھ ہاتھ چھڑوانے کی کوشش بھی جاری تھی۔

''پہلے ایک وعدہ کرو۔'' گرفت ذرا مضبوط کی تھی۔

''کیسا وعدہ؟'' علیشہ رضوی ٹھٹکی۔

''اوں ہوں، ایسے نہیں، پہلے وعدہ کرو۔''

''اوکے کرتی ہوں وعدہ۔'' انداز جان چھڑانے والا تھا۔

''آئندہ رونا مت اور ہاں مجھ سے کبھی ناراض مت ہونا۔'' گمبھیرتا سے ادا کیا یہ جملہ اس کے وجود کو جلانے لگا تھا، حاذم صدیقی کی پرشوق نگاہیں علیشہ رضوی کے صبیح چہرے پر ٹک گئی تھیں علیشہ رضوی کو وہاں بیٹھنا محال لگ رہا تھا۔

''حاذم کھانا ریڈی ہے بیٹا، چلیں کھا لیں اور علیشہ تم ابھی ایسے ہی بیٹھی ہو چلو تم بھی پہلے کھانا کھا لو بعد میں یہ پھیلاوا سمیٹ لینا۔'' سارا رضوی نے حاذم صدیقی کے ساتھ ساتھ علیشہ کو بھی حکم صادر کیا، تو وہ فرمانبرداری سے سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''سارا دن تو مصروفیت کی نذر ہو گیا اب کھانا تو ساتھ کھا ہی سکتے ہیں۔'' اس کے کان میں حاذم صدیقی نے ایک نرم گرم سی خواہش انڈیلی تو جواباً وہ مسکراتے ہوئے نمل رضوی کے پہلو میں ٹک گئی، حاذم صدیقی جی بھر کر بدمزہ ہوا مگر وہ بڑے مزے سے اسے چڑاتی رہی، ڈھیر ساری یادوں اور موج مستی کے بعد وہ رخصت ہو گیا مگر علیشہ رضوی کے اندر تو جیسے بہار کا موسم ٹھہر گیا تھا۔

☆☆☆

میرون لہنگے میں نمل رضوی کا دو آتشہ حسن خوب گہنا رہا تھا اس کے پہلو میں آف وائٹ اور فیروزی فینسی شیروانی زیب تن کیے براجمان دریاب صدیقی بھی کچھ کم نہیں لگ رہا تھا، ہنستے مسکراتے چہرے رضوی پیلس میں قہقہے بکھیرتے گویا خوشیاں برسا رہے تھے، پورا رضوی پیلس چاندنی اور رنگ و بو میں نہلایا آنکھیں خیرہ کر رہا تھا۔

براؤن فراک جس پر گولڈن کام ہوا تھا زیب تن کیے اپنی تمام حشر سامانیوں سمیت علیشہ رضوی بھی جلوہ افروز تھی، لپ اسٹک سے سجے یاقوت ہونٹ انار کے دانوں کی طرح جگمگا رہے تھے، کٹورا آنکھوں میں سیاہ کاجل کی سیاہی نے گویا قیامت برپا کر دی تھی، شہد رنگ آنکھیں کرسٹل کے موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں، لمبے بال کمر تک لہرا رہے تھے، جو بھی دیکھتا ایک بار ٹھٹک کر رک جاتا، آج وہ بہت دل سے تیار ہوئی تھی اور ہر نظر نے اس کی تیاری کو سراہا تھا اس کے معصوم و دلکش حسن کی جی بھر کر تعریف کی تھی، اس کا دل نجانے کیوں دھڑک دھڑک کر بے حال ہو رہا تھا۔

وہ جہاں بھی چھپ جاتی حاذم صدیقی کی نگاہیں اس کا تعاقب کرتی محسوس ہو رہی تھیں، اس کی مسکراتی نگاہوں کے پیغام موصول کرتے ہوئے نجانے کیوں اس کا دل گھبرا رہا تھا، زرین رضوی نے اسے اپنے ساتھ باندھ رکھا تھا، وہ اسے تمام مہمانوں سے ملوا رہی تھی، رائل بیلو شلوار سوٹ میں لمبے ڈھلکتے دوپٹے اور شولڈر کٹ بالوں کو شانوں پر پھیلائے وہ بہت خوبصورت اور باوقار لگ رہی تھی۔

''شادی آپ کی ہو رہی ہے جو آپ اتنا سج دھج کر پھر رہی ہیں۔'' اس کی تیاری پر سرسری سی نظر دوڑا کر وہ اسے چھیڑنے کی خاطر بولا، اس سے چھپتی چھپاتی وہ لان کے آخری سرے پر چیئر ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئی تھی مگر حاذم صدیقی نے آن ہی لیا۔

''کیوں آپ جیلس ہو رہے ہیں۔'' وہ اس سے ایسے جملے کی توقع نہیں کر رہی تھی لہٰذا فوراً چمک کر بولی۔

''آپ کو پتہ ہے غصے میں خوبصورت لوگ اور بھی خوبصورت لگتے ہیں۔'' اس نے علیشہ رضوی کے مصنوعی غصے پر اوس گرائی تو وہ ٹپٹا کر مسکرا دی۔

''آپ تو یوں مسکرا رہی ہیں جیسے میں آپ کے بارے میں بات کر رہا ہوں، میں تو خوبصورت لوگوں کی بات کر رہا ہوں۔'' اگلے ہی لمحے وہ پھر اسے تپا گیا۔

''تو یہاں کیوں فریز ہو گئے ہو پھر، جا کر خوبصورت لوگوں کی محفل کو رونق بخشیے نا۔'' وہ خوامخواہ روہانسی ہو گئی اسے واقعی اپنا وجود کچھ زیادہ ہی اوور محسوس ہو رہا تھا۔

''بات تو پوری سن لیں میرے کہنے کا مطلب تھا آپ خوبصورت نہیں ہیں، بلکہ خوبصورتی کا لفظ تو آپ کے حسن کی ذرا سی بھی تشریح نہیں کر پائے گا۔'' وہ ذرا بھی اس کے لفظوں سے متاثر نہیں ہوئی تھی، بس منہ پھلائے کھڑی رہی۔

''اچھا ایک بات پوچھوں؟'' اس نے موضوع بدلا۔

''کیا؟''

''مجھ سے چھپ کیوں رہی ہو؟'' وہ براہ راست مدعا پر آیا۔

''میں کب چھپی ہوں؟'' وہ صاف مکر گئی۔

''اچھا پھر یہاں کیوں بیٹھی ہو، تمہاری بہن کی شادی ہے اور تم غیروں کی طرح ایک کونے میں بیٹھی ہو جاؤ اسٹیج سنبھالو، زرین کو دیکھو کب سے قبضہ کیا ہے دولہے میاں کے ساتھ والی نشست پر۔''

''نہیں میں ٹھیک ہوں۔'' علیشہ رضوی نے اس کے مشورے کی تردید کی۔

''تو پھر مان لو کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' وہ بضد ہوا تو وہ نگاہیں جھکا کر ناخنوں کا بلاوجہ ہی جائزہ لینے لگی، گویا اقرار ہی تو کیا تھا۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' الفاظ سادہ تھے مگر لہجہ بہت خاص تھا، اس کی پلکیں بے بس ہی لرزنے لگی تھیں۔

''علیشہ بیٹا زرین کہاں ہے؟ جائیں اسے ڈھونڈیں اور بلا کر اسٹیج پر لائیں دودھ پلائی کی رسم تو آپ ہی نے کرنی ہے تمام کام وقت پر ہو جائیں تو اچھی بات ہے۔'' سارا رضوی نے نہایت مصروف انداز میں اسے ہدایت جاری کی۔

''ابھی تو اسٹیج پر تھی آپی مما۔'' اس نے ایک نگاہ اسٹیج پر دوڑا کر کہا جواب زرین رضوی کی موجودگی سے خالی تھا، لیکن سارا رضوی اسے

ہدایت دے کر جا بھی چکی تھیں، بادل نخواستہ اسے ہلنا ہی پڑا۔
''آپ میری ایک ہیلپ کریں گے؟''
''یس شیور، یو ہائی نیس۔'' وہ فوراً کورنش بجالایا، تو معصوم سا تبسم اس کے لبوں پر بکھر گیا۔
''آپ زرین آپی کو میرا میسج دیں کہ اسٹیج پر آ جائیں تب تک میں باقی کام دیکھ لوں۔''
''آہ، یعنی ان ڈائریکٹلی آپ مجھے یہاں سے بھگانا چاہتی ہیں۔'' وہ جب مذاق کے موڈ میں ہوتا تھا تو آپ کا مینو استعمال کرتا تھا۔
''واؤ آپ تو بہت انٹیلی جنٹ ہیں۔'' اس نے جیسے اس کے خیال کی تائید کی، تو وہ وکٹری کا نشان بناتا وہاں سے چلا گیا۔
''آپ کی بہن نے مجھے آپ کو ڈھونڈنے کی ذمہ داری سونپی تھی مگر آپ کے تاج محل میں چکر لگاتے لگاتے میں تو تھک گیا ہوں۔'' اسے فرسٹ فلور پر ریلنگ کے قریب کھڑا دیکھ کر وہ فوراً نیچے سے ہی بولا تھا ساتھ ہی پہلی سیڑھی کو عبور کرنے کا قصد بھی کر ڈالا۔
''تو آپ نے اپنی ننھی سی جان کو تکلیف کیوں دی۔'' وہ مسکراتے ہوئے سیڑھیاں اترنے لگی، مگر نجانے کیسے ہائی ہیل پہنے زرین رضوی کا پاؤں پھسلا اور وہ بے توازن ہو کر گرنے کو تھی کہ کسی نے اس کے لڑکھڑاتے وجود کو آگے بڑھ کر سنبھال لیا، وہ ذہنی طور پر اس حادثے کے لئے تیار نہ تھی لہٰذا اس نے بے ساختہ ہی بچانے والے کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے تھام لیا۔
سنہری بال بکھر کر چہرے کے اطراف میں پھیل گئے، رائل بلیو دوپٹہ ڈھلک کر زمین کی ملکیت میں چلا گیا، حاذم صدیقی کا ایک ہاتھ ریلنگ پر جما تھا اور دوسرا ہاتھ اس کے کمر کے گرد حمائل کیے وہ اسے سہارا دیئے ہوئے تھا زرین رضوی کے دونوں ہاتھ اس کے مضبوط کندھوں پر ٹھہرے تھے، حاذم صدیقی کو گویا موم کی گڑیا نے چھو لیا تھا، اس کی چاندنی سی رنگت دہکتے کوئلے کی طرح سرخ ہونے لگی تھی، کچھ پل آئے اور آ کر دونوں کے مابین تھم گئے حاذم صدیقی کی نگاہیں اس کے خوبصورت خدوخال سے پھسلتی اس کی صراحی کی طرح لمبی اور سفید گردن میں چمکتے قیمتی پینڈنٹ پر آ کر رک گئیں، چند لمحے لگے تھے اسے سنبھلنے میں، اس نے آہستگی سے زرین رضوی کو اس کے قدموں پر کھڑا کیا۔
''وہ...... پتہ نہیں کیسے...... میرا پاؤں...... آئی مین میں پھسل گئی تو...... ساری۔'' مارے گھبراہٹ کے اس سے الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے ٹوٹ ٹوٹ کر ہونٹوں پر ہی بکھر گئے۔
''اٹس اوکے۔'' حاذم صدیقی نے رخ موڑ لیا، زرین رضوی کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، وہ لب کاٹتی چند لمحے وہیں کھڑی رہی اور پھر وہاں سے نکل گئی، گویا کہ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا جو قابل بیان ہوتا لیکن کچھ کمزور لمحے انہیں اپنی گرفت میں ضرور لے گئے تھے وہ لمحے آئے اور آ کر گزر گئے مگر اپنے آپ میں انمٹ نقوش چھوڑ گئے، زرین رضوی کے لبوں پر خاموشی کا قیام تھا تو حاذم صدیقی بھی ان ساعتوں کو جھٹک نہیں پا رہا تھا، اس کا گداز لمس اب بھی اس کے بازو اور شانوں پر سرسرا رہا تھا، ایک پل نے اس کا اندر باہر اتھل پتھل کر دیا تھا، وہ چند لمحے پہلے حاذم صدیقی تھا اور کچھ لمحے بعد اپنے آپ سے بیگانہ۔

☆☆☆

''نہیں علیشہ بھلا پانچ سو سے تمہارا گزارا کہاں ہوگا۔'' دریاب صدیقی نے اسے چھیڑا، جو دودھ کا گلاس پھولوں کے تھال میں سجائے کھڑی تھی۔
''یہ لیں آرام سے دودھ پئیں اور نیگ نکالیں۔''
''یار تمہاری محنت دیکھتے ہیں، دودھ جتنا ٹیسٹی ہوگا اتنا ہی تمہیں نیگ ملے گا۔'' اس نے شرط لگائی تو پورا پنڈال لڑکے لڑکیوں کے غل سے گونج اٹھا۔
''اور اگر دودھ خراب ہوا تھا۔'' ایک طرف سے آواز آئی۔
''تو آپ لوگ نقصان بھریں گے۔'' دریاب صدیقی کے کسی چالاک کزن نے جواب دیا۔
''یہ تو فاؤل ہے۔'' علیشہ نے مدد طلب نگاہوں سے زرین رضوی کی طرف دیکھا، مگر وہ تو جیسے پورے ماحول سے کٹ کر کھڑی تھی اور حاذم صدیقی تو سرے سے موجود ہی نہ تھا۔
''تمہیں کیا چاہیے علیشہ۔'' دریاب صدیقی نے اس سے استفسار کیا۔
''ایک غبارہ دے دیں۔'' پھر سے وہی کزن میدان میں کودا۔
''جی تا کہ آپ اس سے کھیل کر اپنا شوق پورا کر سکیں۔'' لائم نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تو لڑکیوں کی دبی دبی مسکراہٹیں ابھرنے لگیں۔
''جتنی خوشی آپ کو آپی کو پانے کی ہے اتنے دے دیں۔'' بہت سوچ بچار کے بعد اس نے مختصراً مگر تگڑا جملہ ادا کیا تھا، پورے پنڈال سے داد دیتی آوازیں موصول ہونے لگیں۔
صائم مرتضٰی جو کسی کام سے آیا تھا یہ جملہ سن کر بولنے والی کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا، لائٹ پرپل شرٹ کے کف کہنیوں تک موڑے بکھرے بالوں کے ساتھ وہ واقعی بہت مصروف لگ رہا تھا، صائم مرتضٰی کے سامنے وہی لڑکی کھڑی تھی جس کو وہ کب سے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہا تھا، وہ اسے کوئی رشتہ دار یا نمل کی فرینڈ سمجھ رہا تھا اور پھر مدھم سی مسکراہٹ سے نواز کر وہ واپس ذیشان رضوی کے پاس چلا گیا۔
''آپ کی آپی کو پانے کی مجھے کتنی خوشی ہے اگر اس حساب سے آپ کو کچھ دینا پڑا تو شاید میں کچھ بھی نہ دے پاؤں کیونکہ یہ بہت انمول ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی دریاب صدیقی نے چیک بک نکالی اور بلینک چیک سائن کر کے اسے تھما دیا جو سارا رضوی کے گھورنے پر اس نے فوراً واپس کر دیا۔
''نہیں بھائی کیش چاہیے۔'' علیشہ رضوی نے جھٹ سے کہا۔
''ہاں جی کیا پتہ دولہے میاں کا اکاؤنٹ ہی خالی ہو۔'' کسی کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی تھی۔
''کیوں آپ ہر کسی کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔'' وہاں سے بھی جواب آنے میں قطعاً دیر نہیں ہوئی تھی، نمل اور دریاب ان کی نوک جھونک سے خوب لطف اٹھا رہے تھے۔
تب ہی دریاب صدیقی نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جتنے بھی نوٹ آئے تمام علیشہ رضوی کو تھما دیئے لڑکے لڑکیوں نے زبردست شور مچایا اپنی جیت پر، ہنستے مسکراتے آخر رخصتی کا وقت بھی آن پہنچا، ہر شے پر سوز اور پرنم ہو چلی تھی، ہر آنکھ اشکبار تھی۔
نمل رضوی کو گاڑی میں بیٹھا کر رخصت کیا گیا، علیشہ رضوی، سارا رضوی کی بانہوں میں سما کر خوب روئی، صائم صدیقی نے ذیشان رضوی کو سنبھال رکھا تھا، اپنے جگر کے ٹکڑے کی جدائی پر وہ بہت نڈھال نظر آ رہے تھے بارات کی واپسی ہو چکی تھی۔
''اچھا آنٹی جی اللہ حافظ اور فکر مت کریں

ہم نمل آپی کو پھولوں کی طرح رکھیں گے۔" حاذم صدیقی اپنی گاڑی کی طرف جا رہا تھا اس نے بہت محبت سے سارا رضوی کے ہاتھ تھام کر کہا تو مزید آبدیدہ ہو گئیں۔

"جیتے رہو۔" وہ بے ساختہ اسے دعائیں دینے لگیں، مگر علیشہ رضوی کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ اسے تسلی کا ایک بول بولے بغیر دو قدم کے فاصلے پر کھڑی زرین رضوی کی طرف بڑھ گیا۔

"آئی ایم ساری۔" اس کے قریب جا کر کان کے پاس جھک کر وہ مدھم سروں میں بولا تو وہ سمٹ کر پیچھے ہوئی، علیشہ رضوی نے دو قدموں کی دوری پر یہ سب دیکھا، ایکدم اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا مگر پھر وہ سنبھل گئی، کیونکہ اسے سارا رضوی کو سنبھالنا تھا، اسے ذیشان رضوی کو بھی دیکھنا تھا، وہ حاذم صدیقی سے سر جھٹکتی سارا رضوی کو چیئر پر بیٹھا کر پانی دینے لگی پھر باپ کی طرف بڑھی۔

ائیر رنگز اتار کر وہ بیگ میں رکھ چکی تھی بال اٹھا کر کیچر میں جکڑ دیئے، وہ کافی حد تک سادگی کا روپ دھار چکی تھی، مگر ان کے پاس پہلے سے کوئی موجود تھا جو ان کے کان میں نجانے کیا سرگوشیاں کر رہا تھا، مگر اس کے قدموں کی چاپ سن کر وہ انسان اپنی سرگرمی کو ملتوی کر کے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"پاپا!" اسے نظر انداز کرتی وہ ذیشان رضوی کی طرف بڑھی تھی اور ان کے سینے سے لگ کر ایک بار پھر رونے لگی۔

"پاپا!" صائم صدیقی نے زیر لب دہرایا اور ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ سمجھ گیا کہ یہ علیشہ رضوی ہے نمل اور زرین کو وہ جانتا تھا، پچھلے چھ سالوں سے وہ اس سے ہی نہیں مل پایا تھا یہ یقیناً علیشہ رضوی ہی تھی۔

"بس بیٹا، ایک دن بیٹیوں کو اپنے گھر جانا ہی ہوتا ہے، آخر آپ کو بھی ایک دن یہاں سے جانا ہے۔" ذیشان رضوی نے اس کے آنسوؤں کو چنتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں پاپا، میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ مان بھرے غصے سے بولی تو صائم صدیقی بھی مسکرا دیئے۔

"اوکے انکل پھر میں چلوں۔" صائم صدیقی نے اجازت طلب کی۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ بیٹے، اتنی رات کو کیسے جائیں گے بلکہ میں تو سوچ رہا تھا سارا اور بچیوں کو آپ ہی ولیمے کی تقریب میں لے جائیں اور تب تک اپنا قیام ادھر ہی رکھیں۔"

"چاچو گاڑی ہے میرے پاس اور پھر اسی شہر میں تو ہوں میں، پھر آ جاؤں گا۔"

"بالکل نہیں کچھ دیر آرام کرو اور اب نو مور آرگیومنٹس۔" انہوں نے صائم صدیقی کو مزید بحث سے روک دیا۔

"علیشہ بیٹے صائم کو فرسٹ فلور پر روم تک پہنچا دیں۔" اب وہ علیشہ رضوی سے مخاطب تھے جو چپ چاپ ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

"جی پاپا!" اس نے فرمانبرداری سے سر ہلایا تو ناچار صائم صدیقی کو ان کی بات ماننی ہی پڑی، علیشہ رضوی اس کے ساتھ قدم بہ قدم چل رہی تھی، دونوں نفوس کے مابین خاموشی کی دبیز چادر تنی تھی، صائم صدیقی نے ایک نظر اس کی تبدیلیوں کا جائزہ لیا، وہ سادگی کا روپ دھارے کچھ دیر قبل نظر آنے والی علیشہ رضوی سے قدرے مختلف لگ رہی تھی۔

"آئی ایم علیشہ رضوی۔" اچانک چلتے چلتے اس نے رک کر خود کو متعارف کروایا، گو کہ

اس کی ضرورت نہ تھی، مگر اس کی یہ ادا صائم مرتضٰی کو بہت اچھی لگی تھی۔

"صائم...... صائم مرتضٰی۔"

"آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اتنے میل جول اور رشتہ دار ہونے کے باوجود میں یہ فارملیٹی کیوں نبھا رہی ہوں رائٹ۔"

"یس یو آر رائٹ۔" مبہم سا تبسم اس کے ہونٹوں پر مچل اٹھا تھا۔

"کچھ بھی ہو سر لیکن میں تو آپ سے آج پہلی بار ہی مل رہی ہوں نا۔" اس نے پوری سچائی سے اعتراف کیا، مگر اس کے لہجے کی شناسائی میں کہیں اجنبیت کی جھلک نہ تھی۔

"اس کا مطلب ہے میں آپ کو یاد ہوں۔" صائم مرتضٰی نے گفتگو کو بڑھاوا دیا، اس کے ذہن کے پردے پر سنہری بالوں والی گڑیا گھوم گئی جو اب سیاہ ریشمی بالوں اور دراز قد کے ساتھ باربی ڈول بن چکی تھی۔

"جی...... آپ کو کوئی کیسے بھول سکتا ہے سر۔" سر کا لفظ استعمال کر کے اس نے صائم مرتضٰی کو باور کروا دیا کہ اسے بیتا وقت یاد تھا، صائم مرتضٰی کا ذکر جب بھی اس نے نمل رضوی سے سنا انہوں نے اسے سر کے صیغے سے ہی مخاطب کیا سو وہ بھی ایسا ہی کر گئی۔

"یو نو ہم کتنے عرصے بعد مل رہے ہیں؟"

"کافی ٹائم گزر گیا ہے۔" علیشہ رضوی نے قدرے سوچ کر کہا۔

"چھ سال گزر گئے ہیں علیشہ۔" صائم مرتضٰی کو نجانے کیوں دکھ سا ہوا۔

"واؤ کافی لانگ پیریڈ ہے۔" علیشہ رضوی کا انداز سرسری تھا۔

"آپ تو تب کافی چھوٹی تھیں، تو پھر میں آپ کو اتنے اچھے طریقے سے کیسے یاد ہوں۔" وہ نجانے کیوں بات کو طول دے رہا تھا، جواباً وہ دھیما سا مسکرائی اور پھر چل دی، صائم مرتضٰی نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

"مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ آپ ہمارے گھر کے در و دیوار پر نقش ہو گئے ہیں، شاید ہی کوئی لمحہ گزرتا ہو جس میں مما آپ کا ذکر نہ کرتی ہوں۔"

"کیا یہ کوئی طنز ہے۔" صائم مرتضٰی نے اس کے بے پرواہ انداز پر ٹھٹک کر پوچھا۔

"نہیں ایسا کچھ نہیں، اصل میں مما، پاپا اور نمل آپی جب تک آپ کا ذکر نہ کر لیں انہیں کہاں چین ملتا ہے، میں آپ سے آج ملی ہوں لیکن میں آپ کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں، کیونکہ سب نے آپ کو اتنا پاپولر جو کر دیا ہے۔" اس کی سنجیدگی سے گھبرا کر علیشہ رضوی نے فوراً وضاحت دی، اس کا لمبا چوڑا جواب سن کر صائم مرتضٰی کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

"تھینکس سر، آئی نو نمل آپی کی شادی میں پاپا کے ساتھ تمام ذمہ داریاں آپ ہی نے نبھائی ہیں۔" وہ متشکر نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اگر میں کوئی غیر ہوں تو آپ میرا شکریہ ادا کر سکتی ہیں لیکن اگر آپ مجھے اپنا سمجھتی ہیں تو اس کی ضرورت نہیں۔" سینے پر ہاتھ باندھے وہ گلاس ڈور کے سامنے رک گیا، اس کا دھیما پن اور نرم شخصیت اس کو بہت رعب دار بنا رہی تھی، علیشہ رضوی نے پہلی بار غور کیا تھا کہ اس کی مقناطیسی کشش رکھنے والی شخصیت کتنی باوقار اور پر اثر تھی، وہ بہت نپے تلے الفاظ میں گفتگو کر رہا تھا، جواباً وہ لب چبانے لگی تھی، اسے صائم مرتضٰی سے اتنی صاف گوئی کی امید نہ تھی، شرمندگی اس کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔

"اور میں نے سنا ہے اس بار آپ کے ایگزامز بس ٹھیک ہی گئے ہیں۔" اسے مزید

خجالت سے بچانے کے لئے اس نے موضوع ہی بدل دیا۔

''یہ کس سے کہا آپ نے میں نے بہت ٹف تیاری کی تھی اور اس حساب سے میرے امتحانات بہت فٹ رہے ہیں، انشاء اللہ میں ٹاپ کروں گی۔'' وہ ہمیشہ سے اسٹڈی کانشس رہی تھی اور صائم مرتضٰی نے تو گویا اس کی دکھتی رگ دبائی تھی، لہٰذا وہ اپنے دفاع کے لئے فوراً بول اٹھی، صائم مرتضٰی کا مقصد گزشتہ بات کے اثرات کو زائل کرنا تھا اور وہ اس میں کامیاب ہو چکا تھا۔

''تھینکس۔'' صائم مرتضٰی نے دھیرے سے کہا تو حیرانی سے اسے دیکھتے گئی۔

''فار یور سویٹ سمائل۔'' اس نے وضاحت کی تو علیشہ رضوی کے مسکراتے لب فوراً سکڑ گئے۔

''یہ تو فاؤل ہے۔'' وہ گلاس ڈور دھکیل کر اندر داخل ہوگئی۔

''کیا؟''

''آپ نے خود میرے تھینکس کہنے پر کیسے سنجیدگی سے اپنے، غیر ہونے کا لیکچر جھاڑا اور اب مجھے تھینکس کہہ کر مجھے غیر بنا رہے ہیں۔'' اپنی تئیں اس نے بہت عقلمندی کی بات کی تھی مگر اس کے بچکانہ انداز پر صائم مرتضٰی کو جی بھر کر ہنسی آئی تھی جسے وہ فوراً دبا گیا مبادا وہ پھر ناراض نہ ہو جائے۔

''اوہ یہ تو واقعی ہی فاؤل ہے پر کیا ہونا چاہیے۔'' وہ دوستانہ انداز میں بولا۔

''اگر آپ نے مجھے نیکسٹ ٹائم تھینکس کہا تو یہ سویٹ سمائل آپ کو میرے چہرے پر کبھی نظر نہیں آئے گی۔'' اس نے بہت سوچ کر کہا۔

''ایسا نہیں کہتے علیشہ، آپ ابھی بچی ہیں زبان سے نکلنے والے الفاظ کی قدر و منزلت سے بے خبر ہیں اور میں چاہوں گا آپ وقت حالات اور حقائق کی تلخی سے بے خبر ہی رہیں۔''

''حقائق کی تلخی سے نبرد آزما ہونے اور انہیں پرکھنے کے لئے عمریں گنوانا ضروری نہیں ہوتا سر، تجربات اور مشاہدے اس کے لئے کافی ہیں۔''

اسے کچھ دیر قبل حاذم صدیقی کا اسے نظر انداز کرنا یاد آ گیا، صائم مرتضٰی اس کے بردبار انداز کو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا، کچھ دیر قبل شوخ گفتگو کرنے والی علیشہ رضوی اب بہت باوقار اور سمجھ دار لگ رہی ہے۔

''اوہ سر باتوں باتوں میں آپ کا روم بھی آ گیا، ہمارا سفر گزر گیا اور پتہ بھی نہیں چلا۔'' اس نے عام سے انداز میں کتنی گہری بات کی تھی شاید علیشہ رضوی کو خود بھی اندازہ نہیں تھا۔

''نہیں آج تو سفر کی شروعات ہے ہمیں تو ساتھ ساتھ ہی چلنا ہے ایسے کہتے ہیں۔'' اس نے علیشہ رضوی کی تصحیح کی۔

''اور مائی لارڈ میں تو بھول ہی گئی کہ میں کس سے بحث کر رہی ہوں۔'' وہ فوراً ہتھیار ڈال گئی۔

''گڈ نائٹ سر۔'' وہ مسکراتے ہوئے پلٹ گئی۔

''اور ہاں اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو خود ہی مینج کر لیجیے گا آفٹر آل یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔'' جاتے جاتے وہ مڑ کر شرارت سے بولی۔

''اف کورس میم۔'' اس کے لہجے کی شوخی کو سمجھ کر وہ دھیرے سے بولا اور دیر تک اس جگہ کو دیکھتا رہا جہاں وہ چند لمحے قبل ایستادہ تھی۔

☆☆☆

ولیمے کی تقریب نے علیشہ رضوی کے جسم سے گویا روح کھینچ لی تھی، وہ عمر کے اس دور میں

تھی جب جذبات شدت کی نہج پر ہوتے ہیں، اگر محبت ہے تو وہ بھی شدید اور اگر نفرت ہے تو وہ بھی ہر شے سے بڑھ کر، اسے بھی حاذم صدیقی سے محبت ہو چلی تھی، جس میں زیادہ تر ہاتھ حاذم صدیقی کے شوخ اور مثبت رویے کا تھا، رہی سہی کسر زرین رضوی کی قیاس آرائیوں نے پوری کر دی تھی۔

اسے سپنوں کے گھوڑے پر سوار کر کے اب وہ خود راہ بدل رہا تھا، پوری تقریب میں حاذم صدیقی کا لیا دیا رویہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا، وہ خود سے باز پرس کرنے کی ہمت بھی خود میں نہیں پا رہی تھی۔

ان کے درمیان صرف احساس کا رشتہ تھا، لفظوں کے اظہار یا اقرار کی نوبت ہی کہاں آئی تھی، لیکن جب اس نے اس احساس کو محسوس کیا تو اس کی جڑیں علیشہ رضوی کے پورے وجود میں پھیل چکی تھیں، ان جڑوں کو اکھاڑنا گویا اس کے وجود سے زندگی کھینچنے کے مترادف تھا، اس نے ہر تفاوت سے بالاتر ہو کر اور ہر خلیج کو پاٹ کر سوجھ بوجھ گنوا کر حاذم صدیقی کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے چاہا تھا، اس کو دل کے مکان میں جگہ دی تھی، علیشہ رضوی کو اس ڈگر پر رواں کرنے والا وہی شخص تھا ہر لحہ اس نے علیشہ رضوی کو معتبر کیا تھا، اس کے احساسات کو درستی کی سند بخشی تھی تو پھر اچانک دامن کیوں چھڑا رہا تھا۔

''اس کے بھائی کے ولیمے کا فنکشن ہے سینکڑوں انتظامات ہوں گے کرنے والے، میں بھی نا بس اسے اپنے پلو سے باندھ لینا چاہتی ہوں۔'' حال سے بے حال ہوتے دل کو ڈپٹتے ہوئے اس نے گویا خود کو تسلی دینا چاہی، مگر موہوم سی اداسی پھر بھی اس کا گھیراؤ کر گئی تھی، جس سے پیچھا چھڑانے میں وہ ناکام رہی تھی، اس کے بعد باقی کی رسومات وہ بے دلی سے بیٹھی رہی۔

☆☆☆

''مما میں نمل آپی کی طرف چلی جاؤں؟'' زرین رضوی نے صبح سے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی تھی مگر سارا رضوی تھیں کہ مان کر نہ دے رہی تھیں۔

''نہیں زرین روز روز جانا اچھی بات نہیں ہے، وہ تمہاری بہن کا سسرال ہے جب اسے ٹائم ملے گا وہ خود آ کر مل لے گی اسے گھر داری سیکھنے دو۔'' انہوں نے دوٹوک انکار سنایا۔

''اوہو، آپ بھی پتہ نہیں کس دقیانوسی سوچ اور پراگندہ خیالات کے دھارے میں بہہ رہی ہیں ابھی تک اپنی بہن سے ملنے پر اتنی پابندی۔'' اسے خوب ہی غصہ آیا تھا۔

''زرین میں دیکھ رہی ہوں نمل کی طرف تمہارا آنا جانا کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا ہے۔'' ان کا انداز تنبیہی تھا۔

''کیا مطلب، آپ کہنا کیا چاہتی ہیں، آپی میری بہن ہیں، میں ان سے ملنا چاہتی ہوں، دیٹس اٹ اور مجھے اس میں تیسری کوئی بات نظر نہیں آتی۔'' زرین رضوی کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔

''زرین میں نے کب کہا کوئی تیسری بات ہے۔'' سارا رضوی مسکراہٹ دبائے سنجیدگی سے بولیں تو وہ گڑبڑا گئی۔

''مما پلیز یہ منظر اور پس منظر لغوی اور اصطلاحی معنوں والی باتیں مجھے سمجھ نہیں آتیں، پلیز مجھے بس اتنا بتائیں آپ مجھے اجازت دیں گی یا نہیں۔'' وہ زچ ہو کر بولی۔

''فضول کی ضد مت کرو، جاؤ اپنے پاپا کو کافی دے کر آؤ آفس کے لئے لیٹ ہو رہا ہے۔'' اسے اگلی بات کا موقع دیئے بغیر سارا رضوی نے

کافی کا مگ اسے تھمایا اور کچن سے چلتا کیا۔

ذیشان رضوی ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے اور اپنے پسندیدہ مشغلے میں محو تھے اسے دیکھتے ہی انہوں نے اخبار کو اللہ حافظ کہا۔

''کافی اچھی بنی ہے آپ نے بنائی ہے؟'' اس کے اترے چہرے کو دیکھ کر انہوں نے کافی پر تبصرہ کرتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

''نہیں پاپا مما نے بنائی ہے۔''

''کیا بات ہے زرین، آپ اداس لگ رہی ہیں کوئی پریشانی ہے؟'' انہوں نے اس کے رویے کی تشریح کی تو زرین رضوی کی تو گویا امید بر آئی۔

''پاپا مجھے آپی کی طرف جانا ہے۔'' اس نے منہ بسور کر اپنی بات ذیشان رضوی تک پہنچائی۔

''اوہ تو یہ بات ہے، اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے، ہم آج ہی اپنی بیٹی کو لے چلتے ہیں۔'' انہوں نے چٹکیوں میں مسئلہ سلجھایا، تو زرین رضوی کی دل کی کلی کھل اٹھی۔

''کیا آج جانا ضروری ہے بیٹا؟'' ان کا انداز پرسوچ تھا جیسے اچانک کچھ یاد آیا ہو۔

''کیوں پاپا، آج کوئی پرابلم ہے؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

''اصل میں آج میری بورڈ آف ڈائریکٹر کی میٹنگ ہے اور دو تین اہم کام نپٹانے ہیں آپ کو چھوڑ کر کون آئے گا میں تو فری نہیں ہوں اوکے پھر آپ ڈرائیور کے ساتھ چلی جائیں لیکن آپ کا یوں اکیلے جانا بھی مناسب نہیں۔'' وہ ذرا سا ہچکچائے۔

''پاپا میری آپی سے بات ہوئی ہے حاذم کو ادھر کام ہے وہ واپسی پر مجھے پک کر لیں گے اور پھر چھوڑ بھی جائیں گے۔''

''نہیں تکلیف دینا ٹھیک نہیں بیٹا۔'' وہ اس بات کے لئے راضی نہیں تھے۔

''پاپا آپی نے خود کہا ہے، لیکن میں فون کر کے منع کر دیتی ہوں۔'' اس نے ہوا میں تیر چلایا۔

''اوکے چلیں ٹھیک ہے پھر آپ چلی جائیے۔''

''تھینک یو پاپا، بٹ پلیز مما کو سنبھال لیجیے گا آپ کو تو پتہ ہے انہیں آپی کی طرف زیادہ آنا جانا پسند نہیں ہے۔'' اس نے فوراً اگلا خدشہ ظاہر کیا۔

''ہاں بات تو ان کی ٹھیک ہے بٹ یو ڈونٹ وری مائی ڈیئر میں انہیں سمجھا دوں گا۔'' انہوں نے اسے یقین دلایا تو وہ بے طرح خوش ہو گئی۔

''پاپا یو آر ریئلی گریٹ۔'' ان کے گلے میں لاڈ سے باہیں ڈالتے ہوئے وہ چہکی۔

☆☆☆

لاؤنج میں زرین رضوی کے موبائل کی مخصوص ٹون بج رہی تھی، علیشہ رضوی چند لمحے ڈھیٹ پن طاری کیے بیٹھی رہی مگر مسلسل بجتی بیل پر اسے کان دھرنے ہی پڑے۔

موبائل اٹھاتے ہی اس کی اسکرین پر جگمگاتے نمبر اور نام نے اس کے وجود سے ہر احساس چھین لیا تھا پھر نجانے کس احساس کے تحت اس نے یس کا بٹن پریس کر دیا۔

''کہاں ہیں میم، کب سے کال کر رہا ہوں، ریسو تو کر لیں۔'' دوسری طرف وہ نان اسٹاپ شروع ہوا تھا گویا اس یقین کے ساتھ کہ دوسری طرف زریں ہے۔

''آپ ریڈی ہو میں آ رہا ہوں آپ کو لینے، اینڈ پلیز سی گرین سوٹ پہننا میں آپ کو اس رنگ میں دیکھنا چاہتا ہوں، اٹس ویری امپورٹنٹ ڈے فار می۔'' اس کی آواز میں بے تابیاں عیاں تھیں، علیشہ رضوی کو کسی نے گویا طمانچہ رسید کیا تھا، وہ اتنی نادان تو نہ تھی کہ اس فرمائش کا مطلب نہ سمجھ پاتی، اس کے انداز میں پنپتے جذبات محسوس نہ کر پاتی، اس نے فون بند کر دیا، اس کی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ موتی بن کر پھسل رہے تھے۔

وہ پوری طرح سنبھل بھی نہیں پائی تھی کہ نجانے زرین رضوی کہاں سے آئی اور چیل کی طرح اس کے ہاتھ سے موبائل جھپٹ لیا۔

''وٹ از دس نان سینس، تمہیں اتنے بھی مینرز نہیں ہیں کہ کسی کا پرسنل سیل یوز نہیں کرتے۔'' وہ تنک کر بولی اور سیل چیک کرنے لگی۔

''حاذم کی کال تھی، اوہ گاڈ اینڈ یو ڈونٹ ٹیل می۔'' وہ اتنی حیرت سے استفسار کر رہی تھی کہ علیشہ رضوی بے گناہ ہونے کے باوجود شرمندہ نظر آنے لگی۔

''تم رو کیوں رہی ہو۔'' اس کے آنسو فوراً اس کی پکڑ میں آ گئے تھے۔

''نہیں تو میں تو بس ایسے ہی۔'' مارے غم و غصے کے اس کی آواز حلق میں ہی دم توڑ گئی۔

''دیکھو علیشہ میں تمہیں بتا دینا چاہتی تھی اپنے اور حاذم کے بارے میں، وہ مجھے پسند کرتا ہے اور میں تمہیں یونہی اکساتی رہی مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی، بٹ آئی نو تمہارا اس میں کبھی انٹرسٹ نہیں رہا، ہوپ سو بات اتنی آگے نہیں بڑھی تھی کہ تم واپس نہ آ سکو، بلکہ میرے خیال میں تو حاذم کبھی بھی تم میں انوالو نہیں رہا، اس کے لہجے کی بے تابیاں اور دلی حالت کی بپتا سن کر مجھے لگتا ہی نہیں کہ اس کے دل میں کوئی اور آیا ہوگا۔''

کیا تھی زرین رضوی کسی کے جذبات کی سیج کو جلا کر خود کو آباد کر رہی تھی اور اس بات کا اسے کوئی پچھتاوا یا ندامت بھی نہ تھی۔

علیشہ رضوی حق دق سے اس کی شکل دیکھ رہی تھی، اس کے آنسوؤں نے شدت اختیار کی تھی۔

''کیوں آپی، آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ جو کچھ آپ چاہتی ہیں یا سوچتی ہیں بس وہی درست ہے، ہر کسی کی زندگی کا فیصلہ آپ کی مرضی کے مطابق ہوگا، ہر کوئی اپنے احساسات کو آپ کی مٹھی میں دے دے گا۔''

''نہیں زرین آپی ایسا نہیں ہے، آپ نے کیا کہا، کیا نہیں کہا اور اب مجھے کیا باور کرانا چاہتی ہیں مجھے کچھ نہیں پتہ ہاں لیکن مجھے اتنا پتہ ہے کہ میرے دل میں کیا ہے، مجھے آپ کے بہلاوے میں نہیں آنا ہے بلکہ اب کی بار تو میں بے بس ہوں آپ کی بات چاہ کر بھی نہیں مان سکتی، مگر آپی آپ کو میرے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' اپنی بات کے آخر میں وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی اور اس کے جواب زرین رضوی کے سر پہ لگی اور تلوؤں بجھی۔

''تم کوئی چھوٹی بچی نہیں تھی علیشہ، کہ میں نے جس سمت تمہیں موڑا تم چپ چاپ مڑ گئی، تم بھی بالغ سمجھدار اور باشعور لڑکی ہو، اگر تمہارے دل میں اب بھی حاذم کے لئے کچھ ہے تو تمہارا گھٹیا پن ہے، ایک ایسے شخص کو چاہنا جو کسی اور کی چاہت کا اسیر ہو چکا ہے تمہیں نہیں لگتا یہ سراسر خیانت ہے۔'' زرین رضوی نے تو اسے ہی خائن بنا دیا، وہ جو اپنی بربادی کی جنگ لڑ رہی تھی اس کی بے حسی تو گویا منجمد ہی کر گئی۔

''مجھے لگا تھا تم چھوٹی ہو، مجھے تمہیں سمجھانا چاہیے بٹ یو ڈونٹ نیڈ اٹ (لیکن تمہیں اس کی

ضرورت نہیں) اینڈ ون تھنگ مور علیشہ رضوی کبھی میرے اور حاذم کے بیچ آنے کی کوشش مت کرنا کیونکہ پتھر سے ٹکراؤ گی تو نقصان اپنا ہی ہوگا اور اپنے رشتے میں، میں تمہاری مداخلت قطعاً برداشت نہیں کروں گی۔" اس بار اس کے لہجے کی تمام نرمی مفقود تھی، وہ انگشت شہادت سے اسے گویا تنبیہہ کر رہی تھی اور علیشہ رضوی کو اپنا آپ بہت چھوٹا لگ رہا تھا، کیوں وہ اتنی کمزور پڑ گئی کہ اپنی دل کی بے بسی کھول کر اس کے سامنے رکھ دی۔

"مجھے حاذم صدیقی سے کوئی لینا دینا نہیں، آپ ایسی بات کبھی سوچیے گا بھی مت۔" دل کے درر گویاں زبان ملی تھی۔

"ہونا بھی نہیں چاہیے اور ہوگا بھی تو کوئی بات نہیں، وہ میرا ہے تم اپنی زندگی سراب میں گزار دو تو یہ تمہاری پرابلم ہے لیکن حاذم صدیقی پر میں تم جیسی خوبصورت بلا کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گی۔" اس کے لہجے سے کتنی بے حسی ٹپک رہی تھی، علیشہ رضوی جتنی بھی حیران ہوتی کم تھا، اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ان دونوں کا بہنوں کا رشتہ زیادہ معتبر ہے یا حاذم صدیقی اور رزین رضوی کا رشتہ اس کے رشتے کو مات دے گیا، موبائل پھر گنگنانے لگا تھا۔

"ہیلو لیس می کم ان۔" دوسری طرف شاید وہ حاذم تھا وہ باہر آچکا تھا اور رزین رضوی پہلے سے ہی سی گرین لباس میں ملبوس تھی، اس کی آنکھوں میں رزین رضوی کا لہراتا آنچل مرچیں بھرنے لگا تھا۔

حاذم صدیقی کی ذات کا بھرم تھا جو آج ٹوٹ کر چکنا چور ہوگیا۔

"کاش حاذم...... تم کسی اور لڑکی کو اپنا کر مجھے دھوکہ دے دیتے لیکن تم نے تو پھر جیسے میرا ہی انتخاب کرلیا، میری ہی بہن کو چن لیا، تاکہ میں پل پل مروں ہر روز تمہارا سامنا کروں اور ہر روز اپنے آپ سے نظریں چراؤں، تم نے مجھے میری ہی نظروں سے گرا دیا، میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" اس کے دل کے بین حاذم صدیقی سے سوال کر رہے تھے کوئی برچھی اس کے دل میں اتر کر طوفان برپا کر رہی تھی، آنکھوں میں اشکوں کا سمندر رواں تھا تو دل میں بربادی کا ماتم کدہ بچھا تھا، علیشہ رضوی پر آج خزاں نے بسیرا کیا تھا۔

☆☆☆

"بینک سے پیسے نکلوا کر کے مجھے کال کر لینا۔"

"چاچو میں دیکھ لوں گا آپ ٹینشن مت لیں۔" صائم مرتضیٰ نے ذیشان رضوی کو تسلی دی۔

"مجھے پتہ ہے بیٹے آپ سب سنبھال لیں گے۔" ذیشان رضوی نے فخر سے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا تو وہ احتراماً جھک گئے، ذیشان رضوی نے چند ایک فائلز اور سائن کیے ہوئے چیک صائم مرتضیٰ کو تھمائے۔

"آفس کے بعد آپ سیدھا ادھر آئیں گے، آپ کو تو پتہ ہے نمل نے خاص تاکید کی ہے آپ کے لئے۔"

کل نمل رضوی اپنے سسرال والوں کے ساتھ رضوی پیلس آرہی تھی، بقول نمل رضوی بہت اہم کام تھا سو اس نے صائم مرتضیٰ کی شمولیت اور ذیشان رضوی کی موجودگی پر خصوصی زور دیا تھا لہٰذا آج ذیشان رضوی گھر پر ہی موجود تھے۔

لیکن ورکرز اور اسٹاف کو سیلری کی پے منٹ بھی آج ہی کرنی تھی لہٰذا ذیشان رضوی نے یہ کام صائم مرتضیٰ کو سونپ دیا کہ انہیں ان کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہ تھا۔

"او کے چاچو! مجھے ٹائم ملا تو ضرور آؤں گا۔" صائم مرتضیٰ نے پس و پیش کی۔

"گھر رکنے یا آنے پر اتنی بحث مت کیا کریں صائم، وہ آپ کا اپنا گھر ہے، سارا نے بس آپ کو جنم نہیں دیا ورنہ انہوں نے ہمیشہ آپ پر اپنی ممتا نچھاور کی ہے آپ کو اپنی سگی اولاد سمجھا ہے، آئندہ آپ نے ایسی اجنبیت دکھائی تو ہم آپ کو کوئی ذمہ داری نہیں سونپیں گے۔" ذیشان رضوی تو اچھے خاصے جذباتی ہوگئے، صائم مرتضیٰ کو خوامخواہ ہی شرمندگی ہونے لگی اس گھر کے ہر فرد اور ان کے خلوص کی وہ دل سے قدر کرتا تھا۔

"سوری چاچو ایسا نہیں ہوگا نیکسٹ ٹائم میں جلدی کام نپٹا کر گھر آجاؤں گا۔" اس نے ذیشان رضوی کو خوش کرنا چاہا۔

"آئی نو مائی سن، تم کبھی کسی کی دل آزاری کا باعث نہیں بن سکتے۔"

"او کے چاچو پھر شام کو ملتے ہیں۔" ایک الوداعی مسکراہٹ سے نواز کر وہ باہر نکل گئے۔

☆☆☆

وہ فائلز اٹھائے پورچ کی طرف بڑھنے لگا تھا جب اورنج سوٹ میں گھاس پر براجمان وجود نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی، اوائل جون کی وجہ سے دن چڑھتے ہی سورج کی حدت بڑھنے لگتی تھی، ابھی محض گیارہ ہی بجے تھے مگر گرمی کی شدت نے ہر ذی نفس کو گھر کی دہلیز تک ہی محدود کر دیا تھا، ایسے میں کون ہو سکتا تھا صائم مرتضیٰ متجسس سا اس سمت بڑھنے لگا۔

"ایکسکیوز می۔" اس نے پشت پر جا کر پکارا، اس لڑکی نے صائم مرتضیٰ کے پکارنے پر فوراً گردن موڑ کر دیکھا، علیشہ رضوی کو وہاں دیکھ کر جہاں وہ دم بخود رہ گیا اس سے کہیں زیادہ اس کے حلیے اور حالت نے اسے حیران کیا تھا۔

چہرے کے اطراف میں بکھرے بال گواہی دے رہے تھے کہ کئی دن سے انہیں سنوارنے یا بنانے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی، دھوپ کی تمازت سے سفید رنگت سندوری ہوچکی تھی، متورم و سرخ ڈوروں سے بھری آنکھیں کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھیں، اورنج سوٹ پر جا بجا سلوٹیں نمایاں تھیں دوپٹہ صرف کندھے پر لٹک کر فارملیٹی نبھا رہی تھا، وہ ننگے پاؤں گھاس پر کھڑی تھی، یقیناً اس کے گلابی ہیر جل رہے تھے، ہاتھ گیلی مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔

صائم مرتضیٰ کے دل پر جیسے کسی نے گھونسا رسید کیا تھا اس لڑکی سے اسے ہمیشہ اپنائیت اور انسیت کا احساس رہا تھا جب وہ اس کے سامنے نہ تھی تب اس پری چہرہ کا نام اسے بے چین کر دیتا تھا اور اب روبرو تھی تو اس کی حالت نے صائم مرتضیٰ کے دل کی دھڑکن ساکت کردی تھی۔

"علیشہ آر یو او کے۔" وہ تڑپ کر دو قدم آگے بڑھا، مگر اس نے حتیٰ المقدور اپنے لہجے کو نرم اور فارمل رکھنے کی کوشش کی تھی، جواباً وہ لب کاٹتی رہی، جیسے یوں صائم مرتضیٰ کا سامنا کرنا اسے بھی خفت میں مبتلا کر گیا ہو۔

"یس سر آئی ایم او کے، بس کچھ باغبانی کا شوق پورا کر رہی تھی۔" اس کے ہونٹوں پر مسکان نہیں سجی تھی، وہ مروتاً جواب دے رہی تھی، صائم مرتضیٰ اس بات سے بخوبی آگاہ تھا۔

"اس وقت۔" اس کا اشارہ چڑھتی دھوپ کی طرف تھا۔

"جی بس ایسے ہی۔" وہ افسردہ دکھائی دیتی تھی۔

(باقی اگلے ماہ)

سندس جبیں

ساتویں قسط

شائی وانگ کی زندگی میں آنے والا بڑا اور بڑا دیرپا اور خوشگوار ثبات ہوا تھا، بنکاک واقعی انہیں راس آ گیا تھا، اس کا کالج سٹارٹ ہوئے ڈیڑھ دو سال ہو چکا تھا، تھائی نے تھونگز کے ساتھ مل کر ایک چھوٹا سا ریستوران کھول دیا تھا، زندگی مطمئن اور پر سکون تھی، انہی دنوں اسے رقص کا شوق ہوا تھا، تھائی وانگ کو اگرچہ اس کا یہ نیا شوق بالکل نہیں بھایا تھا مگر اس شائی کی راہ اور شوق میں مزاحم ہوئے بغیر بڑی خوشدلی سے اسے یہ اجازت دے دی تھی۔

یوں شائی وانگ رقص کی کلاسز لینے لگی، کالج میں اس کے صرف چند گنے چنے دوست تھے، وہ کسی حد تک الگ تھلگ مزاج کی حامل تھی اور کم گو تھی، اگرچہ کالج میں اس کی خوبصورتی اور حسین بالوں کے کئی دیوانے تھے، مگر وہ بے نیاز بنی رہتی، چھ ماہ تک رقص کی کلاسز لینے کے بعد وہ خاصی ماہر رقاصہ بن چکی تھی اور اس کی انسٹرکٹر کے تھرو کئی کلب مالکان اس کو اپنی کلب

ناولٹ

ڈانسر بنانا چاہتے تھے مگر وہ سن کر ہی بدک گئی، اسے اچھی طرح علم تھا کہ کلبز میں ڈانس کے نام پر کون سا فحاشی کا کھیل کھیلا جاتا تھا، جبکہ تھائی کئی بار اسے شرارت میں چھیڑتی کہ اب تو اس کی ڈیمانڈ بن چکی ہے اور شائی ناراضی سے منہ پھیلا لیتی۔

تھائی اور تھونگز دونوں کا ہی یہ خیال تھا کہ اسے کالج کی تعلیم ختم ہونے کی انہیں اپنی پسند سے مطلع کر دینا چاہیے، وہ اس کی شادی کرنا چاہتے تھے، جبکہ شائی ہمیشہ جھلا جاتی، وہ کامرس پڑھ رہی تھی اور اس کا موڈ جاب کرنے کا تھا، وہ کیریئر وومن بننا چاہتی تھی، لیکن وہ ان دونوں کی بات کے جواب میں ہمیشہ مسکرا کر رہ جاتی، کوئی جواب دینے سے گریز ہی کرتی۔

چھٹی والے دن عموماً وہ کسی ساحلی مقام پر آ

جاتے، ہنستے مسکراتے پکنک مناتے اور ان تینوں کی پرسکون زندگی میں کوئی غم کوئی پریشانی نہ تھی۔

کہتے ہیں ”برا وقت انسان سے بس ایک قدم پیچھے ہوتا ہے۔“ ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا تھا، وہ اپنی دانست سالوں پہلے اس کالی ہاؤس کے معاملے اور ان میں ملوث اس ریکٹ کو مکمل بھول چکے تھے مگر انڈر ورلڈ سے تعلق رکھنے والے وہ بے ضمیر نشہ فروخت انہیں نہیں بھولے تھے، وہ ایک ملین بھات کی چوٹ اتنی آسانی سے بھولنے والے تھے بھی نہیں۔

ابھی قسمت کی سیاہی اتنی پھیکی بھی نہ پڑی تھی اور کم بختی ان کے ساتھ ہی محو سفر تھی بس یہ چند سال سنہرے کھنکتے سکوں کی مانند وقت کے تھال میں گر گئے اور وحشت ناک تاریکی نے پھر سے آنے والے وقت کو اپنے بے رحم شکنجے میں جکڑنا شروع کر دیا۔

وہ ایک خوشگوار دن تھا، حسب معمول تھائی اور تھونگز اپنے ریسٹورنٹ کے لئے روانہ ہو گئے اور وہ اپنے کالج، اگرچہ اس کے ایگزامز ہو چکے تھے اور جلد ہی اس کو ڈگری ملنے والی تھی۔

مگر آج سب دوستوں نے مل کر کالج اکٹھا ہونے کا پروگرام بنایا تھا، کالج میں مل کر پرانی یادیں تازہ کرنے کے بعد وہ سب ایک ساحلی مقام پر آ گئیں، شام تک یہاں موج مستی کرنے کے بعد وہ کھانا کھانے کے لئے ایک ریسٹورنٹ میں آ گئیں، اس کے بعد اس کی فرینڈز کا اصرار تھا کہ وہ انہیں اپنے رقص کی مہارت کی ایک جھلک دکھائے، وہ پہلے تو مان کر نہ دی مگر پھر نیم رضا مندی دکھا دی، طے یہ پایا کہ وہ سب اس کے گھر جائیں گے جہاں وہ کوئی خوبصورت لباس پہن کر ان سب کو رقص کر کے دکھائے گی، وہ اپنی گاڑی میں اپنے گھر کی طرف آ گئی، جبکہ باقی سب اسے آدھے گھنٹے بعد آنے کا کہہ گئیں، گھر لوٹ کر اس نے دیکھا کہ تھونگز کی گاڑی پورچ میں کھڑی تھی، اس کا مطلب تھا کہ وہ دونوں گھر آ چکے تھے، اسے بے حد خوشی ہوئی وہ دونوں کتنی بار اس سے فرمائش کر چکے تھے کہ وہ انہیں بھی رقص کر کے دکھائے گا وہ ہمیشہ ٹال جاتی آج اس نے سوچا کہ ان کا شکوہ بھی دور ہو جائے گا۔

اپنی دھن میں اپنے روم کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے قطعاً یہ نوٹ نہیں کیا کہ گھر میں کتنی غیر معمولی اور پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

گھٹنوں تک آتا خوبصورت اسکرٹ اور پنک ٹاپ پہن کر وہ اپنے دراز بالوں کو کسی اسٹائل میں باندھنے کا سوچنے لگی جب کچھ سمجھ نہ آئی تو اس نے تھائی سے مدد لینے کا سوچا، وہ کمرے سے باہر آ گئی، تھائی کے کمرے کی جانب آ کر اس نے دھیرے سے دروازہ کھٹکھٹایا، جواب میں ایک عمیق خاموشی کے سوا کچھ نہ تھا، اس نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔

کمرے میں گہری تاریکی تھی، یکا یک اسے کسی انہونی کا احساس ہوا، اس نے تیزی سے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا، کمرے میں جا بجا روشنیاں جل اٹھیں مگر اس کے ساتھ اس کی قسمت میں ہمیشہ کا اندھیرا اتر آیا، اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی، اس کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھٹ سی گئیں۔

سامنے ہی بیڈ پر تھائی اور تھونگز کی لاشیں پڑی تھیں، انہیں گولیاں ماری گئیں تھیں، وہ شاید ان کی طرف بڑھنا چاہتی تھی مگر یکدم وہ وہیں رک جانے پہ مجبور ہو گئی، دوڑتے ہوئے تیز قدموں کی آوازیں اور ساتھ ساتھ دو تین افراد بلند آواز میں چیخ رہے تھے۔

”وہ...... وہاں...... دوسری لڑکی بھی موجود ہے۔“ ان میں سے کوئی ایک تھائی زبان میں چیخا تھا۔

اس کے بے حس و حرکت وجود میں یکلخت ہلچل سی مچ گئی تھی وہ آنکھوں میں وحشت لئے پلٹی اور بے ساختہ دروازے کی سمت دوڑی، دوڑتے ہوئے اس نے جوتے اتار دیئے، جوتوں کا شور ان کو متوجہ کرنے کا باعث بن سکتا تھا، عقلمندی اس نے یہ کی تھی کہ داخلی دروازے کی طرف بھاگنے کی بجائے گھر کی عقبی سمت دوڑی تھی جہاں وسیع لان میں گھنی جھاڑیاں اور درخت تھے، وہ جھاڑیوں میں چھپ گئی، اس کا سارا وجود لرز رہا تھا اور بال کھلے ہونے کی وجہ سے کئی جگہوں پہ پھنس گئے تھے جن کو چھڑاتے ہوئے وہ اپنی سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش میں نڈھال سی ہو گئی تھی، آنے والے افراد تعداد میں شاید سات آٹھ تھے وہ اب پورے گھر میں پھیل کر اسے ڈھونڈ رہے تھے۔

ان میں سے دو گیٹ پر کھڑے نگرانی کر رہے تھے، لمحے جیسے صدیاں بن گئے تھے، گزرتے ہی نہ تھے، اسے لگ رہا تھا کہ اگر وہ مزید ان کانٹے دار جھاڑیوں میں دبکی رہی تو شاید بے ہوش ہو کر گر جائے، اس نے اپنی چیخیں ضبط کرنے کے لئے دونوں ہاتھ سختی سے منہ پہ رکھ لئے، اس کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے اور نظروں میں تھائی اور تھونگز کے مردہ، بے نور چہرے گھوم رہے تھے، اس کی روح اپنی آخری حد تک ضبط کر رہی تھی، مگر غم اتنا بے کراں تھا کہ ضبط محال تھا، قریباً ایک گھنٹے تک وہ اسے ڈھونڈتے رہے، پھر وہ سب گیٹ کے نزدیک اکٹھے ہو گئے، ان میں سے زیادہ تر کا یہ خیال تھا کہ وہ بھاگ گئی ہے، مگر ایک تیز آواز میں چیخ رہا تھا کہ

انہیں ہر حال میں اس لڑکی کو زندہ پکڑنا ہے کیونکہ ایسا باس کا حکم تھا، اب خدا جانے یہ ''کون باس'' تھا؟ اور شائی وانگ کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ یہ ان کے کون سے دشمن تھے، دوسری طرف اسے یہ فکر بھی کھائے جا رہی تھی کہ اگر وہ مزید نگرانی کے لئے ادھر ہی رک گئے تو وہ کب تک ان جھاڑیوں میں چھپی رہ سکے گی، تیسری طرف اسے موہوم سی امید یہ بھی تھی کہ اس کی دوستیں آ گئیں تو پھر لازما بہتر ہو سکے گا، ہو سکتا ہے یہ غنڈے بھاگ جائیں اور پھر پولیس کے آ جانے پہ سب کچھ...... ہاں شاید سب کچھ ٹھیک ہو سکتا تھا۔

حالانکہ وہ جانتی تھی یہ سب ''امکانات'' تھے مگر وہ مجبور تھی کہ مسلسل یہ دعا کرتی رہے کہ ان میں سے کچھ بھی سچ مچ واقع ہو جائے، پھر شاید اس کی دعا مقبول ہو گئی، وہ سب وہاں سے نکل گئے، اس نے بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آنے کا فیصلہ کیا، اس نے خود کو ان جھاڑیوں سے باہر نکالا اور ان کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی، بیرونی دیوار کی اونچائی آٹھ فٹ کے قریب تھی اس نے محتاط انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا اور جمپ لگا کر دیوار پھلانگ گئی، جیسے ہی اس نے گلی میں چلنا شروع کیا، یکا یک جیسے وہاں طوفان سا آ گیا۔

تیز چیخوں اور آوازوں کے ساتھ دو گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئی تھیں، اس نے وحشت زدہ ہرنی کی مانند سہم کر دیکھا اور اس کے منہ سے چیخ نکل گئی، دو پولیس کی گاڑیاں بنگلے کے سامنے موجود تھیں اور بنگلے کے اندر وہ سب افراد، اگلے ہی لمحے پہلا فائر ہوا اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے محاذ کھل گیا ہو، شائی وانگ نے وحشت کے عالم میں وہاں سے دوڑ لگا دی، پتا نہیں کتنی گلیاں اور کتنی سڑکیں اس نے بھاگتے ہوئے پار کیں، پھر یکدم ایک گلی کے باہر نکلتے ہی وہ ایک گاڑی سے ٹکرا گئی۔

''Help me ---- please help me'' وہ ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی، گاڑی رک چکی تھی۔

☆☆☆

اسید واپس لوٹا تو اسے اپنے کمرے میں ہلچل نظر آ رہی تھی، وہ لاؤنج میں رک کر کارروائی ملاحظہ کرنے لگا، حبا کسی ملازمہ کی مدد سے اس کے کمرے میں رکھے ہوئے پلانٹس باہر نکلوا رہی تھی، مرینہ بھی ایک طرف کھڑی تھیں۔

''ماما! یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے استفسار کیا۔

''کچھ نہیں بیٹا بس حبا پلانٹس کی سیٹنگ چینج کرنا چاہ رہی ہے، نئے بھی منگوائے ہیں بس وہی رکھوانا چاہ رہی ہے۔'' انہوں نے اطمینان سے بتایا۔

اسید کی پیشانی شکن آلود ہو گئی، اس نے حبا کو دیکھا جو اسے نظر انداز کیے ملازمہ کو ہدایات دینے میں مگن تھی۔

''ایکسکیوزمی خاتون! یہ واپس رکھیے، یہاں سے کچھ اٹھانے کی ضرورت نہیں، یہ سب میری پسند کا ہے اور مجھے کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔'' اس نے ٹھوس لہجے میں کہتے ہوئے ملازمہ کو دیکھا اور گملا واپس رکھنے کا اشارہ کیا، حبا نے چونک کر اسے دیکھا پھر مسکراتی ہوئی اس کی سمت بڑھ آئی۔

''کم آن اسید! تبدیلی تو کائنات کی فطرت ہے۔'' اسید نے اس کی بات کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

''ماما! میں آپ سے ریکوئسٹ کر رہا ہوں

کہ پلیز مجھے چینج نہیں چاہیے۔'' وہ ناراضی سے کہتا پھر سے باہر نکل گیا، مرینہ خاموشی سے اور حبا پھیکے چہرے سے اسے جاتا دیکھتی رہیں۔

حبا کا دل مدھم مدھم دھڑک رہا تھا، اسے اسید کبھی خود سے اتنی دوری پر محسوس نہ ہوا تھا، اس نے حبا کی بات کا جواب دینا تک گوارہ نہ کیا تھا، اس کے حلق میں ڈھیر سارا کسیلا دھواں جمع ہونے لگا، اس نے قدم اپنے کمرے کی سمت بڑھا دیئے۔

''حبا! کہاں جا رہی ہو؟ یہ سب کون دیکھے گا؟'' مرینہ نے اسے عقب سے پکارا تھا۔

''آپ دیکھ لیجئے ماما! میرا دل نہیں چاہ رہا۔'' اس نے مڑے بغیر کہا اور کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔

مرینہ حیرانی سے اپنے دونوں بچوں کے تیور ملاحظہ کرتی رہ گئیں، پھر انہوں نے حبا کی پسند کے سارے گملے رکھوا دیئے اور خود شام کا کھانا بنانے چلی گئیں، کچھ دیر بعد انہوں نے حبا کو بکس اٹھائے لاؤنج میں آتے دیکھا، مرینہ جانتی تھیں یہ اس کے پڑھنے کا ٹائم تھا، حبا اب کتابیں سینٹرل ٹیبل پہ رکھ کر خود فلور کشن پہ بیٹھ چکی تھی، مرینہ گو کچن میں مصروف تھیں مگر گاہے گاہے اس پر بھی نظر دوڑا لیتی تھیں وہ سر جھکائے کچھ لکھنے میں منہمک تھی، انہوں نے شام کی چائے دم کر لی تھی مگر اسید کے انتظار میں رک گئیں اور کچھ دیر بعد وہ بھی آ گیا۔

''السلام علیکم ماما!'' وہ دروازے سے ہی بلند آواز میں بولتے ہوئے اندر آیا تھا یہ اس کی عادت تھی، حبا اسی طرح سر جھکائے اپنے کام میں مصروف رہی، وہ بھی حبا کو دیکھ چکا تھا، اسی لئے اس طرف پلٹ آیا۔

''ماما! کچھ کھانے کو ملے گا؟'' اسید نے انہیں کچن کے دروازے میں کھڑے دیکھ کر مخاطب کیا۔

''ہاں کیوں نہیں؟'' وہ مسکراتی ہوئی پلٹ گئیں۔

اسید صوفہ پر نیم دراز تھا، حبا نے بے چینی سے پہلو بدلا اور پھر کچن کی طرف دیکھا، کچھ دیر بعد مرینہ ٹرے میں ان کے لئے چائے لے آئیں، ایک مگ انہوں نے حبا کے نزدیک رکھا اور دوسرا اسید کے اور اس کے ساتھ بڑی سی پلیٹ میکرونی کی بھی تھی، اسید کو میکرونی بڑی پسند تھی۔

''واؤ گریٹ۔'' اسید کی آنکھیں چمک اٹھیں، وہ بڑی رغبت سے کھانے میں مصروف تھا اور حبا خاموشی سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

''اچھی بنی تھی نا؟'' اسے پلیٹ خالی کر کے ٹیبل پہ رکھتے دیکھ کر حبا نے بڑے اطمینان سے پوچھا، اسید نے چونک کر اسے دیکھا۔

''میں نے بنائی تھی۔'' اس نے اپنی دانست میں انکشاف کیا تھا، اسید نے بے ساختہ ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''تم مجھے تیز کرنا چاہ رہی ہو حبا؟ میں جانتا ہوں تمہیں کوکنگ نہیں آتی۔'' وہ بڑے محظوظ ہونے والے انداز میں بولا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے میں یہ نہیں کر سکتی؟'' وہ عجیب سے انداز میں بولی تھی۔

''آف کورس ناٹ۔'' وہ پر یقین تھا۔

''ماما سے پوچھ لیتے ہیں۔'' اس نے چیلنج کیا، اس کے ساتھ ہی اس نے مرینہ کو بلند آواز میں پکارا۔

''ماما! اسید کو یقین دلائیں کہ میں کوکنگ کر سکتی ہوں اور یہ جو میکرونی تیار کی تھی وہ بھی سراسر میرا کمال تھا۔'' مرینہ اس کے بچکانہ انداز پر مسکرا

دیں۔

"حبا ٹھیک کہہ رہی ہے اسید!" انہوں نے تصدیق کر دی، حبا نے فاتحانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہی ہو، "اب بولو۔" اسید کے چہرے پہ حیرت ابھر آئی، پھر وہ کچھ بولے بنا حبا کے مقابل کشن پر ٹک گیا، وہ اسے فرسٹ ائیر کی "THE HOLLOW MAN" پڑھا رہا تھا اور حبا خاموشی سے اس کے ہاتھوں پر نظر جمائے بیٹھی تھی۔

"کیا اس خواہش سے دستبردار ہونا آسان ہے؟" اس نے دلگرفتگی سے سوچا۔

"کیا یہ مجھے نہیں مل سکتا؟" وہ شدید خود ترسی میں مبتلا ہونے لگی تھی، اسے کہیں پڑھی ہوئی بات یاد آئی۔

"جو نہ ملے اسے چھین لو۔" اس کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی، اسید نے حیرت سے اسے یوں خود بخود مسکراتے دیکھا۔

"تمہارا دماغ درست ہے؟ کہاں ہو تم؟" اس نے جھڑکا، جواباً وہ سر جھکا گئی مگر دل ہی دل میں اس سے محوِ کلام تھی۔

"میں تم سے بے تحاشا محبت کرتی ہوں اسید مصطفیٰ! میں تمہیں ہر حال میں حاصل کروں گی خواہ مجھے کچھ بھی کرنا پڑے، خواہ اس کی کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے، تم اتنے خاص ہو، اتنے انمول ہو کہ تم پر میں یہ پوری کائنات وار کے پھینک دوں اگر مجھے اختیار ملے، تو یہ طے پایا آج کہ تم صرف "میرے" ہو۔"

چلو ایسا کریں مل کر کے
ستارے بانٹ لیتے ہیں
ضرورت کے مطابق سب
سہارے بانٹ لیتے ہیں
محبت کرنے والوں کی
تجارت بھی انوکھی ہے
منافع چھوڑ دیتے ہیں
خسارے بانٹ لیتے ہیں
اگر ملنا نہیں ممکن تو
لہروں پہ قدم رکھ کر
ابھی دریائے الفت کے
کنارے بانٹ لیتے ہیں
میری جھولی میں جتنے بھی
وفا کے پھول ہیں ان کو
اکٹھے بیٹھ کر اک روز
سارے بانٹ لیتے ہیں
محبت کے علاوہ پاس نہیں
کچھ میسر......!
اسی دولت کو ہم قسمت کے
مارے بانٹ لیتے ہیں

☆☆☆

علینہ نے ہاتھ میں موجود کتاب سائیڈ پہ پھینکی اور اکتاہٹ سے نظر کمرے میں دوڑائی ہر چیز ویسی ہی تھی معمول کے مطابق، رکی ہوئی ٹھہری سی بالکل اس کی زندگی کی مانند، اس نے آنکھیں بند کر لیں، اس کی بے خواب آنکھوں میں نیند کا نام و نشان بھی نہ تھا، اس کا ذہن خلاؤں میں بھٹک رہا تھا۔

رمشہ، شاہ بخت اور علینہ، اس "ٹرائی اینگل" میں اس کا کیا کردار تھا؟ وہ نہیں جانتی تھی مگر یہ جگسا پزل حل کرنا جیسے اس کے لئے ناگزیر ہوتا جا رہا تھا۔

"مجھے شاہ بخت سے ایک بار تو بات کرنا ہی ہو گی، آخر وہ دونوں مجھے کیوں انوالو کر رہے ہیں؟ ان کا جو جھگڑا ہے وہ خود سلجھائیں، میں کہاں ہوں؟ اور رمشہ آپی نے میرے حوالے سے ایسی بات کیوں کی؟ کیا ان دونوں کے درمیان پہلے بھی میرا موضوع ڈسکس ہوتا رہا ہے؟" وہ الجھتی ہوئی کمرے میں چکرا رہی تھی، اسی حالت میں وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی، آئینے میں موجود عکس اس کا نہیں تھا، وہ تو کوئی دوسری علینہ تھی، وہ اپنے عکس کو گھورنے لگی۔

"تم جھوٹی...... دھوکے باز......" آئینے میں موجود عکس اس پر چلایا تھا، وہ بے بسی سے رونے لگی۔

"نہیں ایسا نہیں ہے۔" اس نے تردید کی تھی۔

"مت بولو اتنے جھوٹ۔" عکس اس پر چلایا تھا۔

"میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔"

"دغا باز! جاؤ سچ بولو اس سے، ہے ہمت تم میں؟" اس نے چیلنج کیا، وہ نفی میں سر ہلاتی ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"میں ایسا نہیں کر سکتی، مجھے ریجیکشن سے ڈر لگتا ہے۔" اس کے آنسو مزید رواں ہو گئے۔

"تو پھر ادھر ہی مرو اپنی جھوٹی انا اور بے بنیاد خوف کے ساتھ۔" اس کا اپنا عکس اسے تنہا چھوڑ گیا، وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئی۔

تمہارے معاملے میں خود میرا دل
میرے مدمقابل ڈٹ گیا ہے
عجب ہے آرزوؤں کا سفر بھی
ارمان بے چینوں سے اٹ گیا ہے

ہمیشہ کی طرح کوئی مہربان آغوش اس کے لئے وا نہیں ہوئی تھی، اس کمرے کی تنہائی میں وہ گزشتہ کئی سالوں سے تنہا تھی اور کتنے بے شمار مواقعوں پر وہ اسی طرح روتی رہی تھی، اسے پتا تھا آج بھی اسے خاموش کروانے کوئی نہیں آئے گا، وہ اس بڑے سے مغل ہاؤس میں تنہا تھی، جہاں افراد کی بہتات تھی، جہاں ہر شخص دوسرے سے محبت کرتا تھا، وہاں علینہ احمر مغل تنہا تھی۔

اگلے دن ناشتے کے بعد وہ عباس کے کمرے میں چلی آئی، آہستہ سے دروازہ بجا کر وہ اندر داخل ہوئی تو ٹھٹک کر رک گئی، بیڈ پر بڑی بے تکلفی سے شاہ بخت براجمان تھا۔

"وہ مجھے بھائی سے کچھ کام تھا، وہ کہاں ہیں؟" اس نے آہستہ سے استفسار کیا۔

"کون سا کام؟ مجھے بتاؤ؟" شاہ بخت کی آنکھوں میں شرارت چمک اٹھی۔

"لیکن آپ میرے بھائی نہیں ہیں۔" وہ بے ساختہ بولی تھی۔

شاہ بخت کا قہقہہ بے ساختہ تھا، علینہ جیسے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں اترنے لگی، اسے بولنے کے بعد احساس ہوا تھا، خدا جانے وہ کیا مطلب لیتا؟

"مجھے پتا ہے عینا۔" اس کا دھیما لہجہ بڑی چہکار لئے ہوئے تھا۔

"آپ مجھے ایسے مت مخاطب کریں پلیز۔" وہ سختی سے بولی تھی، شاہ بخت نے کچھ کہنا چاہا مگر اسی وقت ڈریسنگ روم کا دروازہ کھول کر عباس برآمد ہوا، وہ دونوں چونک گئے۔

"ارے علینہ آئی ہے، آؤ بھئی خیرت ہے؟" عباس اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران رہ گیا، مسکرا کر بولا تھا۔

"بھائی! وہ بکس کا کہنا تھا مجھے۔"

"گریجویشن کی بکس؟"

"جی آپ نے کہا تھا نا کہ آپ لا دیں گے۔" وہ یاددہانی کروا رہی تھی۔

"بالکل یاد ہے مجھے، شام کو ایک ساتھ چلیں گے، ٹھیک؟"

"جی ٹھیک ہے۔"

"عباس! مجھے لگتا ہے ہمیں اسے کسی اکیڈمی میں ایڈمیشن دلانا چاہیے۔" بخت نے مداخلت کی۔

"اکیڈمی؟" حیرانی سے عباس نے پوچھا۔

"ہاں، گھر میں یہ کیسے پڑھ پائے گی، اکیڈمی ٹائمنگ کی وجہ سے تھوڑا بزی بھی رہے گی۔"

"دیٹس دا آئیڈیا۔" عباس نے سراہا تھا۔

"ٹھیک ہے علینہ! شام کو دونوں کام ایک ساتھ ہی نمٹا لیں گے، میں معلوم کرواتا ہوں کہ نزدیک کوئی اچھی سی اکیڈمی ہو تو۔" عباس نے جھٹ پٹ سارا معاملہ طے کر لیا۔

علینہ کے پاس حامی بھرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، وہ سست قدموں سے باہر نکل آئی، آج شاہ بخت بھی آفس جا رہا تھا، وہ اور عباس اپنی اپنی گاڑی کی سمت بڑھ رہے تھے ایسے میں نیلم چچی نے کتنے ہی نوٹ وار کے ملاز[م] تھمائے تھے، ان کی آنکھوں میں خوشی کی بے تحا[شا] چمک نے چراغاں سا کیا ہوا تھا، بڑے بیٹے [...] نواز سے اگرچہ انہیں کوئی خاص خوشی نہ ملی تھی [...] دوسرے بیٹے کی حد درجہ حساس طبیعت اور ناز[ک] ہمیشہ انہیں دہلائے رکھتی تھی، اس کا متنازعہ کیر[یئر] بھی گھر کے لئے ہمیشہ ہاٹ ایشو رہا تھا۔

باقی سب کی طرح نیلم چچی بھی اس [...] ماڈلنگ فیلڈ کے خلاف تھیں مگر بیٹے کی محبت [میں] مجبور تھیں دوسرے یہ بات بھی سبھی جانتے تھے [کہ] اگر وہ اس فیلڈ میں تھا تو یہ سراسر وقار کی سرپر[ستی] تھی، اسے ہمیشہ سے شاہ بخت کی ضدیں مان[نے کا] خبط تھا اور نیلم کو یاد نہیں تھا کہ کبھی کوئی بات [اس] نے کہی ہو اور وقار نے پوری نہ کی ہو۔

درحقیقت وہ [a]pple of every one,s eye تھا اور اس وقت لگ بھی بڑا اپنا[...] اور گریس فل رہا تھا، رمشہ کے اندر اسے کھو د[ینے] کا احساس مزید زور آور ہو گیا تھا، پتا نہیں [یہ] چمکدار آنکھوں والا خوبصورت سا شخص کس [کے] نصیب میں تھا؟

"رمشہ! ادھر کیوں کھڑی ہو؟ آؤ چلیں۔" کومل نے اسے پکارا۔

وہ چونک کر متوجہ ہوئی پھر آنکھوں میں نمی اندر دھکیلتے ہوئے اس کے ساتھ بڑھ گئی۔

جس طور سے لوٹے ہیں گنوا کر دل و جاں [...]
اس طور تو ہارے ہوئے لشکر نہیں [...]

☆☆☆

"عشق مجازی اور عشق حقیقی میں کیا [فرق] ہے؟" حبا نے نوڈلز کا پیالہ اسید کی طرف [بڑھاتے ہوئے] اور بڑے ٹھہرے انداز میں پوچھا تھا، اسید [نے] ٹھٹک کر اسے دیکھا، وہ اب اسٹکس کی مد[د سے] نوڈلز کھا رہی تھی۔

"ایسی باتیں کہاں سے آتی ہیں تمہارے دماغ میں؟" وہ سرد مہری سے بولا۔

"اوہ کم آن اسید! پلیز ٹیک اٹ۔" اس نے اسٹکس اسید کو بھی تھمائیں، اسید نے پکڑ تو لیں مگر نوڈلز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"آئم ناٹ آ بے بی ناؤ، میں نے یہ پڑھی تو ذہن میں ایک سوال آ گیا، سوچا تم سے پوچھ لوں۔" وہ کتابوں کے ڈھیر میں سے "خدا اور محبت" نکال کر اسے دکھاتے ہوئے بظاہر بہت عام سے انداز میں بولی تھی۔

"یہ تمہارے پاس کہاں سے آئی؟" وہ حیران تھا۔

"تمہارے کمرے سے لی تھی۔" وہ سکون سے بتا رہی تھی۔

"ہاشم از آ گریٹ مین یو نو ہی از آ جینئس۔" وہ اب مصنف کی تعریفوں میں رطب اللسان ہو چکی تھی، اسید کی گھوریوں کو قصداً نظر انداز کرتے ہوئے۔

"کس کی اجازت سے؟" وہ بدستور چبھتے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

"اپنے دل کی اجازت سے۔" اس بار وہ مسکرائی تھی۔

اب کی بار اسید بھی مسکراہٹ روک نہ سکا، حبا ایسی ہی تھی، زبردستی کرتی، حق وصولتی اور بڑی بے خوف۔

"مجھ سے پوچھ کر پڑھا کرو بکس، یو آر ناٹ میچور۔" اس نے ڈانٹا تھا۔

"میرے سوال کا جواب؟" وہ اس کی ڈانٹ کو یکسر نظر انداز کر گئی تھی۔

اسید نے دانت کچکچائے تھے، وہ حد سے بڑھتی جا رہی تھی۔

"غصہ بعد میں کر لینا، نوڈلز ٹھنڈے ہو گئے تو کھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔" وہ اسے نوٹس کر رہی تھی۔

اسید ایک بار پھر ٹھٹک گیا، اس کی پہاڑی ندی جیسی طوفانی پیش قدمی میں اسے اپنا وجود خطرے میں لگ رہا تھا، اسے حبا کے تیور بڑے ناقابل فہم لگ رہے تھے، وہ بہت عجیب سی ہوتی جا رہی تھی، ہر وقت کھلکھلاتی رہتی، اسید اسے کچھ بھی کہتا، وہ غصہ ہی نہ کرتی، البتہ اس نے اسید کو تنگ کرنا بالکل ختم کر دیا تھا، اسٹڈیز میں پہلے کی طرح بہترین کارکردگی دکھا رہی تھی۔

مگر اب وہ ہمہ وقت اسید کے کمرے میں گھسی رہتی اور یہ عموماً تب وقوع پذیر ہوتا جب وہ وہاں نہ ہوتا، اکثر اسید کو اپنی سیٹنگ بدلی ہوئی لگتی، اس کی شرٹس کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور کمرے کی ڈیکوریشن میں حیرت انگیز انقلابی تبدیلیاں نظر آنے لگیں اور سب سے بڑھ کر یہ نئی تبدیلی، اب وہ اس کے ریک میں سے بکس بھی اڑانے لگی تھی۔

چھٹیاں ختم ہونے کے قریب تھیں، اسید کی یونیورسٹی اور حبا کا کالج پھر سے اسٹارٹ ہونے والا تھا۔

اسید کی مصروفیات اب بڑھ رہی تھیں، اسے پارٹ ٹو کی بکس، پیپرز، نوٹس اور کچھ اپنی شاپنگ بھی کرنا تھی، کلاسز اسٹارٹ ہونے سے چند دن پہلے تیمور احمد نے ان دونوں کو پاس بلایا تھا، حبا کو کیش اور اسید کو نیا کریڈٹ کارڈ تھمایا۔

"بھئی میں نے سوچا میرے بچوں کو شاپنگ کے لئے ضرورت ہو گی۔" وہ بے حد خوشگوار موڈ میں تھے، اسید پہ حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

ان کا اتنا خوشگوار موڈ اور ''میرے بچوں'' کا تکلم بڑے حیران کن تھا، مگر پھر وہ بھی مسکرا دیا، اگر وہ اتنا اچھا رویہ رکھ رہے تھے تو وہ کیوں موڈ خراب کرتا۔

''اپنی ماما کے ساتھ چلے جانا تم دونوں۔'' انہوں نے کہا۔

''جی پاپا!'' وہ بیک وقت بولے تھے، پھر تینوں ہنس دیئے۔

اسی رات وہ اس کے کمرے میں دودھ کا گلاس رکھنے آئی تو اسے آئینے کے آگے کھڑے شرٹ کی بٹن بند کرتے دیکھ کر رک گئی وہ اس کی سمت آیا، گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر وہ مڑا اور استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''بہت دن پہلے میں نے تم سے ایک سوال پوچھا تھا؟'' وہ بہت دھیمی آواز میں بولی تھی۔

''کون سا سوال؟'' وہ چونکا۔

''آج مجھے اس کو جواب مل گیا، اشفاق احمد کہتے ہیں۔''

''اپنی انا کو کسی ایک شخص کے سامنے پامال کرنے کے کا نام عشق مجازی ہے۔'' حبا کا چہرہ سنجیدگی سے پر تھا اور آواز میں عجیب سا سوز تھا، اسید پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا، وہ سخت بے چین دکھائی دے رہی تھی۔

''اپنی انا کو سب کے سامنے پامال کرنے کا نام عشق حقیقی ہے۔'' اس کی آنکھیں بہہ رہی تھیں، اسید کو دھچکا لگا تھا وہ بے ساختہ آگے بڑھ آیا۔

''حبا! کیا ہوا ہے؟ تم ایسے کیوں رو رہی ہو؟'' پریشانی اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔

''کاش تم سمجھ پاتے۔'' وہ آنسو صاف کرتی واپس مڑ گئی، وہ کتنی ہی دیر وہیں کھڑا رہا، رات اسے بہت دیر تک نیند نہیں آئی تھی، لیکن وہ یہ سوچ کر خود کو تسلی دیتا رہا کہ یہ حبا کا معمول کا دورہ تھا اسے ایسے Fits پڑتے رہتے تھے۔

اگلے دن وہ شاپنگ کے لئے گئے تو حبا کا موڈ حسب معمول خاصا خوشگوار تھا، وہ تقریباً ہر چیز میں اپنی رائے دے رہی تھی، کتنی ہی اپنی من پسند شرٹس اس نے اسید کے لئے لی تھیں، وشنگ کارڈز لئے تھے، پرفیوم اور کلونز، گھڑیاں اور ہیر جیل غرض وہ بے تحاشا روپیہ لٹا رہی تھی۔

اسید تو لاتعلق بنا ہوا تھا مگر مرینہ اس کی جذباتیت پہ ہنس رہی تھیں اور اسے بار بار ٹوک رہی تھیں کہ وہ اپنے لئے بھی کچھ خرید لے۔

رات کو جب وہ لدے پھندے لوٹے تو بے حد تھکے ہوئے تھے، کھانا ریڈی میڈ تھا، جو کہ انہوں نے واپسی پر پیک کروایا تھا۔

اگلے دن اسید کو اپنے سرہانے ایک سرخ گلاب اور خوبصورت کارڈ ملا تھا سرمئی اور بھورے رنگوں کے امتزاج سے سجا اداسی سے بھرپور سیوری کا کارڈ جس پر صرف ایک چھوٹی سی نظم تحریر تھی۔

ہمیں پتا ہے کہ
ہم نے کتنا سنبھل کے دیکھا!
نئی اور انجانی راہ گزاروں پہ چل کے دیکھا
ہزار رستہ بدل کے دیکھا
مگر میری جان!
ہر اک رستہ تمہاری جانب پلٹ گیا ہے
تمام نقشہ الٹ گیا ہے
وجود زخموں سے اٹ گیا ہے

اسید کا رنگ بدل گیا اور مٹھیاں بھینچ گئیں اور انہی مٹھیوں میں خوبصورت سا کارڈ چر مرا گیا۔

☆☆☆

کہانی ختم ہو گئی تھی اور آنسو ٹھہر گئے تھے، باہر دن کا اجالا پھیل گیا تھا، نوفل نے اپنی تھکی

ہوئی بے خواب آنکھیں مسلیں اور اسے دیکھا۔

''ہے کم آن، پلیز۔'' وہ اٹھ کر اس کے نزدیک چلا آیا، بڑی سہولت سے اس کے پاس بیٹھتے اس نے شائی وانگ کا ہاتھ تھام لیا وہ یوں متوجہ ہوئی جیسے پہلی بار اس کی موجودگی سے آگاہ ہوئی ہو۔

''نوفل! انہوں نے میری بہن اور بھائی کو مار ڈالا۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''رووَ مت، میں سب دیکھ لوں گا، اب تو اتنے دن ہو گئے، تمہاری تلاش میں نکلنے والے مایوس ہو چکے ہوں گے۔'' اس نے تسلی دی تھی۔

''میں تمہیں بتانا چاہتی تھی مگر میں بہت خوفزدہ تھی، تمہیں پتا ہے میں تو کہیں باہر بھی قطعاً نہیں نکلتی تھی کہ کہیں میں ان کی نظروں میں نہ آ جاؤں۔''

''کوئی بات نہیں، میں معلوم کرواتا ہوں کہ تمہارے گھر کا کیا بناء؟ اور اس سارے معاملے کی کھوج بھی کرنا ہی ہوگی۔''

''تھائی کا ریسٹورنٹ؟'' اس نے کہنا چاہا۔

''تم مجھے بتا دو میں دیکھ لیتا ہوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔'' نوفل اس کی ہر طرح سے پریشانی کم کرنا چاہتا تھا۔

رفتہ رفتہ اس کے دلاسوں سے بہلنے لگی اور اس کے چہرے سے پریشانی کے بادل بھی چھٹنے لگے، نوفل مسلسل اس سے باتیں کر رہا تھا، چھوٹی چھوٹی اس کی زندگی سے متعلق، تھائی کی یادیں، کالج فرینڈز، گیدرنگز اور وہ ہنستے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔

دل ہی دل میں نوفل نے اطمینان بھرا سانس لیا تھا، وہ اسے بہلانے میں کامیاب ہو گیا تھا، وہ اسے سمجھا رہا تھا کہ اسے فکر کرنے کی ضرورت نہیں وہ سب ٹھیک کر دے گا اور حقیقت بھی یہی تھی ہوٹل بزنس سے وابستہ ہونے کی بناء پر اس کے تعلقات اوپر تک تھے، بنکاک اور تھائی لینڈ میں اس کے کئی ہوٹل موجود تھے البتہ سنگاپور میں ابھی تک وہ اپنے ہاتھ پیر نہیں پھیلا سکا تھا، اس کی سب سے بڑی وجہ سنگاپور میں جگہ کی کم یابی تھی۔

جگہ کی اس کمی کے باعث وہ سنگاپور میں کوئی مناسب اور من پسند جگہ نہیں ڈھونڈ سکا تھا، البتہ کوششیں جاری تھیں۔

معاملے کی چھان بین کروانا اس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا حکومتی اور صحافتی حلقوں میں اس کی رسائی دور تک تھی، اس نے فوری طور پر اپنے آدمیوں کو حرکت میں آنے کا حکم دے دیا تھا اور اگلی صبح اس کے آفس پہنچتے ہی اس معاملے کی پوری فائل اب تک کی ہونے والی کاروائی کے ساتھ اس کی میز پر موجود تھی، فائل اسٹڈی کرتے ہوئے نوفل کی پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا اور پیشانی شکنوں سے بھرتی گئی، اس معاملے میں انڈر ورلڈ مافیا کا جو گروہ ملوث تھا اس کے پیچھے پولیس کئی سالوں سے لگی ہوئی تھی، مگر تا حال اس کا کلی طور پر خاتمہ نہیں کیا جا سکا تھا۔

اس نے بڑی تیزی سے لائحہ عمل بناتے ہوئے کئی افسران کو فون کیے تھے اور ان کی طرف سے اسے مکمل تعاون کی یقین دہانی کروائی گئی تھی، سیکیورٹی کا تو کوئی مسئلہ ہی نہ تھا، وہ اس کے پاس پہلے ہی فول پروف تھی، شائی وانگ اب اس کے ساتھ آفس آ رہی تھی، وہ اس کی سیکرٹری کی پوسٹ سنبھال چکی تھی۔

نوفل کی اطلاعات کے مطابق اس رات تھائی اور تھونگز کے گھر میں ہونے والی جھڑپ پولیس کی آمد کے ساتھ مزید ثبوت اختیار کر گئی تھی، اس گروہ کے دو ساتھی مارے گئے جبکہ باقی

بھاگ گئے تھے، البتہ کوئی بھی پکڑا نہ جا سکا تھا جس کی وجہ سے معاملے کی تفتیش آگے نہ بڑھ سکی، بنگلے سے ملنے والی لاشوں کی سرکاری طور پر آخری رسومات ادا کر دی گئیں، بنگلہ سیل کر دیا گیا تھا اور تھائی کے ریسٹورنٹ پر پولیس چیک لگا دیا گیا۔

پولیس نے اعلان کر رکھا تھا کہ ''شائی وانگ'' نام کی لڑکی جہاں کہیں بھی روپوش ہے وہ واپس آ جائے اسے مکمل طور پر سرکاری سرپرستی اور باحفاظت سیکیورٹی فراہم کی جائے گی۔

نوفل نے یہ ساری تفصیلات اس کے گوش گزار کر دی تھیں، وہ تھائی اور تھونگز کو یاد کر کے کتنی دیر روتی رہی اور نوفل تسلی آمیز انداز میں اس کا ہاتھ تھپکتا رہا، پھر اس نے وہی کیا جس کی نوفل کو امید تھی، اس نے پولیس جانے اور ریسٹورنٹ پر قبضہ لینے سے صاف انکار کر دیا، نوفل اسے ریلیکس کرتے ہوئے مسلسل اسے دلاسہ دیتا رہا کہ وہ خود دیکھ لے گا، اس کے بعد اس نے ریسٹورنٹ کو اپنے آدمیوں کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

☆☆☆

''رائل اکیڈمی'' کے گیٹ پہ گاڑی روکتے ہوئے عباس نے علیہ کو اترنے کا اشارہ کیا وہ بیگ سنبھالتی دوسرے ہاتھ سے اسکارف درست کرتی باہر نکل آئی، اکیڈمی ان کے گھر سے دو بلاک آگے ایک بہت بڑا بنگلہ تھا جسے اکیڈمی کی شکل دے دی گئی تھی، باہر سے دیکھنے پر یہی محسوس ہوتا تھا کہ وہ کوئی رہائشی گھر ہو چاروں طرف وسیع لان تھا جس کے بیچ خوبصورت آف وائٹ پینٹ والی عمارت بہت شاندار تھی۔

یہ اس کے گھر سے اتنی نزدیک تھی کہ وہ چاہتی تو پیدل چلتی ہوئی یہ درمیانی فاصلہ باآسانی طے کر سکتی تھی، عباس اکیڈمی میں اس کا ایڈمیشن کروا چکا تھا، وہ دونوں چلتے ہوئے اندرونی عمارت کی سمت بڑھ گئے، علینہ نے بنیادی طور پر دو سبجیکٹس چوز کیے تھے اکیڈمی میں پڑھنے کے لئے، انگلش اور نفسیات۔

عباس اسے اس کی کلاس میں چھوڑنے کے بعد رخصت ہو گیا، وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

اکیڈمی میں کو ایجوکیشن تھی، بہت سے لڑکے لڑکیاں آ جا رہے تھے، بعض کرسیوں پر براجمان خوش گپیوں میں مصروف تھے، وہ قطار میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی، نیلے رنگ کی یہ کرسیاں بڑے سے ہینڈل اور جومیٹری بکس پر مشتمل تھیں اس نے ہینڈل پر بکس رکھیں اور قدرے بوریت اور اداسی محسوس کرتے ہوئے ہینڈل پہ ہی اپنا سر رکھ دیا۔

''یہاں تو کوئی بھی میرا دوست نہیں بن سکتا اور میری دوست تو بس ندا ہے پتا نہیں وہ کیا کر رہی ہے، میں نے اسے کبھی فون ہی نہیں کیا۔'' وہ سوچتے ہوئے کڑھ رہی تھی، اپنے آپ میں گم اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ اردگرد موجود ہلچل مدھم پڑنے لگی، کرسیاں گھسیٹنے اور سیدھی کرنے کی آوازیں آنے لگیں، پھر یکدم خاموشی سی چھا گئی اور اسی خاموشی میں کوئی دھم سے اس کے برابر والی کرسی پر آن بیٹھا، علینہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

انیس بیس سال کا وہ لڑکا بڑی خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ اسے اپنی انگلیاں ہلاتے ہوئے ہیلو کر رہا تھا، علینہ نے قدرے چونکتے ہوئے سپاٹ انداز میں سر سیدھا کر لیا۔

''میں حیدر عباس ہوں۔'' وہ اب اپنا تعارف کروا رہا تھا اس کی آواز بڑی خوبصورت اور کھنک دار تھی مگر علینہ کو اس کے نام میں موجود

''عباس'' نے اس کی طرف متوجہ ہو جانے پہ مجبور کیا تھا۔

''علینہ!'' اس نے اپنا نام بتا دیا جانے کیوں حالانکہ وہ قطعاً خوشگوار موڈ میں نہیں تھی اور کسی اجنبی سے تو بالکل بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی، اب اس کے اس طرح نام بتانے پہ حیدر کے چہرے کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی تھی۔

''علینہ......!'' اس نے زیر لب دہرایا۔

''کین آئی کال یو لینا؟'' وہ بے ساختگی سے پوچھ رہا تھا۔

اب کی بار علینہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، پہلی ملاقات میں ہی بلکہ چند لمحوں کی شناسائی کے بعد ہی کتنے سکون سے اس کا نک نیم منتخب کر چکا تھا۔

''سوری، یو کانٹ۔'' اس نے قدرے خفگی سے کہا اور سر سیدھا کر لیا، وہ اس کے ماتھے پہ آئی شکن دیکھتے ہوئے یکدم ہنس دیا، اس کی ہنسی کی آواز سن کر جھٹکے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا بلکہ گھورا۔

''او کے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر ''سیز فائر'' کا اشارہ کیا۔

''تو علینہ! تم یہاں کون سے سبجیکٹس پڑھنے کے لئے آئی ہو؟'' اس نے علینہ پر خاصا زور دے کر پوچھا تھا۔

''انگلش، سائیکالوجی۔'' اس نے بتایا۔

''ویری گڈ، سائیکالوجی میں انٹرسٹ ہے؟'' وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

''تھوڑا بہت۔'' اس نے شانے اچکائے، وہ حیران ہوا۔

''یہ تمہارا میجر سبجیکٹ ہے پھر بھی تم ایسا کہہ رہی ہو؟''

''انسٹیلی اسپیکنگ مجھے اس کی اتنی سمجھ نہیں آتی۔'' وہ بنا شرمندہ ہوئے بتانے لگی۔

''پھر تم نے چوز کیوں کیا؟'' وہ حیرانی سے بولا۔

''میں نے کب کیا؟''

''تو پھر کس نے کیا؟''

''بھائی نے۔''

''پڑھنا تم نے تھا یا بھائی نے؟'' اب کی بار وہ قدرے جھلایا تھا۔

''فیصلے بھائی کرتے ہیں نا۔'' وہ جیسے اس کی بے وقوفی پہ ماتم کرتے ہوئے بولی تھی۔

''واٹ؟''

''کیا مطلب؟ واٹ؟'' وہ حیران ہوئی۔

''زندگی تمہاری، اسٹڈی تمہاری، مرضی تمہاری، کیریئر تمہارا اور فیصلہ کرتے ہیں تمہارے بھائی؟'' وہ گنواتا ہوا بولا تھا۔

''بس ہماری فیملی ایسی ہی ہے۔'' وہ اپنے خول میں سمٹ گئی، حیدر نے حیرانگی سے اس کے چہرے کے بدلے تاثرات دیکھے، پھر موضوع بدل گیا۔

''ویسے میرا فیورٹ سبجیکٹ ہے سائیکالوجی۔''

''امیزنگ، تمہیں سمجھ آ جاتی ہے؟'' وہ اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

''بہت آسانی سے اور میں تمہیں مزے کی بات بتاؤں علینہ!'' اس نے پھر سے علینہ پہ زور دیا تھا۔

''کیا؟''

''میں ماسٹرز کا اسٹوڈنٹ ہوں۔''

''تو پھر اس کلاس میں کیا کر رہے ہو؟'' وہ حیرت سے چیخ سی پڑی، یقیناً وہ بائیس تئیس سال کا تھا مگر چہرے سے کم عمر جھلکتی تھی۔

''یہ تو نہیں کہہ سکتا انجوائے منٹ، کچھ کام

ہے مجھے۔"

"کیسا کام؟" وہ مشکوک سی ہو کر اسے گھورنے لگی، وہ بے ساختہ ہنس دیا۔

"لینا! اتنا شک کیوں کرتی ہو؟" دوستانہ انداز میں کہتا وہ اس کے نام کے عین کو بڑے غیر محسوس انداز میں ختم کر گیا تھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"اٹس اوکے، ویسے مجھے کچھ ٹاپکس پہ میڈم صوفیہ کے لیکچرز چاہیے تھے اسی لئے میں ان کی کلاس اٹینڈ کر رہا ہوں۔"

"کیسے لیکچرز؟ اور تم ان کا کیا کرو گے؟"

"مجھے کچھ سائمنٹس تیار کرنا ہیں۔"

"تو تمہارے باقی فیلوز بھی کر رہے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، وہ نہیں کر رہے۔"

"تو پھر تم کیوں؟" وہ ایک بار پھر حیران رہ گئی۔

"مجھے اپنے نوٹس بنانے کی عادت ہے۔" اس کے انداز میں کسی قدر بے نیازی آ گئی، علینہ جواباً سر ہلا کر کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئی، کچھ دیر بعد سائیکالوجی کی کلاس شروع ہو گئی، کتابیں اور نوٹ بکس کھل گئیں، سر جھک گئے اور قلم رواں ہو گئے، پورے پچاس منٹ کے لیکچر کے دوران اس نے ایک بار بھی علینہ کی طرف نہیں دیکھا تھا اس کا قلم روانی سے کچھ نہ کچھ نوٹ کرنے میں مصروف رہا تھا، علینہ کی نظر غیر محسوس انداز میں کئی بار اس کی چیئر کی طرف گئی تھی، اس کی ہینڈ رائٹنگ روانی میں لکھے جانے کے باوجود بے حد خوبصورت تھی۔

کلاس ختم ہونے کے بعد وہ تیزی سے چیزیں سمیٹنے میں مصروف ہو گیا، چیئر سے اٹھنے کے بعد اس نے علینہ کو دیکھا جو خاصی ہونق سی بنی اسے دیکھ رہی تھی۔

"کچھ کھانے چلیں؟" اس نے کہا۔

"کہاں؟" وہ بے ساختہ بولی۔

"یہاں تک شاپ (Tuk Shop) ہے۔" اس نے بتایا۔

"لیکن میں...... وہ......" وہ ہچکچا سی گئی۔

"کیا ہوا؟" اس نے استفسار کیا۔

"وہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ......" وہ بے حد شرمندہ لگ رہی تھی، حیدر بے ساختہ مسکرا دیا اور پھر سے چیئر پہ بیٹھ گیا۔

"وی آر ناٹ فرینڈز؟" وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا، علینہ نے چونک کر اسے دیکھا اس کے چہرے پہ حیرت ثبت تھی۔

"فرینڈز؟"

"Yeah , i want to friendship to you۔" وہ مسکرایا تھا، علینہ کشش و پنج میں مبتلا اسے دیکھتی رہی۔

"اوہ کم آن لینا! فیصلہ لینے میں اتنی دیر؟" و اس کی ہچکچاہٹ دیکھ کر بولا۔

"نہیں، ایکچوئلی وہ......" وہ رک گئی۔

"کیا تمہارے اتنے زیادہ دوست ہیں کہ تم ایک مزید بنانے میں ہچکچاہٹ ہو رہی ہے؟"

"ایسا تو نہیں ہے، میری تو بس ایک ہی دوست ہے۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"ایک دوست؟ صرف ایک؟ واٹ آ جوک۔" وہ ششدر سا رہ گیا۔

"میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ کچھ برا مان گئی۔

"اوکے تم مجھے سیکنڈ کے طور پر چوز نہیں کر سکتیں؟" وہ سر ہلا کر کہنے لگا، علینہ نے بے اختیار سر ہلا دیا، حیدر نے ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا۔

"فرینڈز؟"

"آف کورس۔" علینہ نے ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

"ویل، ناؤ کین آئی کال یو لینا؟" وہ بے حد چمکدار آنکھیں لئے گہری مسکراہٹ لبوں پہ سجائے اس کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ بے اختیار کھلکھلا اٹھی۔

"اوکے۔" اس نے شانے اچکائے تھے، کچھ دیر بعد وہ دونوں مسکراتے ہوئے باہر کی سمت بڑھ گئے۔

علینہ احمر مغل سے حیدر عباس کی یہ پہلی ملاقات قطعاً آخری ثابت نہیں ہوئی تھی، صرف چند دنوں میں ہی وہ دونوں ایک دوسرے کے بے حد نزدیک آ گئے تھے، حیدر عباس نے اس کے لئے زندگی کا مفہوم بالکل بدل کر رکھ دیا تھا وہ اس کی زندگی میں آکسیجن سے زیادہ اہم اور پانی سے زیادہ ضروری ہو گیا تھا۔

وہ علینہ احمر مغل کی زندگی میں کسی جن کی طرح آیا تھا اور اس کے دماغ پر کسی آسیب کی طرح چھا گیا تھا۔

حیدر عباس!" اس کی زندگی میں بہار کے اس مہکے اور معطر جھونکے کی مانند آیا تھا جو ننھے سے روزن سے اندر آ کر کمرے کو خوشبو سے بھر دیتا ہے، بظاہر بہت با ادب، کم گو اور معصوم سی علینہ بہت جلد اس کے ساتھ اس حد تک اٹیچ ہو گئی کہ اس کو ایک گھنٹہ پہلے ہی اکیڈمی بھاگنے کی پڑ جاتی، اکیڈمی گھر کے قریب ہونے کی بنا پر وہ اس ٹینشن سے بھی آزاد تھی کہ کسی کے چھوڑ کے آنے کا انتظار کرے یا پھر ڈرائیور کے ساتھ مشروط ہو جائے۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ صرف اس سے متاثر تھی یا یہ ٹین ایج کو کوئی کریش تھا، ایسا بھی نہیں تھا کہ میل اٹریکشن تھی مگر پھر بھی حیدر میں کچھ تو ایسا تھا جو اسے اس شدت سے اپنی طرف کھینچتا تھا کہ وہ خود کو بے بس پاتی تھی، اس میں بے شمار خوبیاں تھیں، وہ بے حد جینیئس تھا، علینہ تو پہلے دن ہی اس سے امپریس ہو گئی تھی جب اس نے جانا کہ وہ نفسیات میں کتنی کمانڈ رکھتا تھا اور بہت جلد وہ علینہ کو بھی اپنے ٹریک پر لے گیا۔

"لینا! میں حیران ہوں تمہیں اسٹڈیز میں بالکل انٹرسٹ نہیں ہے۔"

علینہ کو یاد تھا کہ اسے حیدر نے یہ بات اکیڈمی آنے کے تیسرے دن کہی تھی اور علینہ جواباً کچھ بولنے کی بجائے بگڑے تاثرات لئے ہوئے کرسی کے ہینڈل کو گھورتی رہی۔

"انٹرسٹ؟ ڈویلپ کیسے ہوتا ہے؟" وہ پوچھنے لگی۔

"ڈویلپ کیا نہیں جاتا لینا! انٹرسٹ ہو، پڑھا ہی تب جاتا ہے۔"

"حیدر! آئم سیریس۔" وہ اس کے ری ایکشن پہ حیران رہ گئی تھی۔

"اینڈ یو تھنک؟ آئم جوکنگ؟" اس نے لینا کو گھورا۔

"ارے نہیں۔" وہ ہنسی۔

"اوکے، ذرا مجھے یہ بتاؤ، تمہیں نفسیات میں انٹرسٹ کیوں نہیں ہے؟"

"بس مجھے یہ سبجیکٹ اچھا ہی نہیں لگتا۔" اس کے انداز میں اکتاہٹ تھی۔

"تو گریجویشن میں اسے چوز کیوں کیا؟"

"پتا نہیں۔" اس نے شدومد سے انکار کیا۔

"چلو یہ کیا بات ہوئی، لیکن تمہیں ایٹ لیسٹ اس بار تو خاصی اسٹرگل کرنا پڑے گی، کیونکہ تمہارا پریکٹیکل اور وائیوا بھی ہے اس بار اور تم کہہ رہی ہو انٹرسٹ نہیں؟"

"ہوجائے گا۔" اس نے شانے اچکائے۔

"ہو نہیں جائے گا، لینا! کرو گی تب ہی ہو گا۔" اس نے زور دیا، علینہ نے سر جھٹکا۔

"لیو اٹ۔" وہ حیدر کی کتاب کے صفحات الٹنے لگی۔

تجھے محتاط کرتا ہوں تیری میں جان لے لوں گا
ان اپنی جھیل آنکھوں کو کبھی پرنم کیا تو نے!

اس کی نگاہ ٹھٹک کے رک گئی، چند لمحے تک وہ اس شعر کی خوبصورتی کے حصار سے نکل نہ سکی۔

"کیا ہوا؟" وہ اس کے بدلے تاثرات دیکھ کر چونکا تھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے کتاب بند کر دی۔

"تم اتنی کیئرلیس کیوں ہو لینا!" اس کے رویے نے حیدر کو تپا دیا تھا، وہ خاموشی سے ناخن سے کتاب کی جلد اکھیڑتی رہی۔

"اتنے سوال مت کیا کرو حیدر۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔

"یہ مشورہ ہے یا حکم؟" وہ جیسے بہت جل کر بولا تھا۔

"جو تم سمجھو۔"

"بیکار ہے، مشورہ کی مجھے ضرورت نہیں اور حکم میں مانوں گا نہیں۔" اس کا لہجہ اکھڑ اور دو ٹوک تھا، علینہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر کتابیں سمیٹتی ہوئی اٹھ گئی۔

"تم ناراض ہو؟" وہ بے ساختہ بولا، علینہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"نہیں۔"

"کہاں جا رہی ہو؟"

"میری انگلش کی کلاس ہے۔" وہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

جبکہ حیدر وہیں بیٹھا رہ گیا تھا، علینہ کی یہ عجیب سی خاموشی اور سنجیدگی حیدر کو از حد کھل رہی تھی، مگر وہ یہ سمجھنے میں ناکام تھا کہ آخر علینہ کو ہوا کیا تھا؟ دو دن مسلسل وہ اسے کریدتا رہا مگر وہ جواباً خاموشی سے سر جھکا لیتی ناکام ہو کر اس نے یہ موضوع چھوڑ دیا، چند دن بعد علینہ کا موڈ بخود درست ہو گیا، حیدر چونکا تو تھا ہی مگر اسے علینہ کی یہ خاموشی اور موڈ بھولا نہیں تھا، اسے اس کے بارے میں جاننا تھا اور ہر حال میں جاننا تھا، پتا نہیں کیوں اسے یقین تھا کہ "علینہ مغل" وہ نہیں تھی جو نظر آتی تھی۔

☆☆☆

اسید کا موڈ تو مستقل بگڑ چکا تھا، دوسری طرف حبا بھی کچھ بے نیاز، ہمیشہ کی طرح اس نے اس بار بھی اسید کے بگڑے موڈ کو خاطر میں لانے کی کوشش نہیں کی تھی، آج کل میں حبا کے مڈٹرم ٹیسٹ سٹارٹ ہو رہے تھے، فی الحال تو وہ دیگر ساری چیزیں نظر انداز کیے اسٹڈیز میں مگن تھا، ساری تیاری ہونے کے باوجود اسید کو مطمئن کرنا

بھی ایک مرحلہ لاحاصل تھا، اسید جیسا Perfectionist جو گفتگو بھی نپی تلی کرنا پسند کرتا تھا بھلا حبا جسے وہ کبھی اپنا بچہ کہا کرتا تھا اس میں کہاں کمی برداشت کر سکتا تھا؟ یہ درست تھا کہ اب حبا سے اس کی وہ کلوزنیس اور فرینڈشپ نہیں رہی تھی مگر بہرحال اس کی اسٹڈیز میں پوزیشن کو برقرار رکھنا اس کے لئے چیلنج تھا جو تیمور احمد نے اسے دیا تھا اور اسے ہر قیمت پہ اسے برقرار رکھنا تھا۔

صبح انگلش کا پیپر تھا اور حبا کی شامت آئی ہوئی تھی، وہ اسے صبح دس بجے کا لے کر بیٹھا ہوا تھا اور اب شام کے چار بج رہے تھے حبا کا اس وقت تھکن اور بھوک سے برا حال ہو رہا تھا کتنی بار وہ رحم طلب نظروں سے اسے دیکھ چکی تھی مگر وہ یکسر انجان بنا بیٹھا تھا۔

"دس منٹ کی بریک مل سکتی ہے؟" حبا نے لہجے میں جہاں بھر کی مسکینیت بھرتے ہوئے کہا، اسید نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے کچھ کھانا ہے۔" وہ ضد کرنے والے انداز میں بولی۔

"اوکے مگر صرف دس منٹ۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دینے والے انداز میں کہا تھا، جواباً وہ سر ہلاتی کچن کی طرف بھاگ گئی، کچھ دیر بعد وہ ٹرے سیٹ کر کے لے آئی تھی، اسید صوفے پہ نیم دراز موبائل پر مصروف تھا۔

"اسید کھانا۔" اس نے کہا۔

"موڈ نہیں۔" اس نے موبائل سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

اسید کے اس لاتعلق جواب پر حبا نے جلتی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا اور ہاتھ میں پکڑا چمچ زور سے ٹرے میں پٹخا اور طیش سے اٹھ کھڑی ہو گئی۔

"مجھے نہیں پڑھنا اور نہ تم مجھ پر رعب ڈالنے کی کوشش کرنا۔" اس نے بلند آواز میں دھاڑتے ہوئے کہا اور تن فن کرتی یہ جا وہ جا۔

اسید نے مزید بگڑے تاثرات کے ساتھ اسے جاتے دیکھا اور سر جھٹک دیا۔

☆☆☆

ناشتے کی میز پر نوفل نے اسے ویلکم کیا، وہ مسکراتے ہوئے اس کے مقابل بیٹھی تو نوفل کو یہ سہانی صبح مزید خوبصورت محسوس ہونے لگی تھی اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، حادثاتی طور پر ملنے والی یہ لڑکی اس کی زندگی میں بے پناہ اہمیت حاصل کر چکی تھی، پاپا نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

"چہروں سے دل کا حال ظاہر نہ بھی ہو تب بھی اس لڑکی کی معصومیت اس کے چہرے سے ہی ظاہر تھی۔" اور اب جبکہ نوفل ساری حقیقت جان چکا تھا تب اس کے دل میں اس کے لئے عزت و محبت مزید بڑھ گئی تھی، اس نے پاپا کی بات ماننے کا فیصلہ کرتے ہوئے آج شائی وانگ کو پرپوز کر دیا تھا اور اس کا ردعمل نوفل کے لئے بے حد حیران کن تھا، اس کا خیال تھا کہ وہ خوش ہو گی، کیونکہ اتنا تو اسے اندازہ تھا کہ وہ نوفل کو پسند کرتی تھی مگر جب اس نے ہچکچاتے ہوئے انکار کیا تب نوفل شاکڈ رہ گیا تھا۔

"مگر کیوں؟ تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

"آئم سوری نوفل مگر میں خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتی۔" اس کا لہجہ رنجیدگی سے پر تھا۔

"کیا مطلب؟ تم کیا کہہ رہی ہو؟" نوفل نے بے تابی سے کہا، وہ نظریں چرا گئی۔

"تم ہر لحاظ سے ایک مکمل انسان ہو نوفل! تمہارے لئے تو کوئی بہت خاص لڑکی ہونی چاہیے، جبکہ میں تو کسی طرح بھی تمہارے قابل نہیں ہوں، میری اسٹڈیز مکمل نہیں ہیں، میرے

پاس ڈگری نہیں ہے، میں کوئی بہت اچھا بیک گراؤنڈ نہیں رکھتی اور میں دولت مند بھی نہیں ہوں بلکہ میں تو خود تمہارے آسرے پہ پڑی ہوں۔" آخری الفاظ کہتے ہوئے اس کی آواز رندھ گئی تھی، نوفل عجیب سے انداز میں مسکرایا اور اس کی طرف جھک آیا۔

"یہ تو تمہاری کیٹگری تھی لیکن مجھے یہ بتاؤ اس میں محبت کہاں ہے؟"

"محبت؟" وہ ہونق پن سے بولی۔

"ہاں، مجھے یہ بتاؤ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں؟" نوفل نے اسے دیکھا۔

"میں تم سے محبت کرتی ہوں نوفل لیکن......" اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"بس میری پیاری شائی وانگ! محبت کے بعد لیکن نہیں ہوتا اور یاد رکھنا میرے نزدیک یہ ساری چیزیں ثانوی ہیں اور انسان اہم ہیں اس پر ہجوم اور بے حس شہر میں، میں روبوٹس سے ملتا ملتا تھک چکا تھا جب تم مجھے ملیں اور مجھے احساس ہوا کہ ہاں کھلی ہوا کے لئے ایک روزن کھلا ہے، ہاں ابھی انسان باقی ہیں، سنو! تم سے ایک گزارش ہے، محبت کے اس جاں فزا احساس کو محسوس کرو اور دیکھو اگر اس دنیا میں ہمیں ایک بھی ایسا ساتھی مل جاتا ہے جس کی رفاقت ہمیں زندگی کا احساس دلاتی ہے تو کیا یہ اللہ کا انعام نہیں ہے؟" وہ اس کے چہرے پہ نظریں گاڑے بولتا جا رہا تھا اور گنگ بیٹھی شائی وانگ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ہاں یہ واقعی انعام ہے مگر سنو نوفل آج مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم بھی ایک انعام ہو اللہ کا اور وہ بھی خاص میرے لئے۔" وہ جذب سے کہتی بہت خوبصورتی سے محبت کا اظہار کر گئی تھی۔

نوفل کے اندر زندگی جاگ اٹھی، اسے وہ یوں تو پسند تھی ہی مگر اس کے لمبے بال خاص طور پر اسے عزیز تھے، کچھ دن بعد اس نے پاپا کو بتا دیا اور ساتھ ہی انگیج منٹ کا بھی کہہ ڈالا، وہ از حد خوش تھے، خوشی کی بات تو تھی، کہاں وہ پتھے پہ ہاتھ نہیں دھرنے دیتا تھا اور کہاں خود سے اقرار کر رہا تھا، انہوں نے فوراً حامی بھرتے ہوئے آنے کا ارادہ ظاہر کر دیا تھا، وہ تو اڑتے ہوئے آنا چاہتے تھے۔

نوفل نے اس کے ساتھ ساری شاپنگ کی تھی، اسے اس کی پسند کا ڈریس دلوایا تھا دونوں نے مل کر رنگ پسند کی تھی، ڈھیر ساری جیولری لی تھی، نت نئے ریسٹورینٹس میں کھانے کھائے تھے اور خوب سارا انجوائے کیا تھا، غرض ان چند دنوں کو ان دونوں نے بے انتہا انجوائے کیا تھا، وہ ڈھیر سارے جوکس سنا سنا کر ایک دوسرے کو خوش کرتے رہے، ضد کر کے کولڈ ڈرنکس پی تھیں، نوفل نے اسے پاکستانی ہوٹلز سے کھانے کھلائے تھے، جنہیں اس نے نوفل کا دل رکھنے کے لئے ناک اور آنکھیں سے بہتے پانی سمیت کھایا تھا، کیونکہ بنیادی طور پر تھائی باشندے پھیکی غذا کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔

اور پھر وہ خوبصورت دن آ گیا، نوفل اور پاپا بے حد خوش تھے اور شائی وانگ بھی کھلی جا رہی تھی، جب نوفل نے بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس ہو کر سیلون سے اسے پک کیا تو وائٹ گاؤن میں وہ کوئی اپسرا لگ رہی تھی، نوفل کو اپنی خوش قسمتی پہ ناز ہوا تھا، وہ دونوں مسکراتے ہوئے لمبی سی لیموزین کی بیک سیٹ پہ بیٹھ گئے، سارے راستے وہ بہت خوشگوار موڈ میں باتیں کرتے ہوٹل پہنچے تھے، آج نوفل اتنا خوش تھا کہ آج کے دن اپنی سیکورٹی سے یکسر بے نیاز ہو گیا تھا، مگر وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ بعض دفعہ بے نیازی مار

ڈالتی ہے، بے خبری کتنی بڑی نعمت ہے جبھی تو وہ اتنے خوش تھے، مگر بعض دفعہ معمولی سی غلطی بھی جان لیوا ثابت ہوتی ہے اسی طرح جیسے ہی وہ لوگ ہوٹل پہنچے نوفل نے اتر کر دروازہ کھلا اور ہاتھ آگے بڑھا دیا، شائی وانگ کے چہرے پہ ایک طمانیت بھری اور زندگی سے بھرپور مسکراہٹ ابھری تھی، وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے دھیرے سے گنگنایا تھا۔

I wanna ein your love
Hey baby i wanna win you

وہ نقرئی ہنسی ہنسی تھی۔

یہ ایک مکمل اور شاندار جوڑا تھا جسے دیکھ کر صدیق خوشی سے کھل اٹھے تھے، وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے پارکنگ سے ہوٹل کے مین گیٹ تک آ گئے دربانوں نے فوراً مین گیٹ کے گلاس ڈور وا کیے تھے، ہوٹل کی انٹرنس پر صدیق بانہیں پھیلائے ان کے منتظر تھے مگر دروازے وا ہی رہ گئے اور بانہیں منتظر، تیز رفتاری سے گزرتی ہوئی ایک وین رکی جس کا شیشہ پہلے سے ہی نیچے تھا، ایک رائفل کا سرا نظر آیا اور اگلے ہی لمحے جیسے قیامت ٹوٹ پڑی، کسی ماہر نشانہ باز کے چلائے ہوئے برسٹ نے شائی وانگ کے جسم میں ان گنت سوراخ کر ڈالے تھے، اس کا سفید گاؤن پل بھر میں ہی سرخی میں ڈوبا تھا اور اس کے سنہرے بال بکھر گئے اور اس کا ہاتھ نوفل کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔

زندگی جیسے کوئی زرد سفر موت زدہ
سنگ، حیوان، شجر موت زدہ
مسکرائیں تو پھنسے جاتی ہے
زخم کھائی ہوئی تقدیر، ڈگر موت زدہ
اور رونے کے لئے بیٹھیں تو رومانوں پر
جھر جھراتا ہوا ایمان سلگ اٹھتا ہے
جذب ہونے ہی نہیں دیتا کسی آنسو کو
بھیگ جاتی ہے جبیں صدمے کی
دن چمکتا ہے سرو، ہم تمنا اور پھر
دور گرتی ہوئی پیلاہٹ میں
چرمرائی ہوئی اک شام لٹک آتی ہے
رات پڑتی ہے تو کرتے ہیں بسر موت زدہ

☆☆☆

"مغل ہاؤس" کے بڑوں میں سبین اور عباس کا معاملہ دو تین بار ڈسکس ہو چکا تھا مگر تاحال کوئی مزید پیشرفت نہیں کی گئی تھی، اس کی وجہ یہ بھی کہ وہ مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے، ابھی صرف دو ماہ ہی تو بیتے تھے وہ چاہتے تھے کہ معاملے کی گرد پوری طرح بیٹھ جائے، عباس تاحال بے خبر تھا، اداسی کی اس فضا میں کمی تو قدرے ہو گئی تھی مگر مکمل طور پر دوبارہ سے ویسی خوشی و خوش مزاجی تاحال نہ لوٹی تھی، اس دوران سب سے چونکا دینے والا کام یہ ہوا تھا کہ رمشہ نے ایف ایم جوائن کر لیا تھا، اس کی آواز تو تھی ہی شاندار مگر جب آڈیشن ہوئے تو اسے ریڈیو میں گانے کا سہ ماہی پروگرام دے دیا گیا، اس چانس کو وہ کسی قیمت پہ مس نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر یہ صرف اس کا خیال تھا، احمد مغل اپنی بیٹی کی اس جرأت پہ بے حد حیران ہی نہیں ہوئے تھے غضب ناک بھی ہو گئے تھے، انہوں نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا تھا بلکہ اسے اچھا خاصہ جھاڑا بھی تھا۔

مگر وہ بھی رمشہ تھی "مغل ہاؤس" کی سب سے بدتمیز اور خود غرض لڑکی، اس نے طوفان اٹھا دیا تھا، ڈنر ٹیبل پہ اچھا خاصا تماشا بن گیا تھا۔

"مجھے ہر حال میں ریڈیو جوائن کرنا ہے بابا اور آپ سے گزارش ہے کہ اس میں رکاوٹ نہ بنیں، اگر آپ اس لئے ہچکچا رہے ہیں کہ میں

ایک لڑکی ہوں تو بے فکر ہو جایئے، وہاں سب انسان ہی کام کرتے ہیں اور بہت مہذب ہیں، اس لئے آپ فکر مند مت ہوں۔'' اس کا لہجہ قطعی تھا۔

''رمشہ! بدتمیز مت کرو، جب بابا نے کہہ دیا تو اس کا مطلب ہے کہ بات ختم۔'' وقار نے اسے ڈانٹا۔

''آپ بیچ میں مت بولیں، آپ بس شاہ بخت کی فیور کیا کریں۔'' اس کا لہجہ سرد تھا۔

''شٹ اپ رمشہ۔'' وقار کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''کیوں؟ برا لگا؟ اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ جب وہ ماڈلنگ میں جانا چاہتا تھا تب تو آپ نے بڑی فیور کی تھی اس کی؟ اور میں...... میرا کیا؟ میری دفعہ یہ پابندی کیوں؟ اس کی دفعہ تو آپ کو سارے دلائل یاد تھے اور مجھے چپ رہنے کی پٹی پڑھا رہے ہیں آپ؟ کیا غلط کر رہی ہوں میں؟'' وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔

کمرے میں سناٹا تھا اور وقار کا چہرہ حیرت کی تصویر بنا ہوا تھا۔

''رمشہ! تم حد سے بڑھ رہی ہو، تمہارا اور شاہ بخت کا کیا مقابلہ ہے؟'' وہ بمشکل خود پہ قابو پا کر بولے تھے۔

''واہ! یہ اچھی کہی آپ نے، کیوں وہ کیا جنت سے اترا شہزادہ ہے؟ جس کے ساتھ کمپیریزن نہیں ہو سکتا۔'' وہ اسی ٹون میں بولی تھی۔

''بھائی سے کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم شرم کرو۔'' زیتون تائی نے اسے جھڑکا، وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''کیا مطلب؟ کیا غلط کہا میں نے؟ مجھے بتائیں میں کیا غلط کر رہی ہوں، آپ سب کو یہ کیوں لگتا ہے کہ جو بخت کرے گا بس وہی ٹھیک ہے، ایک بس مہذب سی فرمائش کی ہے نا آپ سے، کون سا ماڈلنگ کی فیلڈ میں کمالات دکھانے کی اجازت مانگ رہی ہوں میں؟ مجھے ذرا سمجھایئے وقار بھائی کیا یہ انصاف ہے؟'' وہ پھٹ پڑی تھی۔

''ڈیمس انف۔'' شاہ بخت نے چمچ پلیٹ میں پٹخا اس کا چہرہ غصے کی شدت سے دہک رہا تھا، وہ کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی، سب لوگوں نے مجھے ہی کیوں مثال بنا لیا ہے؟ اپنے اغراض و مقاصد کے لئے مجھے رگیدنا چھوڑ دیں اور رمشہ تم ذرا دھیان سے سنو میری بات، تمہیں مجھ سے کیا مسئلہ ہے، میں نہیں جانتا مگر تمہیں جو بھی کرنا ہے اس کے لئے مجھے یا میرا نام استعمال مت کرو، سمجھی۔'' وہ دھاڑا تھا۔

''جب سارے اختیارات تمہیں سونپ جائیں گے اور دوسروں کو محروم رکھا جائے گا تو تمہارا نام تو آئے گا۔'' رمشہ بھی بلند آواز میں بولی تھی۔

''جسٹ شٹ اپ، یہ اختیارات کی جنگ اپنے بھائی کے ساتھ ضرور لڑو مگر میرے نام پر نہیں۔'' وہ مزید غضب ناک ہوا تھا۔

''ہاں تم کیوں چاہو گے کہ کوئی تمہاری برابری کرے، بہت بن لئے تم سپیشل اب کسی اور کو موقع دو۔'' وہ غرا کر بولی تھی۔

''بس کرو دونوں۔'' تایا جان کی دھاڑ سے مشابہ آواز نے دونوں کو خاموش کروا دیا تھا۔

''رمشہ! اگر تم کھانا ختم کر چکی ہو تو اپنے کمرے میں جاؤ۔'' انہوں نے حکم دیا۔

''کھانا گیا بھاڑ میں، میں یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں جب تک اس بات کا فیصلہ نہیں

جاتا۔'' وہ بدتمیزی سے بولی تھی۔

مگر اس بدتمیزی کا خمیازہ اسے خاصا بھاری بھگتنا پڑا تھا، زیتون تائی نے اس کے گال پہ زور دار طمانچہ مارا اور اسے بلند آواز میں وہاں سے دفعان ہونے کا کہا تھا، اس نے خون کے گھونٹ پیتے ہوئے اپنے آنسو روکے اور بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

مگر رات میں تایا جان نے اسے اجازت دی تھی، وہ اس بات کو لے کر خاصے پریشان اور الجھے ہوئے تھے کہ آخر شاہ بخت گھر میں متنازعہ حیثیت کیوں اختیار کرتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

ان دونوں کے درمیان کسی قسم کی بہتری نہیں آئی تھی کیونکہ اس کے لئے اسید تیار نہیں تھا، اس نے اپنے آپ کو اس قدر غیر لچکدار بنا لیا تھا کہ حبا لاکھ ٹکریں مارنے کے باوجود کوئی روزن نہیں پا سکی تھی، اسی ٹام جیری ری لیشن شپ کے ساتھ حبا نے ایگزامز دے دیئے اور اس کے ایگزامز کے فوراً بعد اسید لاہور اپنی نانو کے ہاں چلا گیا تھا جہاں اسد تھا اس کا سب سے عزیز دوست اس کے جانے کے بعد حبا مزید اداس اور سنجیدہ رہنے لگی تھی، وہ اسے بے حد مس کر رہی تھی، جبھی ایک دن لینڈ لائن کے نمبر سے اسے کال کر لی۔

''ہیلو۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے کہا، مبادا وہ کال ہی نہ کاٹ دے۔

''ہیلو جی کون بات کر رہا ہے۔'' دوسری طرف سے اسید کی بجائے ایک کھنکتی ہوئی نسوانی آواز نے پوچھا تو حبا کے اندر دور تک آگ بھڑک اٹھی۔

''میں حبا بات کر رہی ہوں، آپ کون ہیں اور اسید کہاں ہے؟'' وہ سرد مہری سے بولی تھی۔

''آخاہ...... حبا! کیسی ہو؟ بہت ذکر سنا تھا تمہارا اسید سے۔'' وہ خوشی سے پوچھ رہی تھی۔

''آپ کون؟'' حبا پہلے سے زیادہ مشکوک ہوئی تھی۔

''میں عفت ہوں، اس کی سسٹر۔'' وہ بولی، حبا نے ایک مطمئن سانس لی۔

''میں ٹھیک ہوں اسید کہاں ہے؟'' اس نے ممکنہ سوالوں سے بچنے کے لئے فوراً پوچھا۔

''یہیں ہے میں نے کہا گھر سے فون ہے مجھے بات کرنے دو۔''

''مجھے اس سے بات کرنی ہے۔'' اس نے بے مروتی سے کہا۔

''ہاں، کیوں نہیں۔'' عفت نے غالباً حیرانی آمیز مایوسی سے فون اسید کی طرف بڑھا دیا تھا، اس کا موڈ حبا سے لمبی گپ شپ کا تھا۔

''بولو حبا۔'' حبا نے اس کی آواز سنی اور اس کے دل میں ایک نامعلوم ٹھنڈک اترتی گئی۔

''اسید تم کیسے ہو؟'' اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ سپاٹ انداز میں کہہ رہا تھا۔

''گھر کب آؤ گے۔'' وہ بے تابی سے بولی۔

''فی الحال تو کوئی ارادہ نہیں۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا، بیک گراؤنڈ کا شور کم ہو گیا تھا غالباً وہ کسی علیحدہ جگہ پہ آ گیا تھا۔

''میں تمہیں بہت مس کر رہی ہوں۔'' اس کی آنکھ سے پہلا موتی نکلا تھا۔

''تو؟'' اس کا لہجہ ہنوز تھا۔

''پلیز جلدی واپس آ جاؤ۔'' وہ سسکی تھی۔

''یہ ممکن نہیں۔''

''کیوں؟'' وہ تڑپ کر بولی۔

"میں تمہیں وضاحت کیوں دوں؟"
"تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ مجھے تکلیف دینے کے لئے؟"
"نہیں خود کو اس جیل خانے سے کچھ دیر مزید دور رکھنے کے لئے۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا تھا۔
"جھوٹ مت بولو، اب تو پاپا بھی تمہیں کچھ نہیں کہتے۔" وہ وضاحت دینے لگی۔
"تو کیا ہوا؟ تم تو ہو نا؟" وہ زہر خند لہجے میں کہہ رہا تھا، حبا کا وجود سناٹے کی زد میں آ گیا تھا۔
"میں ...... میں تمہارے لئے تکلیف دہ ہوں؟" اس کے آنسو ٹھہر گئے۔
"میرے پاس فضول بحث کے لئے وقت نہیں ہے۔" وہ چڑ گیا۔
"میری بات کا جواب دو۔"
"ضروری نہیں سمجھتا۔" وہ بے نیاز تھا۔
"تم اتنے بے حس کیسے ہو سکتے ہو؟" وہ ششدر سی بولی۔
"اس کمنٹ کا شکریہ، اب مجھے فون مت کرنا۔"
"میں کروں گی۔" اسے ضد ہونے لگی۔
"بے کار ہے، میں پک نہیں کروں گا۔" اس نے وارننگ دی تھی۔
اس کے بعد حبا سے مزید ایک لفظ نہ کہا گیا، اس نے لرزتے ہاتھوں سے فون رکھ دیا۔

تھوڑا تھوڑا جمع کرتے رہنے سے
دل اور زیادہ بکھر گیا ہے
اب سوچتا ہوں
سمیٹنے کی کوشش نا ہی کی ہوتی تو اچھا تھا

☆☆☆

"ہائے لینا۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کے مقابل جم گیا۔
بہت مصروف سی علینہ نے قلم روک کر اٹھا کر اسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے کتاب بند کر دی۔
"کیسے ہو حیدر؟" وہ بھی مسکرائی تھی۔
"میں ٹھیک ہوں، چلو باہر چلیں۔" اس نے علینہ کو اکسایا، باہر موسم آفت ہو رہا تھا، گھٹائیں، گڑگڑاتے بادل اور تیز تیز چلتا پروا۔
"تم اچھی طرح جانتے ہو مجھے بارش پسند نہیں ہے۔"
"لینا! دوست کا دل بھی نہیں رکھ سکتیں تم۔" وہ خفا ہو گیا۔
"نہیں۔" وہ طنزاً بولی۔
"کیا؟" وہ حیرت سے چلایا۔
"دوست کو عادت ہے دل اِدھر اُدھر کرنے کی۔"
"ہاہاہا، ناٹ فنی۔" وہ منہ پھلا کر بولا۔
"تم ایسے بالکل اچھے نہیں لگتے حیدر۔" اسے پچکارنے لگی۔
"مجھے پتا ہے۔"
"دیکھو اتنی پیاری سی آنکھیں غصے کے مارے لال ہو رہی ہیں اور روشن پیشانی شکن آلود، ناک جو کہ مجھے بڑی پسند ہے کھڑی جیسی مگر اس وقت کچھ بھا نہیں رہی اور ہوئے ہونٹوں کے ساتھ، بس کیا بتاؤں تمہیں" وہ جیسے اس کے چہرے کی تجزیاتی رپورٹ رہی تھی، حیدر ہنس دیا۔
"آج ایک بات تو ثابت ہو گئی مغل۔"
"کیا؟"
"تمہیں میرے چہرے کے نقش ازبر کیا رواں تبصرہ کیا تم نے، سچ کہو میں تمہیں

لگتا ہوں؟" وہ شرارت سے مسکرایا تھا، علینہ بے اختیار ہنستی چلی گئی۔
"اس فضول بکواس سے بہتر ہے میں تمہاری بات مان لوں۔" وہ کھڑی ہو گئی۔
وہ دونوں باہر آ گئے، آج طلب علموں کی تعداد نہ ہونے کی برابر تھی، بارش برسنے کے ساتھ ہی حیدر بارش میں جھومنے لگا، علینہ حیرت سے اسے دیکھتی رہی، وہ بارش میں نہاتے ہوئے بالکل بچہ لگ رہا تھا، پھر وہ اس کے پاس آ گیا، اس نے کاغذ کی دو کشتیاں بنائیں اور پانی میں چھوڑ دیں، علینہ بے ساختہ ہنستے ہوئے اسے دیکھتی رہی۔
"مجھے یقین نہیں ہو رہا حیدر یہ تم ہو؟"
"مجھے بھی یقین نہیں آ رہا یہ تم ہو؟ لڑکیاں تو اتنی رومانٹک ہوتی ہیں، اس موسم کو اتنا فیس نیٹ کرتی ہیں مگر تم، ایک دم بور، خشک ایک بات بتاؤ؟" وہ اس کے برابر آن بیٹھا۔
"جب تمہارے گھر ایسا موسم آتا ہے تب تم کیا کرتی ہو؟"
"کچھ بھی نہیں۔"
"یعنی کمرہ بند ہو جاتی ہو؟"
"کہہ سکتے ہو۔"
"حد ہے۔" وہ سر جھٹک کر ہتھیلی پھیلا کر بوندیں جمع کرنے لگا۔
"ایک بات پوچھوں؟" وہ بہت کھوئی کھوئی سی تھی۔
"ہوں۔" اس نے دھیان سے علینہ کا چہرہ کھوجا جہاں کچھ غیر معمولی تھا۔
"مجھے تمہیں دیکھ کر بارہا یہ احساس ہوتا ہے کہ تم ایک لبالب بھرے ہوئے انسان ہو، ایک ایسا انسان جس کو محبت و توجہ کے سانچے میں پرو دیا گیا ہو، جس کو دودھ کی ہر بوند کے ساتھ انسانیت، خلوص اور خوش مزاجی پلائی گئی ہے، جس نے صرف محبت کرنا سیکھا اور محبت بانٹنا، جسے اس کے علاوہ اور کچھ آتا ہی نہیں، جو اس بات کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ دوسرا اسے اگنور کر رہا ہے، جو اتنا خالص و شفاف ہے کہ اسے ہر چیز اچھی لگتی ہے اسے کچھ بھی برا نہیں لگتا، کچھ بھی پریشان نہیں کرتا، جسے اپنے اردگرد رہنے والوں نے بس محبت دی ہے حیدر! جب سے میں تم سے ملی ہوں یہ احساس فزوں تر ہو رہا ہے، میں تمہیں زیادہ نہیں جانتی، مجھے نہیں پتا کہ تمہارے پاس کتنے رشتے ہیں؟ مگر مجھے اتنا ضرور پتا ہے کہ تم بہت خاص ہو، بہت اسپیشل۔" وہ آہستہ آہستہ بولتی اپنی بات ختم کر کے خاموش ہو گئی، حیدر حیرت زدہ اسے دیکھ رہا تھا۔
"لینا! تم ٹھیک ہو نا؟ مجھے بتاؤ پلیز، تمہیں کیا چیزیں پریشان کر رہی ہیں؟" وہ بے چینی سے پوچھنے لگا، علینہ نے چونک کر اسے دیکھا اور سر نفی میں ہلا دیا۔
"لینا! خود کو اتنا مت چھپاؤ، چھپی ہوئی چیزیں زیادہ پرکشش لگتی ہیں اور خود کو اتنا مت دباؤ جانتی ہو لاوا اکٹھا ہوتا جائے تو آتش فشاں بن جاتے ہیں جن کے پھٹنے سے کچھ بھی نہیں بچتا، مجھے پتا چل رہا ہے کہ تم بہت دنوں سے کچھ چھپا رہی ہو، مگر کیا؟ میں یہ جاننا چاہتا ہوں تمہارا تو جوائنٹ فیملی سسٹم ہے پھر آخر تم کیوں اتنی قنوطیت پسند ہو؟" وہ سنجیدگی سے کہتا جا رہا تھا۔
علینہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور سر ستون سے ٹکا دیا۔
"تم ٹھیک کہتے ہو حیدر! اگر ہمارے پاس اتنے زیادہ رشتے ہیں مگر ہم خوش نہیں ہیں مطمئن نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ کہیں بہت کچھ غلط ہو رہا ہے۔"

”اور وہ غلط کیا ہے لیتا؟“

”پتا نہیں حیدر! مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں، مگر تمہیں ایک سچ بتاؤں، میں ایک (Neglected Child) ہوں۔“ وہ آزردہ تھی۔

”ایسے کیسے کہہ سکتی ہو تم؟ مجھے بتاؤ تمہارے گھر میں کون کون ہے؟“ وہ اس کی اس کیفیت سے پریشان تھا۔

”بہت سے لوگ ہیں، یہ ڈھیر سارے، تایا ابو، بابا، چاچو، وقار بھائی، عباس بھائی اور رمشہ آپی، کومل، سبین، بھا...... نہیں وہ نہیں ہیں۔“ وہ بے ربطی سے کہتی رک گئی، حیدر نے اس کے بدلتے تاثرات نوٹ کیے اور ٹھٹکا تھا۔

”یہ سبین کون ہے؟“

”وہ میری بھابھی ہیں...... نہیں...... تھیں۔“ اس نے جھجک کر بات مکمل کی۔

”ہیں...... نہیں...... تھیں؟ کیا مطلب؟“

”شاہ بخت کہتا ہے رشتوں کو ان کی اصل شکل میں قبول کرنا چاہیے۔“ وہ بڑبڑانے والے انداز میں کہہ رہی تھی، حیدر کے لئے اس کی یہ غائب دماغی حیران کن تھی۔

”یہ شاہ بخت کون ہے؟“ حیدر نے نیا نام سن کر پوچھا۔

”وہ طارق چاچو کا بیٹا ہے۔“ اس کے کہنے پر حیدر اسے دیکھتا رہ گیا تھا، اس نام پر علینہ کے تاثرات بڑے عجیب اور حیران کن تھے۔

☆☆☆

نوفل صدیق کی حالت بھوکے شیر جیسی تھی جس کے منہ سے نوالہ چھین لیا گیا ہو، رات دس بجے کے قریب شائی وانگ کی آخری رسومات ادا کر دی گئیں تھیں اور اس کے فوراً بعد اس کی پولیس چیف اور انٹریئر منسٹر کے ساتھ ایک میٹنگ تھی جس میں اس نے بہت کھلم کھلا دھمکیاں دی تھیں، وہ اس وقت اسی ڈنر سوٹ کی شرٹ میں تھا، کوٹ اس نے اتار دیا تھا، اس کی سبز آنکھوں سے شعلے کوندرہے تھے اور سفید رنگت طیش کے عالم میں سرخ ہو رہی تھی۔

”دیکھو آفیسر! مجھے دو گھنٹوں کے اندر کوئی حتمی پیش رفت چاہیے، ورنہ میں تمہارا پورا شہر بند کروا دوں گا اور تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو میں ایسا ہی کروں گا۔“ وہ طیش سے بولا تھا۔

”مسٹر نوفل! آپ حوصلہ رکھیے پوری پولیس فورس حرکت میں آ چکی ہے جیسے ہی کوئی پیش رفت ہوتی ہے ہم آپ کو اطلاع دے دیں گے۔“ پولیس چیف کا لہجہ حوصلہ دینے والا تھا۔

”بھاڑ میں گئی تمہاری پولیس فورس، میں انتظار قطعاً نہیں کروں گا، اگر مجھے دو گھنٹوں میں کوئی قاتلوں کے بارے میں عملی رپورٹ نہ ملی اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔“ وہ دھاڑا تھا۔

منسٹر کا چہرہ مسخ ہو گیا، سامنے بیٹھا ہوا شخص کوئی عام آدمی نہیں تھا جس کا وہ منہ بند کروا سکے وہ ایسا بزنس مین تھا جس کا بزنس بنکاک اور سنگاپور سے ہوتا ہوا اب تھائی لینڈ کی طرف بڑھ رہا تھا، مگر اس سب کے باوجود بھی اگر سامنے بیٹھے دونوں افسر اس کو برداشت کر رہے تھے اس کی وجہ نوفل صدیق کے لمبے ہاتھ تھے، اس کے سیاسی روابط پوری بیورو کریسی اور گورنمنٹ میں پھیلے ہوئے تھے اور زیادہ تر اس کے ذاتی دوستوں میں شامل تھے، اس کا باپ اسٹاک ایکسچینج کا صدر تھا اور اس کے گرد اتنے مضبوط حوالے تھے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اسے شٹ اپ نہیں کہہ سکتا تھا، وہ بری طرح مجبور تھے بری طرح بے بس تھے۔

”مجھے یقین ہے کہ یہ اس گروہ کا کام ہے جو چیانگ سائین میں ان کے پیچھے تھا اور اس گروہ کے دو قابل ذکر نام لوئی چین اور سوامی نامی انڈین بدمعاش پہلے ہی انڈر گراؤنڈ ہو چکے ہیں مگر ہم انہیں ڈھونڈ نکالیں گے، آپ بے فکر رہیے۔“ اس بار بھی پولیس چیف نے کہا، نوفل خاموش رہا۔

”برا مت مانئے گا مسٹر نوفل! لیکن غلطی آپ کی بھی تھی، آپ کو یوں ایکدم سے اپنی سیکورٹی سے غفلت نہیں برتنی چاہیے تھی۔“ اس بار انٹریئر منسٹر نے کہا اس کے انداز میں ناگواری تھی، اس کی بات پر نوفل نے اسے خونی نظروں سے دیکھا تھا۔

”میری غلطی تو میں بھگت چکا ہوں مگر اب آپ لوگوں کی باری ہے۔“ اس نے سرد مہری سے کہا۔

ان کے درمیان یہ ساری گفتگو ملائی زبان میں ہو رہی تھی، اب وہ دیگر تفصیلات ڈسکس کر رہے تھے، پولیس چیف چند ضروری معلومات اس سے لینے کے بعد چند ضروری فون کرنے میں مصروف تھا، یہ کیس خاصا پیچیدہ تھا اور فوری رپورٹ طلبی نے اس کی ساری مشینری کو حرکت میں آنے پر مجبور کر دیا تھا، کچھ دیر بعد یہ میٹنگ برخواست ہو گئی، نوفل اپنے گھر آ گیا، بارہ بجنے تک اس نے متعدد کافی کے کپس پی لیئے تھے، اس کا دماغ جیسے جلتا ہوا پھوڑا بنا ہوا تھا اور بارہ بجے اس چیف منسٹر کی کال آ گئی، جو اسے یہ بتا رہے تھے کہ ان دونوں قاتلوں کو پکڑ لیا گیا تھا۔

وہ جیسے اڑتا ہوا اس عمارت میں پہنچا تھا، جہاں رات کے اس وقت بھی خاصی چہل پہل نظر آ رہی تھی، پولیس کے کچھ بڑے نام اور چند حکومتی عہدے دار بھی موجود تھے، اسے اس کمرے تک لے جایا گیا جہاں وہ دونوں موجود تھے اور ان دونوں بدمعاشوں کی شکل دیکھتے ہی نوفل کی آنکھوں کے سامنے خون کی چادر تن گئی تھی، اس نے ساتھ کھڑے پولیس گارڈ کا سروس ریوالور چھینا اور اگلے ہی لمحے فائر کھول دیا، یہ سب اتنی اچانک ہوا تھا کہ کچھ ہو نہ سکا اور فقط چھ فٹ کے فاصلے سے نشانہ خطا جانے کا سوال ہی نہ تھا۔

نوفل نے نفرت سے زمین پر تھوکا اور پولیس چیف کی طرف مڑا جس کا چہرہ حیرت سے مسخ تھا۔

”صبح تک اس پورے گروہ کا نام و نشان نہیں ملنا چاہیے، ختم کر دو سب کو۔“ وہ تحکمانہ لہجے میں کہتا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

کہانی ختم ہو چکی تھی، ہم سفر جا چکا تھا۔

آگ ہو تو جلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
برف کے پگھلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
چاہے کوئی رک جائے چاہے کوئی رہ جائے
قافلوں کو چلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
چاہے کوئی جیسا بھی ہم سفر ہو صدیوں سے
راستہ بدلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
یہ تو وقت کے بس میں ہے کہ کتنی مہلت دے
ورنہ بخت ڈھلنے میں دیر کتنی لگتی ہے

ایزی چیئر پہ جھولتے ہوئے نوفل نے آنکھیں کھول دیں، اس کا دل آج بھی جل رہا تھا اور آتی جاتی سانسیں ازحد تکلیف دہ، اس کی سبز دلکش آنکھیں شدت غم سے سرخ ہو رہی تھیں اور ان کے زیریں کناروں پر نمی آن ٹھہری تھی۔

☆☆☆

وقت آگے بڑھتا گیا، زندگی نے اس دونوں کے درمیان جو دیوار کھڑی کی تھی اس میں

کوئی اترائی نہیں تھی بلکہ وہ مزید بڑی ہوتی جا رہی تھی، حالانکہ حبا میں بہت لچک آ چکی تھی، وہ اب نسبتاً دھیما مزاج اختیار کر چکی تھی، اس کی اسید سے محبت میں کچھ مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

اس کا رزلٹ آیا تو اس نے حسب سابق اپنی شاندار پوزیشن کو برقرار رکھا تھا، جس پر تیمور احمد بے حد خوش تھے، یوں اگلا سال شروع ہو گیا، جس میں اسید نے اس پر مزید محنت کی تھی، حالانکہ اس وقت اس کا اپنا فائنل ائیر تھا، وہ خود بھی کافی مصروف تھا، مگر جو ذمہ داری اس پر تیمور احمد نے ڈالی تھی وہ اسے بخوبی نبھانا چاہ رہا تھا، اس پورے سال میں کچھ بھی خاص واقع نہ ہوا تھا سوائے اس کے کہ اسید مزید سنجیدہ مزاج ہو گیا، اس کی ساری نرمی ختم ہو گئی تھی، وہ روکھا اور سرد مزاج ہو گیا تھا، عید بھی آئی اور حبا کا برتھ ڈے بھی، مگر یہ پہلی دفعہ ہوا کہ اسید نے اسے وش نہ کیا تھا، عید کے دن وہ صبح کا نکلا رات گئے گھر لوٹا تھا اور اس کے انتظار میں جاگتی حبا روتی روتی سو گئی، اس کی برتھ ڈے سے پہلے وہ جان بوجھ کر لاہور چلا گیا اور اس دن اسلام آباد کتنا اداس اور افسردہ تھا بالکل حبا کی طرح، وہ اس کا انتظار کرتی رہی اور آنسو ضبط کرتی رہی۔

تیرے آنے کی امید
لکھی ہے ساری دیواروں پر
رستہ دیکھ رہی ہیں
خالی گلیاں، ٹوٹے دروازے اور گھر
تو کیا جانے
ہم پر کیا کچھ بیت گیا تیرے بعد
تو نے کب دیکھی ہیں
خالی گلیاں، ٹوٹے دروازے اور گھر

مگر جو قصداً گیا تھا وہ کیوں لوٹتا، وہ اس دن بھی اس کا انتظار کرتی رہی، مگر بے سود، وہ اس سے مزید دور ہوتا گیا، حبا اگلے دن ماما کے پاس بیٹھ کر کتنا روئی تھی، وہ اسے تسلیاں دیتی رہیں، وہ تو خود اس کے نمبر پہ کال کرتی رہیں تھیں مگر وہ مسلسل آف رہا تھا۔

جب وہ لوٹا تو مرینہ نے اسے خوب ڈانٹا تھا، جواباً وہ بہت ترش روی سے گویا ہوا تھا۔

''ماما! میری ضرورت کہاں زیادہ ہے میں بخوبی جانتا ہوں، آپ مجھے مت بتائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے تھا۔''

''مگر تمہاری بہن کی خوشی تھی اس دن.....'' انہوں نے کہنا چاہا۔

''وہ میری بہن نہیں ہے۔'' وہ بلند آواز میں بولا تھا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے کمرے میں گھس گیا۔

حبا گنگ صم سی کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی، مگر اس رات بڑبڑاتے ہوئے اس نے اسید کی طرف سے دیئے گئے وہ سارے وشنگ کارڈز پھاڑ ڈالے تھے جن پر کبھی اسید نے بڑی چاہت سے لکھا تھا۔

''For my sweet sister hiba۔'' اور وہ کیا بڑبڑا رہی تھی۔

''تم نے ٹھیک کہا، میں تمہاری بہن نہیں ہوں۔''

یوں چند تلخ یادیں سمیٹے حبا کا انٹر مکمل ہو گیا اور اسید کا ماسٹرز، اس کے بعد کی کہانی بہت مختصر سی تھی۔

وہ جاب ڈھونڈنے لگ گیا اور اس کی پوری کوشش تھی کہ وہ لاہور میں ہی سیٹ ہو، حبا تھرڈ ائیر میں آ گئی، جب پاپا نے اس سے سفیر کے متعلق بات کی تھی، اس پر جیسے آسمان ٹوٹا تھا، وہ ایسے کسی رشتے کے لئے تیار نہ تھی مگر تیمور احمد بضد تھے کہ وہ صرف اس کی بات طے کرنا چاہ رہے

ہیں، اس رات وہ کتنی دیر لان میں بیٹھ کر روتی رہی، وہ ایسے کسی بے روح رشتے کے حق میں نہ تھی۔

وہ صرف اسید کی ہو سکتی تھی جو کہ اس کا نہ تھا اور اگلی شام وہ فنکشن آ گیا جس کے لئے اس نے بڑا انتہا کن اقدام سوچا تھا۔

''اسید مصطفیٰ! میں جو کروں گی وہ تمہیں ساری زندگی یاد رہے گا، میں کوئی عام لڑکی نہیں ہوں جو حالات سے ہار مان لوں۔'' اس نے تقریب کے لئے تیار ہوتے ہوئے سوچا تھا۔

☆☆☆

اس نے حیدر سے کچھ بھی نہ چھپایا تھا، لفظ لفظ اسے بتا دیا کہ آج کل وہ کیوں پریشان تھی، کیسے سین اور ایاز الگ ہو گئے، رمشہ نے ڈریٹیبل پر جو تماشا کیا، اگر نہیں بتایا تھا تو اپنے متعلق نہیں بتایا تھا اور حیدر کو اس کے فیملی میٹرز جیسے Trivial affairs سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ تو علینہ احمر مغل کو جاننا چاہتا تھا، مگر وہ جانتی کہ خود کو خول در خول چھپاتی جا رہی تھی، وہ اسے تسلی و دلاسہ دیتا رہا اسے سمجھاتا رہا کہ یہ سب زندگی کا حصہ ہے، سب آخر کار ٹھیک ہو جائے گا اور اس نے علینہ سے کہا تھا کہ وہ اسے اپنے گھر بلانا چاہتا ہے، جس پر علینہ خاصی حیران ہوئی تھی۔

''مگر مجھے تو تمہارے گھر کا پتا نہیں۔''

''عقلمند لڑکی! میں تمہیں خود لے کر جاؤں گا، میرا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔'' وہ ہنس کر کہہ رہا تھا۔

''تم بس اچھے سے تیار ہو کر آنا۔''

''ٹھیک ہے۔''

اگلے دن وہ بڑی پیاری لگ رہی تھی، اونچی سی پونی ٹیل کیے گھٹنوں تک آتی شرٹ جس کے بازو چھوٹے چھوٹے تھے اور خوب پھولے ہوئے تھے، اس کے ساتھ اس نے پاکٹس والا سیاہ ٹراؤزر پہنا ہوا تھا۔

''حیدر! میں نے گھر میں کسی کو بھی نہیں بتایا۔'' وہ کنفیوز ہو کر کہہ رہی تھی۔

''کیا؟ تم نے گھر نہیں بتایا؟'' وہ چونکا، وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

''بری بات علینہ! تمہیں اپنی مدر کو انفارم کر دینا چاہیے تھا۔''

''میں ان سے کیا کہتی حیدر! ان کے پاس میری باتیں سننے کے لئے وقت کہاں ہے اور پھر میں ان سے کہتی بھی کیا؟ وہ جانتی ہیں کہ میری صرف ایک ہی دوست ہے ندا اور وہ میرے ساتھ اکیڈمی میں نہیں پڑھتی۔'' وہ آہستگی سے بولی تھی۔

حیدر نے لب بھینچ کر اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا، علینہ بھی اس کے ساتھ تھی، اس کا گھر واقعی زیادہ دور نہیں تھا، علینہ نے پسندیدہ نظروں سے اس کے پنک ماربل اور سفید گیٹ والے گھر کو دیکھا تھا وہ اندر آئے تو حیدر کی ممی ان کے لئے پہلے ہی کھڑی تھیں، علینہ سے وہ بے حد خوش ہو کر ملی تھیں، وہ مسکراتی رہی، انہوں نے اس کی شاندار تواضع کی تھی، حیدر کی بہن علشبہ جب لاؤنج میں آئی تو اسے پا کر خوشی سے چیخ پڑی تھی۔

''آپ تو بالکل موی گڑیا کی طرح ہیں علینہ آپی! پتا ہے بھائی آپ کی بہت باتیں کرتے ہیں۔'' وہ پندرہ سولہ سال کی تھی، جس میں حیدر کی گہری مشابہت تھی وہ تینوں بہت فرینک ہو کر آپس میں گفتگو کرنے لگے، چند منٹوں میں ہی علشبہ نے اس سے پکی دوستی کر لی تھی، حیدر کے پاپا نہیں تھے مگر اس کے باوجود اس کی ممی نے دونوں کی تربیت شاندار کی تھی۔

جب وہ آنے لگی تو حیدر کی ممی نے اسے خوبصورتی سے ریپ کیا ہوا گفٹ بھی دیا تھا، وہ ان کے خلوص پر شرمندہ ہوتی رہی، واپسی پر وہ اسے چھوڑنے اس کے ساتھ آیا تھا۔

''مجھے بہت اچھا لگا حیدر۔'' وہ مسکرا کر بولی تھی، حیدر خاموشی سے چلتا رہا۔

''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں۔'' اس نے راہ میں آئے پتھر کو ٹھوکر ماری تھی۔

''تم اس طرح ری ایکٹ کیوں کر رہے ہو؟'' اس نے حیرانی سے کہا، وہ دونوں اس وقت کالونی کی سڑک پر چل رہے تھے۔

''میں کچھ سوچ رہا تھا۔'' وہ گہری آواز میں بولا۔

''کیا؟'' وہ پریشان ہوئی۔

''یہی کہ آج تمہیں ہمارے گھر آ کر کتنا اچھا لگا۔'' اس کے کہنے پر علینہ تیز آواز میں ہنسی اور ہنستی ہی چلی گئی۔

''تم...... حیدر! تم بالکل کمال ہو۔'' ہنستے ہوئے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔

حیدر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، کتنی سادہ و معصوم تھی، جان ہی نہ سکی کہ وہ اسے ٹال رہا تھا۔

''پتا ہے لینا! کل میں دو تین گھنٹے کمپیوٹر پر جما رہا۔''

''کیوں؟''

''وہ تم نے اپنے کزن کا نام بتایا تھا نا شاہ بخت۔''

''ہاں کیوں کیا ہوا؟''

''بس یہ نام مجھے Push کرتا رہا تھا پتا نہیں کیوں مجھے لگ رہا تھا کہ میں یہ نام پہلے سن چکا ہوں، خیر میں نے ڈھونڈ نکالا۔'' وہ اپنی رو میں بولتا گیا۔

''کیا ڈھونڈ نکالا؟'' وہ چونک گئی۔

''یہی کہ وہ کیا پرسنالٹی ہیں؟'' وہ بولا۔

''اوہ...... پرسنالٹی! کم آن۔'' علینہ نے بےزاری سے کہا۔

''نہیں سچ میں وہ شاندار شخصیت ہیں علینہ! ان کی لک اور ہینڈسم سٹائل بہت اٹریکٹو ہے، میں کل ان کا فیس بک پیج ڈھونڈتا رہا، کیا قاتل پکچر لگائی ہوئی ہے انہوں نے، ایکسلنٹ نا، میں نے انہیں ریکوسٹ سینڈ کی تھی کہ وہ مجھے اپنے کونٹیکٹس میں ایڈ کر لیں۔'' وہ بتاتا گیا۔

''حیدر! چھوڑو بھی۔''

''کیوں یہ کیا بات ہوئی علینہ! وہ واقعی کمال ہیں بھئی اور تم نے مجھ سے اتنی اہم بات چھپائی۔''

''اس میں بتانے والی کیا بات ہے؟'' وہ ناگواری سے بولی۔

''پھر بھی۔''

''کم آن! کیا کوئی اور موضوع نہیں گفتگو کے لئے۔'' وہ بےزاری سے بولی، حیدر نے ٹھٹک کر اس کے بتدریج بدلتے تاثرات نوٹ کیے تھے اور سر ہلا کر کوئی اور بات کرنے لگا۔

☆☆☆

آنکھیں تلخیوں سے بھری ہوئی پیالیاں ہیں
دل کوئی دکھا ہوا زخم
آتی جاتی ہوئی سانس
دل کو چھیل کر گزرتی ہے
پیالیاں اور زیادہ بھر جاتی ہیں

ناشتے کی میز پر بےحد خاموشی تھی۔

''نوفل!'' انہوں نے اپنے ہینڈسم بیٹے کو دیکھا۔

''جی پاپا!'' اس نے سر اٹھایا۔

''کہاں مصروف ہو آج کل؟''

''بس روٹین ورک چل رہا ہے۔''

''بہت برڈن لے لیا ہے تم نے کام کا، میں چاہ رہا تھا تم کچھ دن ویکشن پہ چلے جاؤ۔''

''اس کی ضرورت نہیں پاپا۔'' وہ سر جھٹک کر بولا تھا۔

''ضرورت ہے بیٹا، اس طرح تو تم تھک جاؤ گے۔'' وہ پیار سے بولے۔

''کیا ویکشن پہ جاؤں پاپا، سارا سنگاپور میرا دیکھا ہوا ہے، بنکاک کی صورتحال بھی کچھ مختلف نہیں، تو اتنے کراؤڈڈ سٹی میں رہتے ہوئے کیا ویکشن انجوائے کی جا سکتی ہیں۔'' وہ بےزاری سے بولا تھا۔

''تم نیچر انجوائے کرنا چاہتے ہو تو کنچن بوری کیوں نہیں جاتے وہاں ہمارا ہٹ ہے، وہاں رہو کچھ دن انجوائے کرو، اصل میں نوفل میں تمہیں اتنا سنجیدہ مزاج قطعاً نہیں دیکھنا چاہتا بیٹا، ابھی کیا عمر ہے تمہاری اور تم مجھ سے زیادہ سنجیدہ مزاج ہو گئے ہو، مجھے خوف آتا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ تم میں بوڑھی روح سماتی جا رہی ہے، خود کو بدلو میرے شیر، حادثات زندگی کا حصہ ہوتے ہیں اب تو اتنا عرصہ ہو گیا، کہیں دل لگا لو یار، نہ شادی کے لئے مانتے ہو نہ کوئی لڑکی پسند ہے تمہیں، مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟'' وہ اسے سمجھاتے سمجھاتے آخر میں بےبسی سے رو دیئے تھے، نوفل نے بےچینی سے انہیں دیکھا۔

''پاپا! آپ اتنے کم حوصلہ تو نہیں ہیں۔'' وہ ان کے شانے تھپک رہا تھا۔

''اولاد کے معاملے میں ہر شخص کم حوصلہ ہوتا ہے۔'' وہ اسے جتاتے ہوئے بولے۔

''اچھا ٹھیک ہے، میں آپ کی ساری باتیں مان لوں گا۔'' اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اور پھر دوسرے ہی دن کا ذکر ہے اس کی گاڑی کنچن بوری کی طرف بڑھتی جا رہی تھی، ''کنچن بوری'' بنکاک سے ایک سو اننتیس کلو میٹر کے فاصلے پر برما کی سرحد پر واقع ہے، کنچن بوری ایک خوبصورت اور سرسبز پہاڑی مقام ہے یہ سیاحت کا مرکز اور بڑا خوبصورت ہل اسٹیشن ہے اس کو گیارہ ڈسٹرکٹ میں منقسم کیا گیا ہے، جن میں سے پانچ اپنے قدرتی مناظر اور تاریخی حوالوں کے باعث سیاحوں کا مرکز نگاہ ہیں، یہاں نیشنل پارکس ہیں، آبشار ہیں اس کی بڑی اور خصوصیت ''تھام لوٹ'' کے تاریخی غار بھی یہیں ہیں، خوبصورت دریا، ''کوائے ریور'' کا دلکش نظارہ بھی یہاں سے کیا جا سکتا ہے اور وہ اسی خوبصورت شہر کی طرف بڑھتا جا رہا تھا جس میں خوشبو تھی پھول تھے، رنگ تھے اور ''وہ'' تھی۔

''وہ۔'' جسے بڑا ڈر لگتا تھا، وہ جواب آزاد تھی۔

مگر اس کی نہیں تھی، اس سے ملنے کا جاں فزا احساس نوفل کی آنکھوں میں چمک بھرتا جا رہا تھا، کنچن بوری کی روشنیاں بتدریج جل اٹھی تھیں نوفل کا ذہن پیچھے کی طرف دوڑنے لگا، بس تین ماہ پہلے ہی کی تو بات تھی جب اس نے آخری بار تارا سے بات کی تھی، کتنا ہائپر ہو گئی تھی وہ بہت چلا رہی تھی وہ اس پر اور رو رہی تھی۔

''میری جان چھوڑ دو نوفل اور بھلا مجھ سے کیا ملے گا تمہیں؟'' کتنا ٹوٹا ہوا لہجہ تھا اس کا اور تب نوفل اسے وضاحت دینا چاہتا تھا، اسے سمجھانا چاہتا تھا کہ ایسا کچھ نہیں تھا، وہ تو صرف اسے بچانا چاہتا تھا مگر اسی وقت وہاں وہ آ گیا، وہ مہروز کمال جو ستارا کا شوہر تھا، اس نے فون کو تارا کے ہاتھ سے نیچے گرتے سنا، مگر اس سے زیادہ نہیں، اب کی بار وہ ہار نہیں مان سکتا تھا، ایک بار اس نے اپنے گارڈز ساتھ نہیں لئے تھے اور اسے

اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا تھا، مگر اب نہیں، وہ ایک بار پھر اپنے دل کو اجڑتے نہیں دیکھ سکتا تھا، وہ تارا تھی جس میں اسے اپنی پہلی محبت نظر آتی تھی، جو اس کے لئے سب کچھ بنتی جا رہی تھی، وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ اس تارا کو کچھ ہو، اس نے اپنے گارڈز ساتھ لئے اور چار منٹ کے قلیل وقت میں وہ تارا کے گھر کے سامنے تھے، اس نے بیل دی اور چند لمحوں کے وقفے کے بعد اس نے انگلی مستقل بیل پہ جما دی اور پھر ایک جان لیوا انتظار کے بعد دروازہ کھل گیا، اسے دیکھتے ہی نوفل کا خون کھول اٹھا تھا، ایک گارڈ نے مہروز کو اندر دھکا دیا اور چند لمحوں بعد وہ اندر تھے، نوفل تیزی سے آگے بڑھا، ٹی وی لاؤنج میں ہی اسے نظر آ گئی، وہ نیچے گری ہوئی تھی، نوفل نے اسے سیدھا کیا تو اس کے لبوں سے چیخ نکل گئی، ستارا کے چہرے سے خون بہہ رہا تھا اور وہ بے ہوش تھی، نوفل کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے گارڈز کے نرغے میں گھرے مہروز کو دیکھا۔

''مارو اس کو...... اس کی ایک ہڈی بھی سلامت نہیں رہنا چاہیے۔'' نوفل بلند آواز میں دھاڑا تھی، اس کی آواز سنتے ہی گارڈز مشینی انداز میں حرکت میں آ گئے اور مہروز کو ٹھوکروں پر رکھ لیا، چند لمحوں میں ہی وہ لہولہان ہو گیا تھا، وہ مسلسل چیخ رہا تھا اور ان سے اپنا قصور پوچھ رہا تھا، نوفل نے ہاتھ اٹھا کر گارڈز کو روکنے کا کہا۔

''طلاق دو اس لڑکی کو۔'' اس کا لہجہ سرد اور خونی تھا۔

''کیوں؟ تم کون ہو؟ اور کیا لگتے ہو اس کے؟'' مہروز نے نڈھال ہوتے ہوئے بھی زہریلے لہجے میں پوچھا تھا، نوفل نے آگے بڑھ کر زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ مارا۔

''جتنا پیسہ چاہیے وہ میں دوں گا تم سے جو کہا ہے وہ کرو۔'' اس نے لالچی کو لالچ سے پھنسایا۔

''مگر کیوں؟'' وہ پھر بولا۔

''کہا نا سوال نہیں، طلاق دو اسے۔'' نوفل نے اسے ایک اور تھپڑ مارا۔

''دیکھو! مجھے مت مارو، جب تک مجھے بتاؤ گے نہیں، میں کچھ نہیں کروں گا، خواہ تم مجھے مار ڈالو۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا تھا۔

''تو ٹھیک ہے، تمہارا مرنا ہی بہتر ہے، طلاق نہ سہی، بیوہ ہی سہی۔'' نوفل نے سفاکی سے کہا اور اس کا اشارہ پاتے ہی گارڈز نے ریوالور اس کی کنپٹی پہ ٹکا دیا، مہروز کے چہرے پہ موت کی زردی چھا گئی تھی اور پھر ان کے درمیان ایک پرامن معاہدہ طے پا گیا جس کے مطابق مہروز کمال نے اسے طلاق دے دی، ایک ملین بھات کے بدلے وہ ستارا کمال بھلا کیا چیز تھی اور پھر وہ کون سا غیرت مند مرد تھا، جسے کوئی فرق پڑتا، اس کے فوراً بعد نوفل تارا کو سنبھالے ہاسپٹل کی سمت بھاگا تھا۔

مگر ابھی شاید آزمائش باقی تھی، تارا کے سر میں کوئی ایسی چوٹ آئی تھی جس نے اسے بے ہوشی صحرا میں پھینک دیا تھا، نوفل کو لگتا وہ پاگل ہو جائے گا وہ اس کے پاس بیٹھ کر گھنٹوں خود کو کوستا رہتا، روتا رہتا، ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ یہ بے ہوشی اگر طویل ہو گئی تو کوما میں بھی بدل سکتی تھی۔

نوفل کا دل جیسے آندھیوں کی زد میں آیا ہوا چراغ تھا، وہ دن رات اس کی فکر میں گھل رہا تھا اور پھر ایک دن اسے ہوش آ گیا، اس کی اٹینڈنٹ نے اسے غلطی سے یہ بتا دیا کہ تارا کو یہاں اس کا شوہر لے کر آیا تھا، وہ شاید یہی سمجھی تھی کہ نوفل ہی اس کا شوہر ہے اور کچھ دیر بعد ہوش مندی کا یا عارضی وقفہ ختم ہو گیا وہ پھر سے بے ہوش ہو گئی۔

نوفل نے اپنا سر پیٹ لیا تھا، مگر وہ بتدریج دوبارہ ہوش میں آ گئی جسمانی طور پر وہ بالکل صحت مند تھی۔

مگر یہاں آ کر نوفل ٹھٹک گیا، وہ اسلام کے بارے میں بنیادی باتوں سے تو واقف تھا مگر یہ بھی سچ تھا کہ وہ کوئی بہت اچھا مسلمان نہ تھا، جبھی اس نے ایک مسلم اسکالر سے یہ مسئلہ پوچھ لیا، پھر اسے پتا چلا کہ وہ تین ماہ کے لئے عدت میں تھی، جس میں وہ کسی نامحرم سے ملنے کے قابل نہ تھی، تب اس نے سامنے آئے بغیر تارا کو کنچن پوری والے کاٹیج میں شفٹ کروا دیا، حالانکہ وہ بے چاری یہی سمجھتی رہی تھی کہ وہ یہ سب مہروز کروا رہا تھا۔

اس کاٹیج میں اس کے ساتھ ایک ملازمہ بھی تھی، مائے پانگ نامی یہ تھائی ملازمہ انگلش سے یکسر نابلد تھی اور خالصتاً مینڈرن بولتی تھی، نوفل کو جبھی یہ فکر نہ تھی کہ تارا اس سے کچھ اگلوا سکے گی، دوسری طرف اس نے سختی سے گارڈز کو یہ ہدایت کی تھی کہ تارا کو باہر نہیں نکلنے دیا جائے گا، باقی اس کاٹیج میں ضرورت کا سارا سامان تھا اور وہ ملازمہ بھی، روزمرہ کی اشیاء مارکیٹ سے لے آتی تھی، وہ اس کے ساتھ کسی بھی قسم کے رابطے میں نہ رہا تھا، مگر آج ساری پابندیاں ختم ہو گئیں تھیں، وہ اپنی تارا سے ملنے جا رہا تھا، اس کے اندر سرشاری پھیل رہی تھی اور اس کی سبز آنکھیں ہیروں کی مانند دمک رہی تھیں، مگر اندر ہی اندر دل کے نہاں خانوں میں کچھ درد بھی کروٹیں لے رہا تھا۔

مجھے موت سے نہ ڈرایا کرو
میں تو محبت سے ڈرتا ہوں
محبت موت سے نہیں ڈرتی
محبت کسی بھی شے سے نہیں ڈرتی
محبت صرف بچھڑ جانے سے ڈرتی ہے

اسے وہ سنہری بالوں والی پری یاد آئی تھی۔

☆☆☆

''مغل ہاؤس'' میں اٹھتی دبی دبی سرگوشیاں بڑی حیران کن تھیں، تایا لوگوں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اب وہ عباس سے بات کر کے سبیلہ بیگم کے ہاں جانے کا سوچیں جبھی وہ سب آج پھر اسی موضوع کو ڈسکس کر رہے تھے۔

''بابا! میں چاہتا ہوں آپ آج لازماً عباس سے بات کر لیں۔'' وقار نے حتمی انداز میں کہا، جس پر احمر مغل نے اثبات میں سر ہلایا تھا، مگر حقیقت تھی کہ اس نازک اور پیچیدہ صورتحال میں وہ سب عباس کے متوقع ردعمل سے خاصے خوفزدہ تھے، مگر یہاں بھی حسب معمول وقار نے ہی معاملہ سنبھالا تھا۔

''آؤ عباس۔'' اس کے اندر آنے پہ تایا جان نے کہا، عباس نے حیرت سے سجی اس گول میز کانفرنس کو دیکھا۔

''جی تایا ابو! آپ نے بلایا تھا۔'' وہ وقار کے ساتھ آن بیٹھا۔

''ہاں وہ کچھ ضروری بات کرنا تھی تم سے۔'' احمر مغل نے ہنکارہ بھر کر وقار کو اشارہ کیا، وقار چند لمحے خاموش رہے ایک نظر سب کو دیکھا، آہستہ سے عباس کے شانے پہ ہاتھ رکھا اور دھیرے دھیرے بولنے لگے اور مدعا کوئی اتنا لمبا چوڑا تو تھا نہیں جو لمبا دورانیہ کھینچتا، مگر عباس کے چہرے پہ زلزلے کے آثار تھے۔

''بھائی! یہ...... آپ۔'' وہ کچھ بول نہ سکا۔

''دیکھو عباس! یہ ہم سب کی شدید خواہش ہے ہم جانتے ہیں وہ لڑکی پیاری ہے اور بے قصور بھی، ذرا سوچو ہم اسے کیسے دنیا کی ٹھوکروں میں ڈال دیں، کیا کمی ہے اس میں؟'' احمد مغل نے
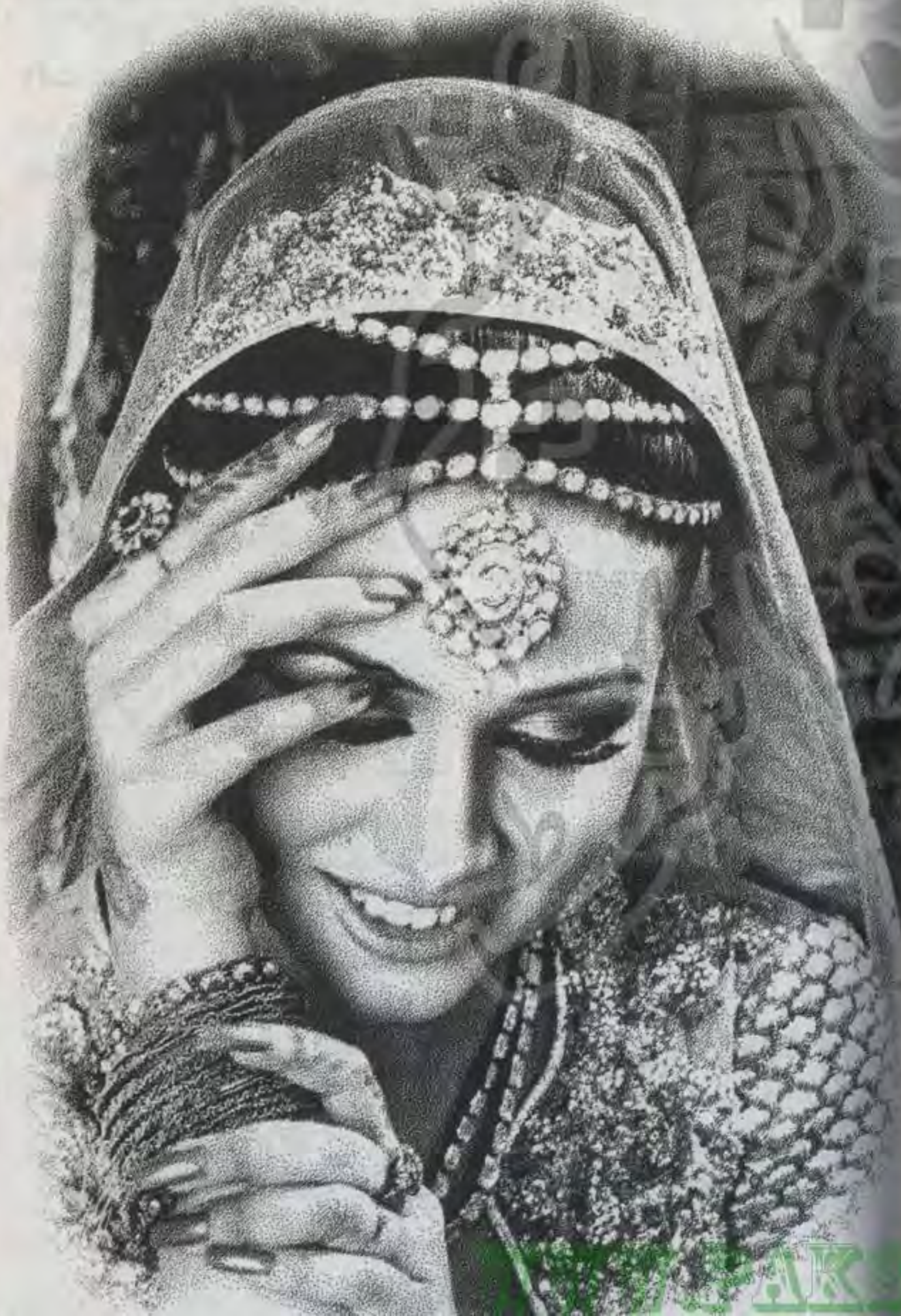
اسے سمجھایا تھا۔

عباس نے بے دردی سے لب کچلے اور سب کی طرف دیکھا، احمد تایا بڑی پر امید نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے، جبکہ بابا کی نظروں میں التجا اور چہرے پہ بے چینی تھی، عباس کے اندر ہلچل مچنے لگی۔

''بابا! میں سمجھ نہیں پا رہا، میں کیا کروں؟'' اس نے بے بسی سے سر جھکا۔

''عباس! تم ایزی ہو کر فیصلہ کرو، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں اور پھر تم بھی تو سبین جیسی لڑکی کو پسند کرتے ہو نا؟'' وقار نے حوصلہ دیا۔

''ان جیسی لڑکی بھائی انہیں نہیں۔'' وہ دھیمی آواز میں بڑبڑایا تھا۔

''ایک ہی بات ہے یار!'' وقار نے خوشدلی سے اس کا شانہ تھپکا۔

''ایک بات تنہیں نا، آخر آپ سب کو یہ کیا سوجھی اور پھر میں ہی کیوں؟'' وہ سراپا احتجاج تھا۔

''دیکھو بیٹا، تم نے ٹھیک کہا تم ہی کیوں؟ مگر سنو سچ یہ ہے کہ جو تمہاری طبیعت ہے وہ مجھے پسند ہے ورنہ شاہ بخت بھی تو ہے مگر تمہیں پتا ہے کہ اس کا مزاج کتنا مختلف ہے، اس کی دنیا ہی اور ہے، تم ایک نرم مزاج اور ٹھنڈی طبیعت کے انسان ہو اور با آسانی سبین کو سنبھال سکو گے، وہ بکھر گئی ہے بیٹے اور یاد رکھو، اس کے قصور وار ہم ہیں، ہمیں اس کا کفارہ ادا کرنا ہے۔'' احمد تایا نرمی سے کہہ رہے تھے۔

''میں سمجھ نہیں پا رہا تایا ابو! مجھے تھوڑا وقت چاہیے۔'' وہ سر جھکا کر بولا تھا اس کی حالت خاصی ابتر تھی۔

''ضرور لو وقت، لیکن فیصلہ مثبت کرنا اور یہ دل سے بات نکال دو کہ وہ تمہارے کم ظرف، بھائی کی بیوی رہ چکی ہے، دل سے یہ بات نکال کر بس اتنا سوچو کہ وہ کتنی پیاری اور آئیڈیل لڑکی ہے، جو ہر لحاظ سے تمہیں سوٹ کرتی ہے۔'' احمر پہلی بار بولے، اس نے سر ہلا دیا اس کی پیشانی پہ پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

''میں جاؤں۔'' اس نے اجازت چاہی۔

''ہاں۔'' انہوں نے کہا تو وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

اور اب وہ تنہا کھڑا روم کی بالکونی میں کب سے اسی موضوع کو سوچے جا رہا تھا، وہ نہ تو اسٹیٹس کانشس تھا اور نہ ہی پیپل کانشس اسے کبھی یہ پریشانی نہیں ہوئی تھی کہ لوگ کیا کہیں گے وہ اس جھنجھٹ سے آزاد تھا، ہاں البتہ وہ یہ ضرور پریشان تھا کہ سبین کیا سوچیں گی؟ یہ سوچ اسے حیران کر رہی تھی، وہ صرف دل سے سوچ رہا تھا اور دل کے اندر نہاں خانوں میں کہیں یہ احساس تھا کہ وہ واقعی یہ کفارہ بھر سکتا تھا، اس نے سوچا کیا وہ سبین کو خوشیاں دے سکے گا؟ کیا وہ اس کا کھویا ہوا اعتماد لوٹا سکے گا؟ کیا وہ اسے ایک مکمل زندگی دے پائے گا؟ اور کیا وہ اس سے محبت کر سکے گا؟ ایک ایسی لڑکی جو بقول شخصے ٹھکرائی ہوئی اور برتی ہوئی لڑکی تھی، جو اس کے بھائی کی بیوی تھی، کیا وہ اسے اپنا کر اپنے گھر والوں کی امیدوں پر پورا اتر سکے گا؟ بڑی کڑی آزمائش تھی، بڑی قاتل کشمکش تھی۔

''کس دوراہے پہ لا کھڑا کیا آپ نے بابا جان!'' اس نے بال مٹھیوں میں نوچتے ہوئے سوچا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

"زندگی میں پہلی اور آخری بار بیل بجانے کا موقع ملا ہے کیا؟" مسلسل ہونے والی ڈور بیل نے اسے کچی نیند سے جگا دیا تھا اس لئے دروازہ کھولتے ہوئے بنا سوچے سمجھے پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی۔

"بیل بجانے کا موقع تو کئی بار ملا ہے ہاں سماعت سے محروم انسان سے پہلی بار واسطہ پڑا ہے۔" آگے اس کا بھی کوئی استاد تھا بڑے تحمل سے جواب دیتا وہ ماریہ کو سلگا گیا۔

"دروازے سے ہی چپک گئی ہو کون آیا ہے کچھ بتاؤ تو۔" اس سے پہلے کہ ماریہ اس اجنبی کے گستاخانہ جملے کا حساب بیباک کرتی بوا بولتے بولتے خود ہی دروازے تک آ گئیں۔

"یہ کون ہے کس سے ملنا ہے؟" سامنے کھڑے لمبے چوڑے جوان کو دیکھ کر بوا نے حسب عادت دوپٹہ چہرے کے آگے کر کے گھونگھٹ نکال لیا اور اس جنبی کی بجائے ماریہ سے پوچھنے لگیں۔

"میں کاشف ہوں آمنہ اور سہیل کا بیٹا۔"

"ارے تم کاشف ہو پہلے کیوں نہیں بتایا۔" گھونگھٹ بھول بھال بوا نے کاشف کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر چٹا چپ کئی بوسے لے ڈالے۔

"اونہہ استقبال تو یوں ہو رہا ہے جیسے شاہ رخ خان آ گیا ہو۔" ماریہ نے بیزاری سے یہ سب دیکھا۔

"اور اگر سچ مچ شاہ رخ خان آ جائے تو......" وہ خیالوں ہی خیالوں میں شاہ رخ خان کو اپنے گھر کے دروازے پر دیکھنے لگی چہرے پر بڑی پیاری مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"اماں ابا کیسے ہیں تمہارے، یہیں کھڑے رہو گے کیا آؤ اندر چلو۔" خود ہی سوال کر کے جواب سنے بنا آسیہ خالہ اندر کی طرف مڑیں۔

"تم کیا راستے میں دیوار بنی کھڑی ہو پرے ہٹو راستہ دو بھائی کو، دیکھو صفیہ، کاشف بیٹا آیا ہے۔" ماریہ کو راستے سے ہٹاتی وہ آگے بڑھ گئیں یہ دیکھے بنا کہ کاشف پیچھے آ بھی رہا ہے یا نہیں۔

کاشف کی نظریں سامنے اٹھیں اور پھر جھکنے سے انکاری ہو گئیں کالج سے آنے کے بعد ماریہ کپڑے بدلے کیے بنا ہی سونے لیٹ گئی تھی، اردگرد سے بے پرواہ کسی خیال پر مسکراتی ہوئی ماریہ اس کے سامنے تھی، سفید لباس میں گلابی چہرہ دنیا جہاں کی معصومیت سمیٹے کاشف کے دل پر بڑی زور سے دستک دے رہا تھا۔

"یہ کسی راستے کی دیوار تو نہیں ہاں مگر کسی کی منزل ضرور ہو سکتی ہے۔" دل نے بڑی خوشی سے اس دستک کا جواب دیا تھا، دل کی اس غداری پر کاشف کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی، اسی وقت ماریہ کی نظر اس پر پڑی کاشف کو اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ شاہ رخ خان کو بھول بھال حقیقت کی دنیا میں لوٹ آئی اور تیزی سے اندر کی طرف مڑ گئی کاشف بھی اسی طرح مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑا۔

☆☆☆

کاشف تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر کاروبار کرنا چاہ رہا تھا اسی سلسلے میں لاہور کچھ لوگوں سے ملنے آیا تھا لیکن ماما کا اصرار تھا کہ جا رہے ہو تو صفیہ کے گھر ضرور جاؤ ساتھ میں انہوں نے تحائف کا ایک بڑا بنڈل بھی کاشف کے ہمراہ کیا تو اس نے سوچا پہلے یہ کام کر لیا جائے، رات کے کھانے پر سب ہی جمع تھے اور سب کی توجہ کا مرکز کاشف ہی تھا جو بڑی بے تکلفی سے کھانے کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے اپنی

مزیدار باتوں سے سب کو محظوظ کر رہا تھا، کبھی کبھی سب نظر بچا کر کھانا سرو کرتی ماریہ کو بھی دیکھ لیتا تھا یہ اور بات کہ بظاہر یہ اچٹتی سی نظر ماریہ بخوبی محسوس کر رہی تھی، مگر مجبوراً وہ جلد از جلد ان نظروں کے حصار سے باہر چلے جانے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی وہاں موجود تھی۔

☆☆☆

"گڈ صبح کی سیر کرنا صحت کے لئے بہت اچھا ہوتا ہے۔" وہ حسب عادت صبح سویرے جاگ گئی تھی اور لان میں واک کرتے ہوئے اپنے دل کی عجیب کیفیت پر غور کرنے میں لگی تھی جبھی اس آواز پر چونک کر پلٹی، کاشف ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ لئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے آج کالج نہیں گئیں آپ؟" ماریہ نے کوئی جواب دیے بنا واک جاری رکھی تو وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"میں سنڈے کو کالج نہیں جاتی۔"

"اوہ میں تو بھول ہی گیا آج سنڈے ہے۔" ماریہ کے کٹیلے لہجے میں کہنے کے باوجود بھی وہ صلح جو انداز میں مسکراتے ہوئے بولا تو ماریہ نے حیرت سے اسے دیکھا کل تک کٹ کھنا بلا نظر آتا آج ایک دم بدل کیسے گیا تھا۔

"تو آپ کو بھولنے کی بیماری بھی ہے۔"

"جی پہلے تو نہیں تھی بس کل سے ہی شروع ہوئی ہے۔" وہ اس پر گہری نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"ارے کہاں چلیں آپ؟" اسے اندر کی طرف جاتے دیکھ کر کاشف جلدی سے بولا۔

"کچن میں، ناشتہ بنانے۔" وہ مختصر جواب دے کر آگے بڑھ گئی۔

"میں ناشتے میں پراٹھا اور فرائی ایگ لیتا ہوں۔" کاشف نے جیسے مطلع کیا۔

"زہر نہ کھلا دوں۔" وہ بڑبڑائی۔

"آپ کے ہاتھ سے وہ بھی چلے گا، مگر چائے میں شوگر ذرا کم ڈالیے گا۔" اس کے جلے کٹے لہجے پر کاشف کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"اف زبان کے ساتھ ساتھ کان بھی کتنے تیز ہیں۔"

"کیا ہوا بھئی صبح صبح کس پہ غصہ آ رہا ہے۔" راستے میں بابا مل گئے تھے۔

"نہیں تو بابا غصہ نہیں وہ تو بس میں اپنا سبق دہرا رہی تھی۔" جلدی میں جو سمجھ آیا بول دیا۔

"اوہو تو ہماری گڑیا پڑھائی کو اتنا سر پر کب سے چڑھانے لگی؟" وہ اس کی لاابالی فطرت کے پیش نظر بولے، شاید وہ بھول گئے تھے یا پھر اگنور کر رہے تھے کہ حالات اسے بہت حد تک بدل چکے تھے۔

"بیٹا ایک اچھی سی چائے تو پلاؤ اپنے ہاتھ کی بنی۔" ماریہ کی آنکھوں میں جمع ہوتے پانی کو دیکھ کر وہ فوراً بات بدل گئے۔

"آپ روم میں چلیں بابا میں دو منٹ میں چائے لاتی ہوں۔" وہ بھی موضوع بدلتے ہوئے بادقت مسکرائی۔

☆☆☆

بہت دنوں سے نہیں اپنے درمیاں وہ شخص
اداس کر کے ہمیں چل دیا کہاں وہ شخص
وہ جس کے نقش قدم سے چراغ جلتے تھے
جلے چراغ تو خود بن گیا دھواں وہ شخص

کچھ عرصہ پہلے تک وہ ایسی ہی تھی لاابالی کسی بات کو خاطر میں نہ لانے والی، وہ ذہانت، خوبصورتی اور شوخی کا حسین امتزاج تھی، اس کی مسکراہٹ میں چاندنی پڑاؤ کرتی تھی اور اس کی ہنسی میں زندگی کی جھنکار تھی، پھر زندگی نے غم کی سرحد پر ایسا پڑاؤ ڈالا کہ اس کی مسکراہٹ سے

چاندنی اور ہنسی کی جھنکار جاتی رہی، بہت چھوٹی سی فیملی تھی ان کی صفیہ، رضوان احمد، ماریہ سے چھ سال بڑا اسد اور گھر بھر کی لاڈلی ماریہ، زندگی خوشیوں اور کامیابیوں کے جھولے میں جھلاتی آگے بڑھ رہی تھی، اسد میڈیکل کے لاسٹ ایئر میں تھا اور وہ کالج میں داخلے کی تیاری کر رہی تھی بھائی کی طرح ایک بہترین ڈاکٹر بننا اس کا مقصد تھا۔

''ماریہ یار پلیز تم ڈاکٹر مت بنو۔'' اسد اس سے اکثر التجا کرتا۔

''کیوں؟'' جواب جانتے ہوئے بھی وہ سوال کرتی۔

''یار تم ٹھہری شاعرانہ مزاج لڑکی مریضوں بیچاروں کو صبح دوپہر شام شاعری سنا سنا کر دنیا سے رخصت ہونے پر مجبور کر دو گی۔'' وہ معصومیت سے جواب دیتا۔

''اچھا یہ بات ہے، چلیں میں آپ کی بات مان لیتی ہوں مگر......'' وہ شرافت سے بات مانتی اس مگر پر آ کر جان بوجھ کر ٹھہر جاتی اور اسد کی ساری توجہ اس مگر سے آگے کے فقرے پر لگی ہوتی تھی۔

''میں مما اور بابا کو ڈاکٹر جویریہ کے بارے میں بتانے جا رہی ہوں۔'' یہ کہتے ہی وہ بھاگ پڑتی اور اسد منتیں کرتا تو کبھی بڑے بھائی ہونے کا رعب جماتا اس کے پیچھے ہوتا اور دیر تک یہ بھاگ دوڑ ہونے کے بعد دونوں تھک کر لان کے بینچ پر گر جاتے اور پھر خوب ہنستے، ان دونوں کے درمیان یہ نوک جھونک روز کا معمول تھی۔

''ماریہ...... ماریہ بیٹا ذرا باہر آنا۔'' مما کی آواز اسے خوبصورت ماضی سے کھینچ لائی، تب اسے احساس ہوا وہ نہ جانے کب سے اسد کی تصویر کو سینے سے لگائے اس کی یادوں میں کھوئی ہوئی تھی اس کا چہرہ ہی نہیں تصویر بھی آنسوؤں سے بھیگ چکی تھی، وہ باتھ روم میں جا کر جلدی جلدی منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر آنسوؤں کے نشانات مٹانے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

وہ لاؤنج میں بیٹھی بے دلی سے ٹی وی کے چینل تبدیل کر رہی تھی صفیہ وہیں بیٹھیں سبزی بنا رہی تھیں اور بوا انہیں آنٹی زرینہ کے بیٹے ذیشان کی ہونے والی منگنی کے بارے میں بتا رہی تھیں۔

''بھئی سنا ہے بڑے ہی امیر لوگوں کے ہاں رشتہ کیا ہے تمہاری بہن نے لڑکی بھی لاکھوں میں ایک ہے ڈاکٹری کا کورس کر رہی ہے، آہ کیسا زمانہ آ گیا ہے صفیہ خون کے رشتے بھی دھوکہ دینے لگے ہیں۔'' ذیشان کی منگنی کا سن کر ایک لمحہ کو اس کا چینل بدلتا ہاتھ کانپا تھا آنکھوں میں کچھ چبھنے لگا تھا مگر صفیہ کو کن اکھیوں سے اپنی طرف دیکھتے پا کر اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور یوں ظاہر کرنے لگی جیسے ٹی وی کے علاوہ اسے کسی بات کی خبر ہی نہ ہو۔

''چھوڑیں بھی بوا ہر انسان کو حق ہے اپنے بچوں کے لئے جو بہتر لگے وہ کرے ہاں زرینہ نے مجھے خبر نہیں دی بس اس بات کا دکھ ضرور ہوا ہے مجھے۔''

''ارے خبر کس منہ سے دینے آتیں اس طرح دھوکہ دینے کے بعد تو......'' کاشف کو اندر سے آتے دیکھ کر بوا نے بات وہیں ختم کر دیں اور ماریہ نے شکر منایا کہ کسی بھی وجہ سے وہ تکلیف دہ موضوع ختم ہو گیا۔

''اچھا آنٹی اب اجازت دیجئے۔'' وہ ہاتھ میں بریف کیس سنبھالے جانے کو تیار کھڑا تھا۔

''سامان لے کر کہاں جا ر

کی دلچسپی اس لڑکے میں کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھیں انہیں لگتا تھا جیسے بیٹھے بٹھائے اللہ میاں نے ماریہ کے لئے دولہا بھیج دیا ہو ماریہ کو ان کی خیالات کی بھنک تک نہ تھی وہ جو اپنے سبھی رشتے داروں سے بیزار تھی جلد از جلد اس کے چلے جانے کی خواہاں تھی۔

''اپنے دوست کے گھر جا رہا ہوں آنٹی بس سے ملنے آیا تھا ایک دو دن اس کے پاس رہوں گا پھر واپسی۔''

''لیکن بیٹا کام کرنے کے لئے، دوست سے ملنے کے لئے، اس گھر سے جانا تو ضروری نہیں ہے نا، اب کیا اچھا لگے گا کہ اپنے گھر کے ہوتے ہوئے تم دوست کے گھر پر رہو، میں تو اس کی اجازت بالکل نہیں دوں گی اور تمہاری امی کیا سوچیں گی صفیہ دو دن اس کے بیٹے کا خیال بھی نہ رکھ سکیں۔''

''صفیہ ٹھیک کہتی ہے بیٹا جتنے دن تم لاہور میں ہو ہمارے ساتھ رہو اور اپنے کام کرتے رہو۔'' بوا نے پہلی بار صفیہ کے فیصلے کو سراہتے ہوئے رک جانے پر زور دیا تو وہ ان لوگوں کے خلوص کے آگے زیادہ انکار نہ کر سکا، ویسے بھی اس کا اپنا دل بھی اس گھر میں کہیں اٹک گیا تھا، وہ بات کرنے کے لئے کسی مناسب موقع کے انتظار میں تھا۔

☆☆☆

''کاشف بیٹا آج رات کا کھانا تم نے گھر پر ہی کھانا ہے، میں تمہاری پسند کی چیزیں بنا رہی ہوں۔'' کاشف کو باہر کی طرف جاتے دیکھ کر کچن میں کام کرتی صفیہ نے تاکید کی تو وہ کچن کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔

''آنٹی آج کا دن تو بہت بزی ہے اور ڈنر کے لئے احسن کو کہہ چکا ہوں کہ ساتھ کریں گے۔''

''تو اس میں کیا پرابلم ہے بیٹا احسن کو بھی ڈنر پر گھر بلا لینا۔'' مہمان نوازی تو گویا صفیہ کی گھٹی میں پڑی تھی۔

''ارے نہیں آنٹی آپ کو زحمت ہو گی ایسا ہے کہ میں احسن سے آج کے لئے ایکسیوز کر لیتا ہوں۔''

''بیٹا اس میں زحمت کی کیا بات ہے مہمان تو خدا کی رحمت ہوتے ہیں، بس میں نے کہہ دیا تم احسن کو بھی ڈنر پر لا رہے ہو۔''

''ٹھیک ہے آنٹی جیسے آپ کا حکم۔'' صفیہ کے پرخلوص اصرار پر کاشف مسکراتے ہوئے بولا تو وہ بھی مسکرا دیں۔

''السلام علیکم امی!'' ماریہ کالج سے لوٹی تو صفیہ کو کچن میں مصروف دیکھ کر وہیں چلی آئی۔

''وعلیکم السلام بیٹا! ذرا یہ باؤل اٹھا کر دو حاجرہ۔'' ماریہ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ حاجرہ سے بھی مخاطب تھی۔

''کیسی ہیں چھوٹی بی بی۔''

''میں ٹھیک ہوں تم بتاؤ پچھلا سارا ہفتہ کہاں غائب رہیں جانتی ہو نا امی کتنا تھک جاتی ہیں اکیلے، پھر بھی اتنے اتنے دن کی چھٹی پر چلی جاتی ہو وہ بھی بنا بتائے۔'' حاجرہ کو دیکھتے ہی ماریہ خفگی سے پوچھنے لگی۔

''وہ چھوٹی بی بی جی بات یہ ہے کہ میری نا شادی ہو گئی ہے۔'' اس کے شرمائے ہوئے انداز پر ماریہ نے اسے دھیان سے دیکھا وہ کافی کھلی کھلی اور بدلی بدلی نظر آ رہی تھی چہرے پر خوشی کے رنگ تھے آنکھوں میں گہرا کاجل اور کلائیوں میں چوڑیاں کھنک رہی تھیں۔

''مبارک ہو تمہیں، مگر اتنی اچانک شادی ہو گئی پہلے تو ذکر نہیں کیا تم نے۔''

''بس جی منگنی تو بہت بچپن میں ہی ہوگئی تھی اب اچانک ہی دادا جی کی طبیعت خراب ہوگئی تو انہوں نے ہم سب کو گاؤں بلا لیا اور ان کی خواہش پر ہماری شادی کر دی گئی کیونکہ انہیں اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں رہا تھا، پر اب تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں، پر جی گاؤں والے کہتے ہیں مرنے والا ایک بار پوری طرح صحت مند نظر آنے لگتا ہے مگر وہ آخری بار ہوتا ہے تھوڑے دن کے لئے پھر......'' حاجرہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر چھت کی طرف دیکھا۔

''پر ایک بات ہے جی دادا جی کہتے ہیں اس طرح کم از کم جاتے جاتے ایک بار بندہ اپنے گھر والوں سے کھل کے دل کی بات کر لیتا ہے۔''

''ہر کسی کو ایسا موقع نہیں ملتا حاجرہ۔'' گلاس میں پانی ڈالتی ماریہ اداسی سے بولی تو صفیہ کو یہ بات یہیں ختم کرانا پڑی۔

''بس کرو حاجرہ اب ذرا کام میں دھیان دو پھر تم جانے کی رٹ لگا دو گی۔'' حاجرہ کو تو بولنے کا موقع چاہیے ہوتا تھا اس لئے صفیہ کو اسے ٹوکنا پڑا ورنہ ابھی وہ نہ جانے کون کون سے قصے کہانیاں سنانے لگ جاتی۔

''امی آج کیا بات ہے کچن میں بہت رونق ہو رہی ہے کوئی مہمان آ رہے ہیں کیا؟'' ماریہ بھی ماحول میں گھلی یاسیت کو کم کرنے کے خیال سے خوشگوار لہجے میں پوچھنے لگی۔

''کاشف کا دوست ہے احسن وہی جس کے ساتھ وہ کاروبار کر رہا ہے بس وہی آ رہا ہے۔''

''اچھا تو اب کاشف صاحب کے ساتھ ساتھ ان کے دوستوں کو بھی بھگتنا ہوگا۔'' ماریہ کا خیال تھا کہ شاید اس کے ماموں یا خالہ میں سے کوئی آ رہا تھا مگر مہمانوں کے نام جان کر آنے والوں میں اس کی دلچسپی ختم ہو چکی تھی بلکہ اس کی جگہ بیزاری نے لے لی تھی۔

''بری بات ہے بیٹا ایسے نہیں کہتے، کاشف اچھا بچہ ہے۔'' صفیہ نے تنبیہ کی۔

''تو میں نے کیا کہا ہے اس کو، اچھا چھوڑیں، ویسے تو میرے خیال میں آپ سب کچھ بنا ہی چکی ہیں میرے لائق کام ہو تو بندی حاضر ہے۔'' صفیہ کا موڈ ٹھیک کرنے کو وہ پھر سے ہلکے پھلکے لہجے میں پوچھنے لگی۔

''ہاں واقعی تقریباً سب کچھ بن چکا ہے ویسے بھی تم ابھی کالج سے آئی ہو کھانا کھا لو اور مہمان کے آنے سے پہلے کچھ آرام کر لو۔''

''میرا ان سے ملنا ضروری ہے امی؟''

''ہاں بہت ضروری ہے۔''

''او کے میں سونے جا رہی ہوں۔'' ماریہ کے احتجاجی لہجے کو خاصر میں نہ لائیں تو وہ خفگی سے کہتی کچن سے جانے لگی۔

''کھانا تو کھاؤ۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''پتا نہیں یہ لڑکی کب زندگی کی طرف لوٹے گی۔'' صفیہ نے جاتی ہوئی ماریہ کے چہرے پر پھیلی ناراضگی سے دیکھتے ہوئے سوچا اور سر جھکا کر کھانا بنانے میں مصروف ہو گئیں۔

مہمان آ گئے تھے اور حاجرہ دوبارا سے صفیہ کا پیغام دے چکی تھی جو اسے نیچے بلا رہی تھی، اس سے زیادہ دیر کا مطلب تھا صفیہ کی ناراضگی جو کہ وہ بالکل نہیں چاہتی تھی، آخر وہ سستی سے اٹھی فریش ہو کر الماری سے بلیک اور بلیو کنٹراس کا ایک سادہ کاٹن کا سوٹ نکال کر پہن لیا،

''ہوں ناٹ بیڈ۔'' بالوں میں برش کرتی وہ آئینہ دیکھ کر بڑبڑائی اور دوپٹہ ٹھیک سے شانوں پر ڈالتے ہوئے نیچے کی طرف چل دی، کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا احسن اور کاشف نے کھلے دل سے کھانے کی تعریفیں کیں اور صفیہ مسکراتی رہیں، بس ایک ماریہ تھی جسے کچھ بھی کہنے سننے کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی، سلام اور تعارف کے بعد سے وہ بالکل خاموش تھی اس محفل کا حصہ ہوتے ہوئے بھی بالکل اکیلی اور الگ تھلگ، کھانے کے بعد چائے کا دور چلا، کاشف کو کچھ کام تھے اسی لئے وہ احسن کے ساتھ ہی چلا گیا تھا، پھر حاجرہ کے ساتھ مل کر ماریہ نے سب سمیٹا اور چائے کا کپ لے کر اپنے کمرے میں چلی آئی، چائے پی کر وہ یونہی لیٹی تھی، دوپہر کو خراب موڈ کی وجہ سے سو گئی تھی جبکہ اسے بہت اہم اسائنمنٹ بنانا تھی۔

''کاش اسد بھائی ہوتے تو فٹافٹ میری اسائنمنٹ بنوا دیتے۔'' اس نے بے اختیار سوچا۔

''مگر وہ ہوتے تب نا۔'' آنکھوں سے چھلکتے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اس نے پوری کوشش سے اپنی توجہ لیپ ٹاپ پر کھلے پیج پر لگا دی۔

☆☆☆

ملے جو تم سے تو خود سے بھی بیگانہ ہوئے
ہم بھی بدلے خیالات عاشقانہ ہوئے
اعجاز عشق ہے میرا یا پھر یونہی جاناں
رفتہ رفتہ تیرے انداز ساحرانہ ہوئے
کل جو ہنستے تھے اہل دل کی بیقراری پر
آج اپنی ذات میں خود ہی کوئی فسانہ ہوئے
ہم تو کیا ہیں ہماری ذات کہاں گنتی میں
ہزاروں دل تیری چوکھٹ پہ ہیں نظرانہ ہوئے
ستاؤ تم بھی گر خود کو چرا لیں تم کو ہم تم سے
کچھ لو اب تو تم ہم کس قدر دیوانہ ہوئے

''کیا بات ہے آج؟''

''کچھ خاص نہیں۔''

''آج بڑے موڈ میں ہو کب سے اپنی بے سری آواز میں گنگنا کر میرے صبر کا امتحان لے رہے ہو۔'' کاشف کا ٹالنے پر احسن نے اس کے مسلسل گنگنانے پر چوٹ کی تو وہ ہنس دیا۔

''ہاں یار آج واقعی دل کچھ اچھا اچھا سا فیل کر رہا ہے۔''

''یار میں سوچ رہا تھا کیوں نا شادی کر لوں۔''

''واٹ شادی اور تم۔'' احسن کے امی ابو کب سے اس کی شادی کے لئے کہہ رہے تھے لیکن وہ ابھی بہت سالوں اس بات کو ڈسکس تک نہیں کرنا چاہتا تھا اسی لئے اس کے منہ سے شادی کی بات سن کر کاشف کا حیران ہونا بجا تھا۔

''ہاں شادی...... کیوں میں شادی نہیں کر سکتا کیا؟'' احسن نے جیسے برا مناتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں کیوں نہیں مگر یہ تو بتاؤ کہ وہ بد قسمت آئی مین خوش قسمت کون ہے جس کی وجہ سے تم بقول تمہارے خودکشی کے لئے تیار ہوئے ہو۔''

''یار تمہارے انکل آنٹی بہت نائس ہیں۔''

احسن کے اس جواب پر کاشف مزید حیران ہوا۔

''تمہاری شادی کے ذکر میں میرے انکل آنٹی کہاں سے آ گئے؟''

''وہ میرا مطلب ہے کہ تمہاری کزن ماریہ بہت نائس اور خوبصورت...... میرا مطلب کافی اچھی لڑکی ہے۔''

''اوہو تو یہ بات ہے خبردار ایسا سوچنا بھی مت سمجھے۔''

''کیوں کیا وہ انگیجڈ ہے؟''

''یہی سمجھ لو۔'' کاشف نے زیر لب مسکرا کر کہنے پر احسن کا شک یقین میں بدل گیا، اس نے تکیہ اٹھایا اور کاشف کو کھینچ مارا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' کاشف نے تکیہ مہارت سے کیچ کرتے ہوئے معصومیت کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔
''بڑا کمینہ ہے تو، میں اپنی ہر بات تجھے بتاتا ہوں اور تو اتنی بڑی بات دل میں لئے گھوم رہا ہے اور مجھے بتایا بھی نہیں۔'' احسن نے دوسرا تکیہ اس کی طرف اچھالا اسے بھی کاشف نے پہلے جیسی مہارت سے کیچ کرلیا۔
''ویسے تمہیں کیسے پتا چلا؟''
''تمہارے بوتھے پر بڑا بڑا لکھا ہوا ہے۔''
''کیا؟'' کاشف نے بے اختیار پوچھا۔
''یہی کہ تم بہت کمینے دوست ہو۔'' احسن کے دانت کچکچانے پر کاشف کا جاندار قہقہہ فضا میں بکھر گیا۔
''ویسے تمہارے لئے بھی ایک نیوز ہے۔''
''بولو۔''
''میں نے بھی تمہارے لئے بھابھی پسند کر لی ہے، بہت کیوٹ ہے، میری بھابھی کی کزن ہے۔''
''کب ہوا یہ حادثہ؟''
''یہی کوئی ایک ماہ پہلے۔''
''کیا ایک مہینہ پہلے اور تم مجھے اب بتا رہے ہو خبیث۔'' اب کہ تکیہ پھینکنے کی باری کاشف کی تھی اور کیچ کرنے کی احسن کی، کچھ لمحوں کی اس جنگ کے بعد دونوں کے قہقہے کمرے میں گونج رہے تھے، دونوں کو اپنا من پسند ساتھی مل گیا تھا۔
☆☆☆
ماریہ کلاس میں داخل ہوئی تو ایک طرف لڑکیوں کا رش دیکھ کر غیر ارادی طور پر اسی طرف چلی آئی۔
''واؤ یار تمہاری ہونے والی بھابھی تو واقعی بہت خوبصورت ہے۔''
''ظاہر ہے آفٹر آل میری بھابھی ہے اور میری بھابھی کوئی ایری غیری لڑکی تو کبھی نہیں ہو سکتی۔'' فروا کی تعریف کے جواب میں عائزہ کا طنزیہ بھرا جملہ سن کر اس کے قدم خود بخود رک گئے، عائزہ یقیناً ماریہ کو دیکھ چکی تھی اور یہ جملہ بھی اسی کے لئے تھا، ماریہ اس کی وجہ تو جان چکی تھی عائزہ اپنی ہونے والی بھابھی کی تصویریں دکھا کر تعریفیں سمیٹ رہی تھی۔
''ارے ماریا آؤ تم بھی دیکھو۔'' اس نے چاہا تھا کہ پلٹ جائے لیکن عائزہ کے اس طرح بلانے کے بعد پلٹنا بھی عجیب لگا کہ سبھی لڑکیاں اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں اور ان میں سے کئی لڑکیاں ان کے رشتے سے بھی واقف تھیں اور اس بات سے بھی کہ ان کے درمیان ایک اور رشتہ بھی تھا جو ہوتے ہوتے رہ گیا تھا نہ جانے کیوں؟ اس حوالے سے کئی سوال بھی ان کے ذہنوں میں تھے اور ان میں بہت سی ایسی بھی تھیں جو تماشہ دیکھنے کی منتظر تھیں اور ماریہ کبھی بھی کسی قیمت پر ان کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتی تھی، ویسے بھی دوسروں کے سامنے خود کو کمزور ثابت کرنا اس کے مزاج کے خلاف تھا، اس نے بس ایک لمحے سوچا تھا دوسرے ہی لمحے وہ مضبوطی سے قدم اٹھاتی عائزہ کے پاس پہنچ چکی تھی اور تصاویر دیکھ کر مسکراتے ہوئے حیران بیٹھی عائزہ کو مبارکباد دے رہی تھی۔
☆☆☆
''کیا بات ہے بیٹا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' کالج سے آنے کے بعد وہ بیگ سائیڈ پر ڈال کر چپ چاپ لیٹ گئی تھی، اس کا دل بہت بوجھل ہو رہا تھا، اس کے اندر کچھ عجیب سی کیفیت طاری تھی گہرے سناٹے میں ماضی گونج رہا تھا صفیہ کو کھانا گرم کیے بھی پانچ منٹ گزر چکے تھے تب بھی وہ کمرے سے باہر آئی تو صفیہ خود اسے بلانے چلی آئیں اور اس طرح بستر پر لیٹے دیکھ کر گھبرا گئیں۔
''جی امی میں بالکل ٹھیک ہوں بس آج ذرا تھکن زیادہ ہو گئی، ایک بھی کلاس فری نہیں تھی۔''
''تمہارا کھانا یہیں کمرے میں لا دوں؟ کھانا کھا کر کچھ دیر سو جانا۔''
''ارے نہیں میں باہر آپ لوگوں کے ساتھ ہی کھانا کھاؤں گی آپ چلیے میں بس پانچ منٹ میں فریش ہو کر آتی ہوں۔'' صفیہ کی پریشانی کے خیال سے وہ فوراً بستر سے اٹھ بیٹھی اور خود کو ہشاش بشاش ظاہر کر کے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرنے لگی اور اپنی اس کوشش میں وہ کامیاب بھی رہی تھی۔
''کبھی کبھی دوسروں کو مطمئن کرنے کے لئے روتے ہوئے دل کے ساتھ مسکرانا کچھ زیادہ ہی مشکل ہو جاتا ہے نا۔'' کمرے سے نکلنے سے پہلے بال سنوارتے ہوئے وہ آئینے میں نظر آتے اپنے عکس سے مخاطب تھی۔
''مگر وہ دوسرے کب ہیں تم ان کے وجود کا حصہ ہو۔'' آئینے نے جیسے ڈانٹ دیا۔
''ہاں وہ دوسرے کب ہیں۔'' اس نے آئینے کو جواب دیا اور پھر ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئی۔
☆☆☆
صفیہ سے واک کرنے کا کہہ کر وہ لان میں چلی آئی تھی لیکن اس کی ٹانگوں نے بہت دیر تک اس کے جسم کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا تھا سو وہ چپ چاپ بینچ پر آ بیٹھی، نہ چاہتے ہوئے بھی ذہن صبح کے واقعات دہرائے جا رہا تھا، بدتمیز تو عائزہ ہمیشہ سے تھی اور ماریہ کے ساتھ بھی اس کی نہیں بنتی تھی لیکن وہ اس طرح اسے ہرٹ کرے گی اتنا اندازہ ماریہ کو بھی نہیں تھا، وہ بہت چھوٹی تھی تب سے ذیشان کا نام اپنے نام کے ساتھ سنتی آئی تھی وقت کے ساتھ ساتھ عشق نہ سہی مگر ایک خوبصورت سی اپنائیت کے احساس نے ان دونوں کو گھیر لیا تھا، خوابوں نے اس کی بند پلکوں پر دستک دینا شروع ہی کی تھی کہ سب کچھ ختم ہو گیا، آج ذیشان کسی اور کا منگیتر تھا۔
''زندگی بھی کیسے کیسے رنگ دکھاتی ہے لیکن شاید زندگی کا کوئی بھی رنگ سچا نہیں ہوتا سب کچھ جھوٹ کی بنیاد پر کھڑا ہے ضرورت اور لالچ کو محبت اور رشتوں کا لبادہ پہنا کر ہم سب ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں اور ایک دوسرے سے خفا رہتے ہیں۔'' اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے بینچ کی بیک پر سر ٹیک دیا اپنے خیالوں میں گم وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ کوئی ہے جو بہت بے تابی سے اس کے سچے موتیوں جیسے آنسو اپنی پلکوں پر سجا لینے کو بے تاب ہے کوئی ہے جو اس کے دکھ اور اذیت میں اس کے ساتھ ہے مگر ایک خاموش ہمسفر۔
''آپ ٹھیک تو ہیں ماریہ۔'' کاشف بہت دیر سے اسے اس طرح بیٹھے ہوئے روتے ہوئے دیکھ رہا تھا آخر برداشت نہ کر سکا اور لان میں چلا آیا۔
''جی ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' ماریہ نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور جب بولی تو موسم سرما کی ساری سردی اس کے لہجے میں اتر آئی۔
''آپ کے آنسو، میرا مطلب ہے آپ بہت دیر سے رو رہی ہیں۔'' ماریہ کی سرد مہری کے باوجود وہ پریشانی سے اس کے چہرے پر پھیلے پانی کے شفاف قطروں میں الجھا ہوا تھا۔
''مسٹر کاشف آپ ہمارے گھر مہمان ہیں بہتر ہے ہمارے خاص طور پر میرے معاملات میں دخل اندازی مت کریں میں روؤں یا ہنسوں

آپ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے اور مجھے اس طرح کی ڈسٹربنس بالکل پسند نہیں سو پلیز بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم۔'' یہ سوچ کر کہ کاشف اسے بہت دیر سے روتے دیکھ رہا ہے اسے غصہ شرمندگی اور نہ جانے کس قسم کے احساس سے دو چار کر دیا تھا اس کے سامنے اپنی کمزوری کا اظہار اسے بری طرح کھل رہا تھا، بنا کسی لحاظ کے اپنے اسی لہجے میں اسے بہت کچھ جتاتی وہ آنسو پونچھتی وہاں سے چل دی تھی، اس نے مردوں کا اعتبار کرنا چھوڑ دیا تھا اب وہ کسی کو یہ موقع بھی دینا نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کے جذبات یا زندگی کے ساتھ اس سوچ کی شدت نے اسے سب سے متنفر کر دیا تھا۔

''شاید مجھے اس طرح نہیں آنا چاہیے تھا مگر میں کیا کرتا اس کے آنسو مجھ سے برداشت ہی نہیں ہو رہے تھے تو میں کیا کرتا۔'' لان میں کھڑا کاشف اپنے آپ سے الجھ رہا تھا۔

☆☆☆

رات دیر تک جاگتے رہنے کے باوجود صبح اپنے ٹائم پر جاگ گئی تھی لیکن اس کا کالج جانے کا بالکل بھی دل نہیں کر رہا تھا، دوبارہ عائزہ سے سامنا ہونے کا خیال ہی اسے کوفت میں مبتلا کرنے کو کافی تھا کیونکہ وہ عائزہ کو بچپن سے جانتی تھی اسی لئے اسے پتا تھا کہ اب عائزہ ہر قدم پر اسے ہرٹ کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گی۔

زرینہ، صفیہ کی سگی بہن تھی، صفیہ کے دو بچے ماریہ اور اسد جبکہ زرینہ کی دو بیٹیاں مریم اور عائزہ تھیں اور ان دونوں سے بڑا ذیشان تھا، مریم اور ذیشان سے ماریہ کی ہمیشہ سے بہت دوستی رہی تھی لیکن عائزہ نہ جانے کیوں اس سے چڑتی تھی شاید اس لئے کہ ماریہ کے آنے سے اسے لگتا تھا کہ جیسے اس کی اہمیت ختم ہو گئی ہے کیونکہ ماریہ اپنی پیاری پیاری عادتوں اور سب کا خیال رکھنے والی عادت کی وجہ سے سب کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتی، اس کی من موہنی صورت ویسے ہی دیکھنے والوں کو متوجہ کر لیا کرتی تھی، وہ دونوں بہنیں خوشحال زندگی گزار رہی تھیں، زرینہ نے ذیشان کے لئے ماریہ کا ہاتھ مانگا تو صفیہ نے بڑی خوشی سے اس رشتے کو قبول کر لیا اور طے یہ پایا کہ تعلیم مکمل ہوتے ہی ان کی شادی کر دی جائے گی عائزہ اور مریم کا رشتہ ان کے چچا کے بیٹوں کے ساتھ طے تھا۔

''بیٹا آج کالج نہیں جانا کیا؟''

''جی امی جانا ہے۔'' اس نے اچانک ہی جانے کا فیصلہ کر لیا تھا، اس کی آواز اسے سوچوں سے کھینچ لائی تھی۔

☆☆☆

''ہیلو ماریہ کیسی ہو تم؟'' بریک ٹائم تھا اور بریک کے بعد کا پیریڈ بھی فری تھا اسی لئے وہ کالج کے پرسکون قدرے خاموش گوشے میں آ بیٹھی تھی ایک تو رات بھر کے رت جگے اور بہت دیر رونے کی وجہ سے طبیعت بوجھل ہو رہی تھی دوسرے وہ آج کل ویسے بھی ذرا تنہائی پسند ہوتی جا رہی تھی۔

''ہائے فائن۔'' مریم کے پوچھنے پر وہ مختصر جواب دے کر بیگ کھول کر کچھ تلاش کرتے ہوئے خود کو مصروف ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''کیا میں کچھ دیر تمہارے ساتھ بیٹھ سکتی ہوں پلیز۔''

''ہاں کیوں نہیں بیٹھو۔'' مریم کے عاجزی سے کہنے پر وہ زیادہ دیر اپنی بے رخی قائم نہ رکھ سکی مریم اس کی خالہ زاد ہی نہیں اس کے بچپن کی

دوست تھی، کچھ دیر دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی شاید دونوں اسی سوچ میں گم تھے کہ کیا بات کریں، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان بہت کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن الفاظ کھو جاتے ہیں۔

''گھر میں سب کیسے ہیں آنٹی انکل بوا سب ٹھیک ہیں نا؟'' آخر مریم ہوا کے گھوڑے پر سوار کچھ الفاظ کا دامن تھامنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

''سب ٹھیک ہیں۔'' ماریہ کا جواب اب بھی مختصر تھا۔

''ہمیں معاف کر دو ماریہ پلیز، پلیز ماریہ پلیز ہم سب کو معاف کر دو میں نے بہت کوشش کی کہ سب کچھ ٹھیک رہے لیکن میں کچھ نہیں کر سکی کچھ بھی نہیں۔'' مریم اچانک ہی ماریہ کا ہاتھ تھام کر بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہنے لگی تو ماریہ اس کی اس اچانک حرکت سے گھبرا سی گئی کچھ ہی فاصلے پر لڑکیوں کے کچھ گروپ بیٹھے تھے جو ان کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے، لیکن جیسے ہی مریم اس کے گلے لگی اس کی آنکھیں بھی ساون بھادو کی طرح برسنے لگیں، دونوں سہیلیاں آنسوؤں کی زبان میں دکھ سکھ بانٹ رہی تھیں اب الفاظ کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی آنسو ان کے دل کی داستان ایک دوسرے کو سنا رہے تھے۔

جب وہ دونوں سہیلیاں دکھ سکھ بانٹنے میں مصروف تھیں عین اسی وقت کاشف گھر میں بوا کے پاس بیٹھا تھا۔

''بس بیٹا یہ ہے ساری کہانی۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ تھکے تھکے لہجے میں بولیں۔

''یہ سب واقعی بہت افسوس ناک ہے بوا جی لیکن کچھ لوگوں کے غلط ہونے کا یہ مطلب تو نہیں لینا چاہیے کہ دنیا میں محبت اور خلوص ختم ہو گیا ہے۔''

''بیٹا انسان ہی انسان کا بھروسہ لوٹتا ہے اور انسان ہی انسان کو اعتبار دیتا ہے، انسان ہی درد دیتا ہے مگر انسان ہی اس درد کا مرہم بھی ہوتا ہے مجھے یقین ہے ہماری ماریہ بیٹی کو بھی کوئی ایسا ضرور مل جائے گا جو اسے اس کا اعتبار لوٹا سکے اس کی زندگی میں خوشیاں لا سکے ہم تو ترس گئے ہیں اس بچی کی ہنسی سننے کو۔'' کاشف کے کہنے پر بوا نے بہت دھیان سے اس کے چہرے کو دیکھا اور کہنے لگیں۔

''تم تو اپنے ہی بچے ہو اگر تم سے کچھ بات کروں تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے نا۔'' بوا کے پوچھنے پر کسی خیال میں کھویا کاشف ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''بات یہ ہے بیٹا وہ جو اس دن تمہارے ساتھ تمہارا دوست آیا تھا نا مجھے تو وہ بڑا ہی سیدھا سادہ اور نیک بچہ لگا پھر تمہارا دوست بھی ہے تم تو اچھے سے جانتے ہو گے اسے۔''

''آپ احسن کی بات کر رہی ہیں، بہت اچھے سے جانتا ہوں اسے اور اس کی فیملی کو بھی، لیکن میں سمجھا نہیں کہ آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔'' بوا کے جھجک کر خاموش ہو جانے پر کاشف کو پوچھنا پڑا۔

''بیٹا میں سوچ رہی تھی کہ اپنی ماریہ کے لئے وہ کیسا رہے گا تم ذرا بات تو کر کے دیکھو اس سے۔''

''جی...... جی...... بوا جی اس کی منگنی ہو گئی ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا...... چلو اللہ اس کے نصیب اچھے کرے تمہارا کوئی اور دوست بھی تو ہو گا؟ بات یہ ہے بیٹا کہ مجھے ماریہ کی بہت فکر ہے بیٹی نہیں ہے

مگر بیٹی ہی سمجھا ہے میں نے اسے ہمیشہ، چھوٹی سی تھی ماریہ جب میں بیوگی کا دکھ دامن میں سمیٹے اس گھر میں آسرا ڈھونڈنے اپنے رشتے کے اس بھائی بھابھی کے پاس آئی میری گود میں کھیل کر بڑی ہوئی ہے مجھ سے اس کا دکھ نہیں دیکھا جاتا بیٹا۔'' بوا آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔

''بوا جی آپ بالکل فکر نہ کریں، میں کرتا ہوں کچھ، ابھی مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے اجازت دیجئے۔'' وہ عجلت میں کہتا جانے کے لئے کھڑا ابھی ہوگیا ایک لمحے کی پریشانی کے بعد وہ خود کو نارمل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن وہ لمحہ بوا کی جہاندیدہ نظروں سے چھپا نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

سب کی زندگی کی کہانی ملتی جلتی ہوتی ہے مگر پھر بھی ہر کسی کو اپنی کہانی اپنا دکھ دنیا سے الگ لگتا ہے، کسی ایک شخص کی غلطی کی سزا ہم بہت سارے دوسرے لوگوں کو دیتے ہیں مگر پھر بھی خود کو ہی مظلوم سمجھتے ہیں اور دوسروں کے دلوں میں جھانکے بغیر اپنے دکھ کی گود میں منہ چھپائے رہتے ہیں، ماریہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا، بوا کی بتائی باتوں کو ذہن میں دہراتے ہوئے کاشف سوچ رہا تھا۔

سب کچھ بالکل ٹھیک جا رہا تھا زندگی خوبصورت تھی کہ اچانک ایک دن ہنستا مسکراتا گھر سے جانے والا اسد ایمبولینس میں گھر واپس آیا تو گھر میں جیسے کہرام مچ گیا، گاڑیوں کا ٹکراؤ بہت شدید تھا، لیکن غلطی دوسری گاڑی کے ڈرائیور کی تھی، سب سے بڑی بات یہ کہ اس لڑکے کے پاس لائسنس تک نہ تھا، اسد کے گھر والوں کے دل میں غم وغصہ بھرا ہوا تھا انہوں نے ذرا بھی ٹائم ضائع کیے بغیر مقدمہ دائر کر دیا، مگر مقابلہ ایک امیر خاندان کے بگڑے اکلوتے بیٹے کا تھا، یوں تو اسد کے ماں باپ بھی مالی لحاظ سے کچھ ایسے کم نہ تھے لیکن مقابل لوگ پیسے کے ساتھ ساتھ تعلقات بھی استعمال کر رہے تھے اور نتیجہ وہی رہا تھا جو کہ ایسے مقدمات میں ہوتا ہے، پہلے نمبر پر تو ایف آئی آر ہی میں بہت سے اہم پوائنٹ مس کر دیئے گئے اور سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ ثابت کرنے کی صلاحیت رکھنے والا ایک وکیل یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ وہ لڑکا اس وقت گاڑی کو چلا ہی نہیں رہا تھا، گاڑی کو چلانے والا ایک باہر ڈرائیور تھا اور وہ ایکسیڈنٹ محض ایک غلطی تھی جو کسی سے بھی ہوسکتی ہے اور یہ بھی کہ غلطی صرف ڈرائیور کی نہیں بلکہ اسد کی بھی ہوسکتی ہے، انصاف کی دیوی آنکھوں پر کالی پٹی باندھے خاموش کھڑی رہی لیکن اسد کے گھر والوں کے لئے خاموشی سے یہ سب برداشت کر لینا قبول کر لینا آسان نہیں تھا، انہوں نے بڑی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور بڑا اور مہنگا وکیل کیا اس سارے چکر میں ان کی ساری زمینیں بک گئیں لیکن ان کے سر پر ایک ہی بات سوار تھی کہ وہ اپنے بیٹے کے لئے انصاف لے کر رہیں گے، دن رات عدالت اور وکیلوں سے ملنے میں گزرنے لگے، اسد کے والد گھر میں اکیلے مرد تھے بزنس کی طرف سے توجہ ہٹی تو ملازم بھی ہاتھ دکھانے پر اتر آئے۔

شروع میں تو ماریہ کی خالہ زرینہ اور ان کا خاندان ان کے دکھ میں برابر کا شریک رہا مگر تھوڑے ہی عرصے میں سب اپنی اپنی زندگیوں میں گم ہوگئے اور معاملہ کبھی کبھار فون کر کے تسلی دینے تک رہ گیا، گھر کے دوسرے افراد کی طرح ماریہ کی زندگی بھی بے حد متاثر ہوئی تھی، اس کی تعلیم کا بے حد نقصان ہوا تھا مجبوراً اس نے بی ایس سی میں جانے کا فیصلہ کیا تھا، اس کے یہ فیصلہ

زرینہ خالہ کی فیملی کو بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا اور انہوں نے اس کا اظہار بھی کیا تھا لیکن ماریہ اپنے حالات کو با خوبی سمجھتی تھی ان حالات میں میڈیکل میں جانا گھر والوں کے لئے پرابلم پیدا کر سکتا تھا کیونکہ مقدمہ ابھی تک چل رہا تھا اور انصاف کے حصول کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا۔

حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ رویے بھی بدلنے لگے تھے اور آخر بات یہاں تک آ پہنچی تھی کہ زرینہ نے اپنے بیٹے ذیشان کی منگنی کہیں اور کر دی تھی جبکہ ذیشان کے لئے وہ بچپن سے ماریہ کو مانگ چکی تھیں، ان سارے حالات میں یہ ماریہ کے لئے ایک اور بہت بڑا دکھ لے کر آئی تھی جبکہ اس کو ذیشان اور اس کی فیملی کی سپورٹ کی سب سے زیادہ ضرورت تھی وہ اسے اس طرح چھوڑ گئے تھے، ماریہ کو زیادہ دکھ اس بات کا تھا کہ ذیشان نے اس فیصلے کو بڑی آسانی سے مان لیا تھا، ماریہ ذیشان سے ہی نہیں ساری دنیا سے خفا ہو بیٹھی تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ لوگوں میں اپنی دلچسپی اور اعتبار کھو چکی تھی۔

☆☆☆

وہ کچھ نوٹس کاپی کروا رہی تھی تبھی اس کے موبائل پر ایک انجان نمبر سے کال آئی پہلے تو اس نے اگنور کر دیا لیکن تبھی میسج ٹون ہوئی اس نے ان باکس کھولا، لکھا تھا، ماریہ آج آپ کو کالج سے لینے میں آؤں گا، آنٹی لوگوں سے میں نے پوچھ لیا ہے، کاشف۔

''اب یہ کیا ہے؟'' اسے کافی الجھن ہوئی تھی لیکن بہرحال اس نے اوکے کا میسج کر دیا تھا۔

چھٹی کے وقت وہ کالج گیٹ سے باہر آئی تو سامنے ہی اسے گاڑی میں بیٹھا کاشف دکھائی دے گیا تھا اسے دیکھتے ہی کاشف نے باہر آ کر اس کے لئے کار کا دروازہ کھول دیا وہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی کاشف نے بھی کچھ کہے بنا گاڑی سٹارٹ کر دی۔

''کیسا رہا آج کا دن؟'' کچھ آگے جا کر کاشف نے پوچھا انداز ایسا تھا جیسے ان کے درمیان اچھی دوستی رہی ہو اور ایک دوسرے کے بارے میں روزمرہ کی باتیں کرنا ان کی روٹین میں شامل ہو۔

''ٹھیک تھا، روز جیسا۔'' سرسری انداز میں جواب دیے کر وہ کھڑکی سے باہر بھاگتے مناظر کو دیکھنے لگی تھی تبھی اسے احساس ہوا کہ گاڑی جس راستے پر جا رہی ہے وہ اس گھر کی طرف نہیں جاتا۔

''یہ راستہ غلط ہے، آپ شاید بھول گئے ہیں۔''

''ہم گھر نہیں جا رہے، ویسے میں تو کچھ نہیں بھولا مگر تم بہت کچھ بول گئی ہو بس وہی یاد کرانا چاہتا ہوں تمہیں۔'' وہ سامنے سکرین پر دیکھتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا اور ہم جا کہاں رہے ہیں آخر؟''

''بس یونہی تھوڑا بہت گھومیں گے کسی اچھی سی جگہ سے لنچ کریں گے اور پھر گھر چلے جائیں گے، مجھے تو بہت بھوک لگ رہی ہے تمہیں بھی یقیناً بھوک لگی ہوگی، بتاؤ کہاں چلیں۔''

''بہتر یہی ہے مسٹر کاشف کہ آپ مجھے سیدھا گھر لے چلیں اور اگر گھومنے پھرنے کا اتنا شوق ہو رہا ہے تو مجھے یہیں اتار دیں میں ٹیکسی سے چلی جاؤں گی آپ گھومنے کا شوق پورا کریں۔'' کاشف کا لاپرواہ لہجہ اسے مزید غصہ دلا گیا، کاشف نے اچانک ہی گاڑی سائیڈ پر کر کے روک دی، وہ قدرے خاموش سڑک تھی

کبھی کبھار کوئی گاڑی گزرتی تھی، اس قدر خاموشی اور ویرانی سے ماریہ یکدم گھبرا گئی۔

"یہاں گاڑی کیوں روکی ہے؟"

"تم نے یہ تو گاڑی روکنے کا کہا ہے۔" وہ بڑے مزے سے کہہ رہا تھا۔

"فوراً گاڑی چلائیں مجھے گھر جانا ہے۔" اس بار کاشف کا لہجہ بے حد سنجیدگی لئے ہوئے تھا۔

"فرمایئے۔" ماریہ نے غصہ دباتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ تم اپنے چاہنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہو اور اپنے ساتھ بھی۔" ماریہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"آپ کون ہوتے ہیں یہ سب پوچھنے والے اور میرے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرنے والے؟" ماریہ کا غصہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔

"پہلے ذرا یہ سن لو کہ تم کیا کر رہی ہو، تمہارے ماں باپ، جنہیں بقول تمہارے تم سب سے زیادہ پیار کرتی ہو ان کا اکلوتا پیارا بیٹا عین جوانی میں ان سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گیا ہے، وہ اپنے بیٹے کے لئے انصاف لینے کے لئے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں اور ان کی پیاری بیٹی اس گھر میں ان کی زندگی میں ہوتے ہوئے ان کی نظروں کے سامنے مردوں جیسی زندگی جی رہی ہے، اس سے بہت زیادہ خوشی ہو رہی ہوگی نا ان کو بہت حوصلہ مل رہا ہوگا کم از کم مردہ ہی سہی ایک بیٹی تو ان کے گھر میں ان کے ساتھ موجود ہے ہے نا؟"

"شٹ اپ تمہیں ہماری زندگی میں دخل دینے کی اجازت کس نے دی۔"

"خاموش رہو ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی کاشف نے سخت لہجے میں اسے ڈانٹ دیا۔

"تمہاری خالہ نے تم لوگوں کو مشکل میں چھوڑ دیا تم نے اپنے سارے رشتے داروں کو چھوڑ دیا، عائزہ اور مریم سے دوستی ختم ہوئی تو تم نے دوستی نام کے رشتے کو ہی دل سے نکال دیا، ذیشان نے تم سے بے وفائی کی۔"

"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ آگے ایک لفظ بھی نہیں بولنا۔" وہ بے اختیار چلائی تھی دل کا درد آنسوؤں کی صورت اس کی آنکھوں سے بہنے لگا۔

"تمہیں سننا ہوگا۔" ماریہ کو روتے دیکھ کر کاشف کا لہجہ دھیما پڑ گیا۔

"تم نے صرف خود کو تنہا نہیں کیا اپنے ماں باپ کو بھی اکیلا کر دیا ہے، تم نے ان سے اپنا ساتھ بھی چھین لیا ہے، اس پر سوچو، کچھ لوگوں کی غلطی کی سزا اپنی فیملی کو اور اپنے آپ کو مت دو پلیز۔" اس بار کاشف کے لہجے میں اپنائیت کے ساتھ ساتھ التجا بھی تھی، ماریہ کچھ نہیں بولی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سسکتی رہی، کاشف کچھ لمحے خاموشی سے اسے روتے ہوئے دیکھتا رہا، پھر اسے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔

"سنو۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ماریہ بے اختیار اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم نے پوچھا تھا میں کون ہوں تو سنو، میں وہ ہوں جو تمہیں اپنی زندگی سے بڑھ کر چاہتا ہوں، اپنی زندگی کے اس لمحے سے جب میں تم سے پہلی بار ملا، جب میں نہیں جانتا تھا کہ تم کون ہو کیسی ہو اور اس لمحے سے اب تک تمہاری تمام تر بے وقوفیوں کے باوجود میری محبت میں اضافہ ہی ہوتا رہا ہے، اب سمجھ آئی کہ میں کون ہوں؟"

آخر میں وہ شوخی سے پوچھنے لگا تو ماریہ جو یک ٹک حیران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، جھجک کر نظریں چرا گئی۔

"آپ کا انتخاب غلط ہے، میری زندگی میں ایسی باتوں کے لئے کوئی جگہ نہیں رہی اور نہ ہی اب رشتوں کا اعتبار رہا ہے آپ پلیز یہ سب بھول جائیں۔"

"میں انتظار کروں گا جب تمہارے دل کو میرا اعتبار آ جائے اور وہ میرے لئے دھڑکنا سیکھ جائے تو مجھے بتا دینا اور یاد رکھنا میں کاشف ہوں ذیشان نہیں۔" اس کے آخری فقرے پر ماریہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا مگر وہ سامنے سڑک کی طرف دیکھتا گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا، ماریہ لب بھینچ کر رہ گئی، ایک بار پھر آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، کاشف نے اس کی طرف دیکھے بنا ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا، باقی کا سفر خاموشی سے کٹا، گھر پہنچ کر ماریہ گاڑی سے اترنے لگی تب کاشف بولا۔

"اگر مناسب سمجھو تو ڈاکٹر جویریہ سے مل لو شاید اسے تمہاری ضرورت ہو۔" ماریہ نے پلٹ کر کاشف کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا مگر کاشف اتنے میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا، ماریہ نے اسے گھر میں جاتے ہوئے دیکھا اور خود بھی اس کے پیچھے چل دی۔

☆☆☆

ناشتے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی، بیڈ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے یونہی آنکھیں موندلیں اس کے رویے میں ذرا سی تبدیلی نے گھر میں زندگی کی لہر دوڑا دی تھی، امی ابو سب کتنے خوش اور مطمئن لگ رہے تھے اب میں انجانے میں انہیں کتنا ستاتی رہی، اسے بے اختیار رویے پر پشیمانی ہونے لگی تو سب کچھ ٹھیک کرنے والے کا بھی خیال آ گیا۔

"شاید ابھی احسن کے پاس سے نہیں لوٹا۔" وہ گزرے کل میں کاشف سے ہوئی باتوں کو سوچنے لگی تبھی اسے ڈاکٹر جویریہ کا خیال آیا تو بے اختیار اس کا نمبر ملانے لگی۔

"جی مجھے ڈاکٹر جویریہ سے بات کرنی ہے۔" ڈاکٹر جویریہ کے موبائل پر اجنبی آواز سنائی دینے پر ماریہ بولی۔

"ڈاکٹر جویریہ تو اس وقت سو رہی ہیں آپ ان کی والدہ سے بات کر لیجئے۔" دوسری طرف جو کوئی بھی تھا اپنی بات مکمل کر کے موبائل جویریہ کی امی کو پکڑا چکا تھا۔

"السلام علیکم آنٹی! میں ماریہ بات کر رہی ہوں، ڈاکٹر اسد کی بہن۔" اسد کا نام لیتے ہوئے دل میں درد کی چبھن نے بے چین کیا تھا۔

"وعلیکم السلام بیٹا کیسی ہو آپ؟ امی ابو کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں آنٹی آپ سنائیں آپ سب کیسے ہیں اور جویریہ آپی کیسی ہیں؟" وہ ہمیشہ جویریہ کو آپی کہہ کر پکارتی تھی بلکہ اکیلے میں تو اکثر بھابھی کہہ کر بھی جویریہ کو تنگ کرتی تھی جس پر جویریہ کا چہرہ کھلے گلاب کی مانند ہو جاتا تھا، وہ ایک لمحے میں ماضی کے ان گنت لمحوں کو چھو آئی۔

"کیا بتاؤں بیٹا جویریہ کی حالت تو بہت خراب ہے ہمیں یہ تو معلوم تھا کہ اسد کے ساتھ اس کی اچھی بنتی ہے مگر اسد کی اس کی زندگی میں کیا اہمیت ہے اس کا پتا اسد کے جانے کے بعد لگا ہے، میری بچی مرجھا کے رہ گئی ہے دنیا سے کٹ گئی ہے، بیمار ہے، بہت زیادہ بیمار ہے۔" جویریہ کی امی کی آواز بھرا گئی، جویریہ بھی خاموشی سے یہ سب سن رہی تھی۔

"تمہارے امی ابو تو کئی بار آئے ہیں تمہارا

کزن کاشف بھی آیا تھا ان کے ساتھ، جویریہ کو اور ہم سب کو بہت حوصلہ دلایا اس نے، مگر تم ایک بار بھی نہیں آئیں بیٹا۔" ان کے کہنے پر ماریہ کو شرمندگی نے آن گھیرا اب وہ ان کو کیا بتاتی کہ وہ خود کہیں کھو گئی تھی دوسروں کی خبر کیسے رکھتی۔

"میں آج شام میں آؤں گی آنٹی اور آپ بالکل فکر نہ کریں جویریہ آپی بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔" انہیں کچھ اور تسلی دلا کر اس نے اللہ حافظ کہہ کر فون رکھ دیا اور ایک بار پھر اپنی سوچوں میں گم ہو گئی۔

☆☆☆

جویریہ کی حالت واقعی بہت خراب تھی، ماریہ کو اس پیاری سی لڑکی پر بہت ٹوٹ کر پیار آیا جو اس کے بھائی کو اتنا چاہتی تھی، ماریہ کے گلے لگ کر جویریہ نے خوب آنسو بہائے تھے وہ اس کی اور اسد کی محبت کی اکلوتی گواہ بھی تھی اور اس کی پیاری دوست بھی، جویریہ کے گھر والوں نے انہیں تنہا چھوڑ دیا تھا تا کہ جویریہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لے اور کسی سے تو وہ اس موضوع پر بات ہی نہیں کرتی تھی، آج کل ماریہ کا زیادہ تر ٹائم جویریہ کے ساتھ ہی گزر رہا تھا وہ اس سے اسد کی ڈھیروں باتیں کرتی رہی، ماریہ کی کوششوں سے جویریہ زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی، جویریہ کے گھر والے ماریہ کے بہت شکر گزار تھے لیکن وہ تو یہ سب اپنے پیارے بھائی کے لئے کر رہی تھی اسے یقین تھا جویریہ کو تکلیف میں دیکھ کر اس کا بھائی بھی بہت دکھی ہوتا ہوگا، باقی کا ٹائم وہ اپنے گھر والوں کو دیتی کبھی ان کے فیورٹ کھانے بناتی کبھی زبردستی سیر کے لئے لے چلتی، مقدمہ اسی طرح آگے بڑھ رہا تھا مگر باقی سب کچھ بظاہر ٹھیک لگنے لگا تھا یہ اور بات کہ اسد کی جدائی کا زخم ہر دل میں ابھی تازہ تھا، کاشف نے جس دن ماریہ کو احساس دلایا تھا وہ اس سے بات کرنے کے اگلے دن ماریہ کے جاگنے سے پہلے ہی اپنے گھر چلا گیا تھا، مگر اس کے سامنے بہت سے سوال رکھ گیا تھا جن پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سوچتی رہتی تھی۔

بہت سارے دن گزر گئے تھے سب کچھ روٹین میں آتا جا رہا تھا، ڈاکٹر جویریہ نے پھر سے ہاسپٹل جوائن کر لیا تھا، ماریہ کی پڑھائی بھی اچھی جا رہی تھی بس کبھی کبھی کاشف کی کہی باتیں اس کی بولتی آنکھیں اسے سوچنے پر مجبور کرتی رہتی تھی، جب رات ڈھلے وہ بستر پر سونے لیٹتی جب صبح جاگتی تب نہ جانے کہاں سے آتی ایک سرگوشی اسے بیقرار کر دیتی۔

"میں انتظار کروں گا جب تمہارے دل کو میرا اعتبار آ جائے اور وہ میرے لئے دھڑکنا سیکھ جائے تو مجھے بتا دینا اور یاد رکھنا میں کاشف ہوں ذیشان نہیں۔" تبھی اس شام اس نے بے اختیار ایک بکے اور کارڈ خریدا اور اسے بھیج دیا کیونکہ وہ جان گئی تھی کہ واقعی وہ کاشف تھا ذیشان نہیں اور پھر یہ بھی کہ ماریہ کا دل کاشف کے لئے دھڑکنا سیکھ گیا تھا۔

☆☆☆

"بھائی آپ کے لئے کچھ آیا ہے۔" کاشف کا چھوٹا بھائی عدنان دستک دے کر کمرے میں چلا آیا اس کے ہاتھ میں ایک بکے تھا۔

"یہ کس کو ہماری یاد آ گئی۔" کاشف ابھی تک بستر میں تھا، لیٹے لیٹے بکے لینے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

"آپ خود ہی دیکھ لیں۔" عدنان نے مسکرا کر بکے کاشف کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"بھائی جان نیا سال بہت بہت مبارک ہو۔" عدنان جاتے جاتے شوخی سے بولا۔

"او ہاں تمہیں بھی مبارک ہو۔" کاشف نے بھی رسماً کہا ورنہ اسے آج کل کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"اب کیا ہے؟ جاؤ نا۔" عدنان کو مسلسل کھڑے دیکھ کر کاشف نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا، بکے ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا شاید لاشعوری طور پر وہ عدنان کے جانے کا منتظر تھا۔

"وہ بات یہ ہے بھائی کہ بکے کے ساتھ جو کارڈ ہے نا وہ میں نے پڑھ لیا ہے، نئے سال کے ساتھ نئی زندگی بھی بہت بہت مبارک ہو۔" یہ کہتے ہی عدنان نے کمرے سے باہر دوڑ لگا دی تھی، کاشف کمرے کے دروازے تک اس کے پیچھے آیا تبھی عدنان کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجے۔

"نئی زندگی بھی مبارک۔"

"نئی زندگی۔" اس نے دہرایا اور جھپٹ کر بکے اٹھا کر بے تابی سے کارڈ اٹھا کر کھولا، کارڈ پر بہت ہی خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں لکھا تھا۔

یہ جاتا سال تو دکھ دے چلا ہے
اس آتے سال سے دل ڈر رہا ہے
کیسے خوش ہو کے کریں استقبال
جانے اس سال میں کیا کچھ چھپا ہے
یہ بھی ممکن ہے کہ خوشیاں ہوں بہت
یہ بھی ڈر ہے کہ کوئی پھر جدا ہے
چاند کی چاندنی یہ کہہ رہی ہے
کہ ان کا بھی کوئی ساتھی جدا ہے
جو گزرے سال کہیں کھو گیا ہے
سب کی نظریں ہیں آتے سال پر ہی
دل میں امید تو لب پہ دعا ہے
تجھ کو مل جائے تیرے دل کی خوشی
اے میرے دوست میری یہ دعا ہے

بھیجنے والے نے اپنا نام نہیں لکھا تھا مگر کاشف جان گیا تھا کہ وہ کس کی طرف سے تھا، کاشف کی ساری سستی اور بیزاری ہوا ہو گئی تھی، ماریہ نے اپنے جذبات کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ اس کی خوشیوں کا سندیس بھی بھیجا تھا، اس نے فوراً ماریہ کا نمبر ملایا۔

"ہیلو۔" ماریہ کی خوبصورت آواز سنائی دی، کاشف بے اختیار کہنے لگا۔

پلٹ کے دیکھنا پیچھے خوشی ملی تھی کہ غم
کہاں تو ٹوٹ کے بکھرا، کہاں ہوا کیا ستم
خوشی کے بڑھتے ہوئے ہر قدم کی چاپ کو سن
گل امید سجائے ہے راہ گزر تیری
بہار منتظر ہے آرتی اتارنے کو

ماریہ کو اس آواز کو پہچاننے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگا تھا۔

"ہیپی نیو ائیر مائی ڈیئر اور بہت بہت شکریہ میرے سال کے آغاز کو اتنا خوبصورت بنانے کے لئے۔" کاشف کی جذبات سے بوجھل آواز ماریہ کو نئی زندگی کا پیغام دے رہی تھی، اندیشوں کے سائے دل کے آسمان سے ہٹ رہے تھے اور سب کچھ بہت روشن روشن لگ رہا تھا۔

"ہیپی نیو ائیر۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

"تو پھر کب آ جاؤں؟"

"کس لئے؟" وہ حیران ہوئی۔

"اپنی دلہن کو لینے اور کس لئے بھئی۔"

"مجھے کیا خبر۔" ماریہ کی شرمائی ہوئی آواز کاشف کے کانوں سے ٹکرائی وہ بے اختیار ہنس دیا اور ماریہ کی شرمیلی ہنسی بھی اس کی ہنسی میں شامل ہو گئی، نئے سال کا اس سے زیادہ خوبصورت آغاز شاید کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

صدف اعجاز

میں ولی عادل، آج کے دور کی عجیب و غریب مخلوق، یہ میرا نہیں میرے گھر والوں کا خیال ہے، جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں اور مجھے آج کے دور میں میوزیم میں رکھنا چاہیے، میری حرکات وسکنات میرے گھر والوں کو کسی حد تک ابنارمل دکھائی دیتی ہیں، ان کے خیال میں تو مجھے کسی سکائٹرسٹ کی بھی ضرورت ہے جو میرے دماغ کے ڈھیلے پرزوں کو اپنی سکائیوتھراپی سے ٹائیٹ کردے۔

آپ بھی پریشان ہورہے ہونگے کہ حقیقتاً میں کوئی ذہنی مریض ہوں، کوئی بھی رائے قائم کرنے سے پہلے آپ میری روداد ضرور سنیں۔

میرے ذاتی خیال سے میں بالکل ایک عام سا انسان ہوں ہوسکتا ہے کہ مجھ میں اور دوسرے لوگوں میں تھوڑا سا فرق ہو، فرق تو ہر انسان ایک دوسرے سے ہے چاہے عقل ہو، شکل ہو اور چاہے دل ہو۔

''ولی بھائی!'' ماہرہ نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو میرا تیزی سے چلتا قلم رک گیا میں نے سر گھوما کر ماہرہ کو دیکھا۔

ناولٹ

''میں آسکتی ہوں۔'' وہ اندر آنے کی اجازت مانگ رہی تھی۔

''ہاں آجاؤ ماہی۔'' اسے یونہی دروازے میں ایستادہ دیکھ کر میں نے اسے اندر آنے کی اجازت دی۔

''ممی کے دربار میں حاضری دیجئے۔''

''خیریت۔'' میں نے بھنویں اچکا کر مما کے بلائے جانے کے متعلق قیاس کیا۔

''خیریت ہی ہوگی، ذرا جلدی آیئے گا۔''

''آتا ہوں۔''

لکھنے کا ٹائم ختم ہوا ڈائری بند کرکے اسے دراز میں رکھ کر اک گہرا سانس بھرتا کھڑا ہوگیا۔

☆☆☆

"کیوں نا یہاں سے اک لمبی واک کر کے گھر جایا جائے۔" شاہ ویز نے کہا تو سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی، وہ سب کزنز گھر کے قریب مارکیٹ میں آئس کریم کھانے آئے تھے اور یہ ٹریٹ ولی کی جانب سے تھی، بل پے کر کے ہم سب آئس کریم پارلر سے باہر نکل آئے۔

"شکریہ ولی۔" ایرج نے میری جانب سے دی گئی آئس کریم ٹریٹ پر شکریہ ادا کیا۔

"بہت شکریہ، آئس کریم ٹریٹ کا۔" شانزہ نے اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

میرے باہر آتے ہی شکریہ، نوازش کے پیغامات میرے کانوں سے ٹکرانے شروع ہو گئے، جواباً میں اک مبہم سی مسکراہٹ سے ان نوازشات کو قبول کرتا قدرے بڑبڑا کر بولا۔

"یو آل آر موسٹ ویلکم۔"

اکتوبر کے آخری عشرہ میں ہلکی ہلکی چلتی ہوا میں سڑک کے کنارے ہم کزنز خوش گپیوں میں مصروف واک کرتے گھر کی جانب جا رہے تھے جب میری نگاہ سڑک کے عین درمیان میں پڑے پتھر سے ٹکرائی، پتھر نہ تو اتنا بڑا تھا اور نہ ہی اتنا چھوٹا مگر میرے نزدیک رات کی تاریکی میں کسی راہ گیر کو نقصان پہنچا سکتا تھا، میں نے پتھر اٹھا کر سڑک کے کنارے بنی گرین بیلٹ پر رکھ دیا۔

"ولی واٹ آر یو ڈوئینگ۔" میری کزن شانزہ نے بلند آواز میں چلا کر پوچھا۔

"یہ پتھر کے ساتھ فٹ بال کھیلنے کی کوشش کر رہا ہے۔" آئس کریم کھاتی امل نے بڑے طنزیہ انداز میں کہا، میں نے اسے گھورا مگر وہ میری طرف متوجہ کہاں تھی۔

"پتھر سڑک کے درمیان میں تھا اور کسی کو ٹھوکر لگ سکتی تھی۔" امل کے مذاق کو اگنور کرتا میں بڑے اطمینان سے گویا ہوا۔

اور اگلے پل اب میری حیرت کی انتہا نہ رہی وہ سب بمعہ میری بہن ماہرہ مجھے گھورنے لگے۔

"کیا ہوا؟ تم سب ایسے کیوں گھور رہے ہو۔" انہیں گھورتا پا کر میں نے بھی ادائے بے نیازی دکھائی۔

"تم اچھے ہو یا ہمارے سامنے بن رہے ہو۔" وہی تیکھا سا سوال جو وہ اکثر کرتے تھے۔

"راستے سے پتھر ہٹانے کا نیک ہونے سے کیا تعلق۔" میرا لہجہ یک دم سپاٹ ہو گیا، مجھے ان کی ایک ہی بات کے پیچھے پڑ جانا اچھا نہ لگا۔

"اوہو، اتنی عاجزی و انکساری۔" سراسر مذاق اڑاتا انداز۔

"ارے سمجھا کرو یہ بھی اسٹائل ہے لوگوں کو امپریس کرنے کا۔" امل نے شرارت سے چمکتی آنکھوں سے ولی کو دیکھا۔

مجھے امل کا انداز سخت زہر لگا تھا مگر اس پل اگنور کرنے میں ہی بھلا تھا اپنے چاروں اطراف اپنی ذات کے عجیب و غریب ہونے پر ملنے والے ریمارکس مجھے حیرت سے دوچار کر رہے تھے ان کے طنز کرتے، مذاق اڑاتے لہجے مجھے ندامت میں ہرگز مبتلا نہ کرتے بلکہ اک افسوس سا ہونے لگتا کتنے عرصے سے یہ میری عادات سے واقف ہیں پھر بھی ہر بار میرے کسی ایسے ہی عمل کو اپنے مذاق کا نشانہ بناتے ہیں لیکن اب میں ان کے رویوں کا عادی ہو چکا تھا سو یہ سب میری ذات پر کوئی فرق نہیں ڈال سکتا تھا۔

ایجوکیٹڈ اچھائی بھلائی نیکی اور بے غرض خدمت کا تصور اتنا ختم ہو گیا ہے کہ اگر کوئی اچھائی یا کسی کے ساتھ بھلائی کی جائے تو لوگ شے کی نظر سے دیکھتے ہیں یا پھر یونہی مذاق اڑاتے ہیں، میرا نظریہ ہے کہ انسان کی نیت نیک ہونی چاہیے، آپ نیک نیتی سے جتنا حالات اور ہمت اجازت دیں اور ممکن ہو دوسروں کی مدد کریں اگر آپ کی نیت نیک ہے اور آپ کسی غرض صلے کی خواہش رکھے بغیر لوگوں کی مدد کرتے ہیں تو یقین کریں کہ ایک نہ ایک دن لوگ آپ کی سچائی کو تسلیم کریں گے اور نہ بھی کریں تو انسان کو روحانی خوشی اور ذہنی سکون میسر آتا ہے۔

☆☆☆

"مجھے حیرت اس پر ہے کہ یہ لڑکا ہمارے گھر میں کس پر گیا ہے۔" میں اپنے لئے چائے بنا کر لاؤنج میں آیا تو ممی ڈیڈی سے ہمیشہ کی طرح میری سرگرمیوں کا شکوہ کر رہی تھیں۔

"اب کیا کر دیا۔" ڈیڈی نے سر اٹھا کر ممی کو دیکھا، جن کے چہرے پر فکر مندی اور پریشانی واضح نظر آ رہی تھی۔

"عادل نے ابھی ایک ہفتہ قبل تو اس نے اپنے دوست کی مما کو خون دیا تھا اور آج پھر خون دینے چل دیا۔"

"او پلیز ممی What a big deal in it? (اس میں اتنی بڑی بات کیا ہے؟)۔"

"تمہیں اپنی پرواہ ہے کہ نہیں۔" اس کا لاپرواہ انداز انہیں چڑا گیا۔

"ممی میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"میں ماں ہوں تمہاری، مجھے تمہاری فکر ہے۔" بڑی آزردگی سے اپنی ممتا کا احساس دلایا گیا۔

"کبھی خون دینے چل دیئے تو کبھی راہ چلتی انجانی لڑکی کو آوارہ لڑکوں سے بچاتے، مار کٹائی کر کے چوٹ لگوا کر گھر آ گئے، ولی حقیقت کو آنکھیں کھول کر دیکھو کیوں؟ بلاوجہ دوسروں کے جھگڑوں میں الجھ کر خود کو خطرات میں ڈالتے ہو۔"

"ممی اس لڑکی کی جگہ ماہرہ ہوتی تو آپ مجھ سے یہی کہتیں۔" جواباً میں چپ نہ رہ سکا اور دل میں ابھرتے سوال کو لبوں پر لے آیا۔

"خدا نہ کریں تمہاری بہن کیوں ہوتی؟ اسے کیا ضرورت پڑی ہے سڑکوں پر پھیرنے گی۔" ممی نے قدرے برا مان کر کہا۔

"ممی آپ کی بیٹی خوش قسمت ہے کہ اسے سڑکوں پر پھیرنا نہیں پڑتا لیکن یہ ضروری نہیں ہر لڑکی کی قسمت ماہرہ جیسی ہو، کوئی شوق سے سڑک پر نہیں گھومتا پھیرتا، اللہ جانے کیا مجبوری ہو۔" اسے ممی کا انداز گفتگو بالکل اچھا نہ لگا سو احتراماً قدرے ہڑ بڑا کر وہ گویا ہوا۔

"اف عادل آپ ہی اسے سمجھائیں میری بات تو مانے گا نہیں صرف بحث کرے گا۔" وہ کنوینس ہوتا دکھائی نہ دیا تو انہیں اپنا رخ ڈیڈی کی جانب کرنا پڑا۔

اخبار میں گم ڈیڈی کی نگاہیں میری جانب اٹھیں تو میں جلدی سے چائے کا سپ بھرنے لگا۔

"آئی ایم پراوڈ آف یو۔" آواز میں بڑی محبت سموئے وہ بولے تھے۔

میں نے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا تو ہمیشہ کی طرح محبت لٹاتی آنکھیں مجھ پر جمائے وہ مسکرا رہے تھے اک گہرا اطمینان میرے اندر اتر گیا جبکہ ممی ڈیڈی کی بات سن کر وہاں سے واک آؤٹ کر گئیں۔

☆☆☆

بالکونی کے پردے ہٹا کر میں نے لان میں جھانکا تو امل واک کرتی دکھائی دی، وہ واک کرتے ہوئے شاید مونگ پھلی کھا رہی تھی، وہ مونگ پھلی چھیلتی اور چھلکے نیچے پھینک دیتی۔

"اسٹوپڈ جاہل لاڈ پیار کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان تمیز ہی بھول جائے۔"

"جانے کیوں آج کل کے ماں باپ بچوں کی پرورش کرتے ہوئے ان کو بنیادی تمیز سکھانا بھول جاتے ہیں۔" چھلکوں کو یوں لان میں گندگی مچاتے دیکھ کر وہ جل ہی تو گیا۔

انسان کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے تو اسے کچھ ایسا ہی کرنا چاہیے کہ وہ اپنے انسان ہونے پر فخر کریں، کم از کم انسان اور جانور میں کوئی فرق تو ہونا چاہیے جو کہ اسے محسوس ہوتا کہ آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا ہے، یہ میرا ذاتی خیال ہے آپ کا اس سے متفق ہونا ضروری نہیں اب دیکھیں نا اگر لوگ چلتی گاڑی سے کوڑا کرکٹ سڑک پر پھینک دیں تو اپنے انسان ہونے پر شرم آنی چاہیے یا خود پر فخر کرنا چاہیے۔

سڑک کے درمیان میں پڑا پتھر سائیڈ پر رکھ دو تو آپ عجیب وغریب مخلوق بن جاتے ہیں، اسٹاپ پر کھڑی انجان لڑکی کو اگر آوارہ لڑکے تنگ کرتے ہیں تو اس سے ہمارا کیا واسطہ نظریں چرا کر خاموشی سے اپنی راہ ہو لو اسی میں ہماری عافیت ہے کیونکہ وہ انجان بے بس لڑکی نہ تو تمہاری بہن ہے اور نہ ہی بیٹی کیوں پرائے پھڈے میں الجھو۔

"لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا مجھے اپنی بہن کا خیال آ جاتا ہے کہ اگر اس کی جگہ ماہرہ ہوتو میں اپنی جان پر کھیل کر اسے بچاتا اور یہی خیال مجھے مدد کے لئے مجبور کر دیتا ہے اور اپنے حلقہ احباب میں، میں مذاق کا نشانہ بنتا ہوں۔"

"ہیرو بننے کا شوق جو چرایا ہوگا۔" طنز کے تیر وہاں سے شروع ہو چکے تھے جانے میرے ایسا ہونے پر اسے کیا تکلیف تھی۔

"جی بھائی آپ کسی اکشے کمار سے کم نہیں ہیں۔" میری بہن اتنی بدتمیز ہوگی مجھے اندازہ نہ تھا۔

"نہیں یہ کیوٹ والا ہیرو ہے۔" وہ مسکرائی اور میں تپ گیا۔

میرے سر پر بندھی پٹی کی طرف اشارہ کرتیں وہ دونوں میرا مذاق اڑانے میں مشغول تھیں اور ممی سر پکڑے صوفے پر بیٹھیں دل میں مجھے کوس رہی تھیں۔

شام میں ڈیڈی گھر آئے تو میری حالت دیکھ کر بے چین ہو گئے، مگر میری گہری خاموشی کو دیکھ کر وہ میرے عمل کو سراہنے لگے۔

☆☆☆

چند دنوں سے حرا آنٹی کی طبیعت کافی خراب تھی، آفس سے گھر آیا تو انہیں دیکھنے چلا آیا، سیڑھیاں چڑھتے ہی اس کا ٹکراؤ امل سے ہو گیا۔

"ہائے، آنٹی کی طبیعت کیسی ہے؟" خلاف توقع وہ بڑے نارمل انداز میں بول رہا تھا۔

"آرام کر رہی ہیں پہلے سے کافی بہتر ہے۔" چیونگم کا ریپر کھولتے ہوئے بڑے مہذب انداز میں جواب دیا، پھر اس کے سامنے ریپر نیچے پھینکتی سیڑھیاں اتر گئی اس کا انداز بالکل ایسا تھا جیسے اسے چڑایا گیا ہو، اک تاسف بھرا سانس بھرتا وہ اوپر چلا آیا۔

☆☆☆

وہ آفس میں تھا جب ممی نے فون کر کے اسے ماہرہ کو کالج سے پک کرنے کے لئے کہا، وہ لنچ بریک میں ماہرہ کے کالج چلا آیا، بیس منٹ انتظار کے بعد ماہرہ گاڑی میں آ بیٹھی۔

"سوری بھائی تھوڑی دیر ہوگئی۔"

"اِٹس آل رائیٹ۔" انتظار کی کوفت کا شائبہ تک ماہرہ کو اس کے چہرے پر نظر نہ آیا وہ حیران تھی اپنے بھائی کے اتنے شانت ہونے پر۔

"بھائی فروا کو اس کے گھر ڈراپ کرنا ہے۔" اس نے بنا کچھ کہے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر اس کے اور فروا کے بیٹھتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی۔

ماہرہ اسے فروا کے گھر کا راستہ بتانے لگی جب اچانک اس نے گاڑی کو بریک لگا دیا۔

"کیا ہوا بھائی؟" اس کے یوں یک دم بریک لگانے پر وہ حیران ہوئی، ماہرہ نے ونڈ اسکرین کی جانب دیکھا سامنے کچھ بھی نہ تھا پھر ولی نے گاڑی کیوں روکی۔

"ایک منٹ۔" ولی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا ماہرہ نے اسے روڈ کے دوسری طرف جاتے دیکھا، اب وہ روڈ کے کنارے کھڑے بوڑھے آدمی سے کچھ کہہ رہا تھا پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں روڈ کراس کر کے دوسری طرف لے گیا، ماہرہ کو یک دم شرمندگی نے گھیر لیا۔

"فروا کیا سوچے گی اس کا بھائی اسے امپریس کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔" اس نے پلٹ کر بڑی کھسیانی مسکراہٹ سے فروا کو دیکھا جس کی نگاہیں دور کھڑے ولی پر تھیں۔

ولی واپس آ بیٹھا اور اس سے فروا کے گھر کا راستہ دوبارہ پوچھنے لگا، ان سے بنا کچھ کہے وہ راستہ سمجھانے لگی، (کبھی کبھی ہماری سوچ لوگ کیا کہے، تک محدود ہو جاتی ہے)۔

☆☆☆

"حد ہوتی ہے ممی، کیا سوچ رہی ہوگی میری فرینڈ۔" گھر پہنچتے ہی وہ پھٹ پڑی، ممی اور امل کو لاؤنج میں بیٹھے دیکھ کر وہ پیچھے آتے ولی کی پرواہ کیے بنا بولے جا رہی تھی، جواباً اک شرارتی مسکراہٹ چہرے پر سجائے امل بھی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔

"یہی کہ تمہارا بھائی فروا کو امپریس کر رہا

ہے۔'' لمحہ بھر کو وہ رکی اور پھر دماغ میں آیا خیال ظاہر کرنے لگی۔

''ہاؤ امیزنگ؟ کتنی حیران ہو گی وہ رئیل لائف میں اتنا چارمنگ، ڈیشنگ، ہینڈسم، ونڈر فل، درد دل رکھنے والا ہیرو دیکھ کر۔'' کون سی اصلاح تھی جو امل نے اس کی تعریف میں بلا دریغ استعمال نہ کی ہو، دروازے کے پاس کھڑے اس نے ان دونوں کی بک بک سنی اور ہمیشہ کی طرح اگنور کرتا اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔

☆☆☆

''یقین کرو مجھے فروا کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا ہے۔'' وہ لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا جب پہلے ماہرہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی پھر امل کی اس کا مذاق اڑاتی ہوئی۔

''اسے کسی سکائٹرسٹ کو چیک کروانے کا مشورہ دینا چاہیے تھا۔''

''سکائٹرسٹ کی ضرورت تو تمہیں ہے امل بی بی۔'' اس نے دل میں سوچا۔

''نہیں امل، سچ وہ بھائی کے اس ایکٹ پر اتنی امپریس تھی کہ اتنا تو بھائی نے بھی امپریس کرتے وقت سوچا نہ ہوگا۔'' یہ اس کی بہن تھی، اس کا دل چاہا جا کر ایک چھانپڑ اپنی بہن کو دے مارے۔

''اس نے اپنی مما کو بھی بتایا اور اس کی مما نے بھائی سے ملنے کی خواہش بھی کی ہے۔''

''او نو رئیلی چلو تمہیں ولی کے مزاج کی درد انسانیت رکھنے والی لڑکی تلاش کرنا نہیں پڑے گی۔'' اس کا ضبط جواب دے چکا تھا وہ اٹھ کر ان دونوں کے قریب چلا آیا پھر قصداً امل کو اگنور کرتا ماہرہ سے غصے سے بولا۔

''اٹھو اور جا کر چائے بناؤ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' وہ دونوں یکدم خاموش ہو گئیں۔

اب وہ سب کریں تو کیا کریں اس بھاگتی، مطلبی دنیا میں اگر کوئی انسان ایسا ہو تو موضوع گفتگو تو اس کی دماغی حالت رہتی ہی ہے۔

وہ سب اسے دوسروں کی مدد کرنے سے منع نہیں کرتے تھے مگر ایسی مدد جس پر جوتے پڑے، سر پر پٹی بندھ جائے یا ماہرہ اور امل کو کالج واپسی پر بمعہ فرینڈز گھر ڈراپ کرتے ہوئے گاڑی روک کر ہر کسی کو پہلے آپ پہلے آپ کی بنیاد پر راستے دیتے ہوئے ماہرہ اور امل کے لاکھ چیخنے پر بھی اس کے اطمینان میں رتی بھر کا فرق نہ پڑتا تھا۔

''بھائی سارا پاکستان گزر چکا ہے اب ہم چلیں۔'' ماہرہ جل کر بولتی تو وہ کہنے لگتا۔

''ماہرہ پیدل چلنے والوں کا رائیٹ زیادہ ہے اگر وہ گزر رہے ہیں تو اے سی کار میں بیٹھ کر پانچ منٹ انتظار کرنے سے تم اور میں گھس تو نہیں جائیں گے۔''

''جی...... جی اور وہ دیکھوں ماہرہ اس بلی اور کتے کا بھی تو پہلے گزرنے کا حق بنتا ہے۔'' امل کا ٹانگ اڑانا انتہائی ضروری ہوتا مگر دوسری طرف وہ بھی چل ماحول اس کے چٹخارے اگنور کر جاتا اور اس کی خاموشی پر وہ دونوں خود سے عہد کرتیں کہ اب کی بار وہ اس کے ساتھ آنے کی غلطی کر چکی ہیں، آئندہ ہرگز یہ غلطی نہیں دہرائیں گی۔

☆☆☆

اور میری لاجک کوئی بہت مختلف بھی نہیں تھی، اپنی اپنی زندگی میں ہم اتنے الجھے پڑے ہیں کہ جب تک کوئی آفت، مصیبت ہمارے گھروں تک نہ آئے ہم اس کا احساس بھی نہیں کر پاتے۔

میں ہرگز کوئی مذہبی یا سوشل ورکر قسم کا نہیں ہوں، میں صرف عام سا انسان ہوں [جس] کے سینے میں ایک دل دھڑکتا ہے، اس میں [کچھ] نہ کچھ درد انسانیت کا احساس سانس [لیتا ہے]۔

[م]می، ڈیڈی مجھے لوگوں کی معاشی مدد کرنے [سے] کبھی نہیں روکتے تھے کیونکہ خدا کا دیا ہمارے [پاس] بے حساب تھا مگر کسی جگہ ہونے والے [حادث]ے پر پہنچ کر ان کی مدد کرنا، خون جیسے [عطی]ات، ظالم لوگوں سے مظلوم کی جان بخشی [ک]روانے پر ممی اور گھر والوں سے صلواتیں ہی [سن]نے کو ملتی تھیں، لیکن میں خوش تھا کیونکہ سکون [میر]ی زندگی اور روح میں حائل تھا اور پھر ڈیڈی [بھ]ی تو میرے ساتھ تھے۔

وہ گھر میں داخل ہوا تو مما کو لاؤنج کے [ص]وفے پر بیٹھے دیکھ کر آہستگی سے سلام کیا نگاہ [ا]رد گرد دوڑاتا وہ بولا۔

''[ا]تنی خاموشی کیوں ہے؟''

''تمہارے ڈیڈی اور ماہرہ حرا کو ڈاکٹر کے [پا]س لے کر گئے ہیں۔'' انہوں نے نظر بھر کر بیٹے کو [دی]کھا پھر دل ہی دل میں نظر اتراتیں بشاشت [س]ے بولیں۔

''اور اب تو بس تھوڑے دنوں میں یہ [خا]موشی بھی ختم ہو جائے گی جب نیا سلسلہ شروع [ہ]وگا۔''

''کیسا سلسلہ؟'' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا [تھک]ا ہارا وہ لاؤنج میں صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

''تمہاری شادی۔'' ممی نے بڑے پیار [س]ے اس کو دیکھتے ہوئے خوش خبر سنائی تھی لیکن اس [خوش] خبری سے اس کے حواسوں پر گویا کوئی بم پھٹا [تھا]۔

''میری شادی۔'' وہ یک لخت سیدھا ہو [بیٹھ]ا۔

حرا آنٹی کی کافی خراب طبیعت تھی ڈاکٹر نے مایوس ہو کر انہیں جواب دے چکے تھے اور ان حالات میں اس کے والدین کسی بلے گلے کا سوچ نہیں سکتے تھے۔

''م...... ممی، لیکن کس سے۔'' جانے کس خدشے کے تحت اس کے خشک ہوتے لب پھڑ پھڑائے۔

''لو گھر میں کون سی اتنی لڑکیاں ہیں۔'' انہوں نے لہجے میں شیرینی سموتے ہوئے کہا اور ولی ہکا بکا ان کی صورت دیکھتا رہ گیا۔

''امل!'' اس نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہاں بھئی وہی۔'' اب کی بار وہ کچھ الجھ سی گئیں اور ولی نے دونوں ہاتھوں میں سر گرا لیا۔

''مجھ سے کس چیز کا بدلہ لیا گیا ہے۔'' سنسناتے دماغ کے ساتھ وہ سوچ رہا تھا۔

''ولی کیا ہوا تم کسی اور کو تو پسند نہیں کرتے۔'' ممی نے اسے بدستور خاموش دیکھا تو اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''ممی ایسا نہیں ہے، مگر میں امل سے شادی نہیں کر سکتا۔''

''اچھا تو یہ ہی بتا دو تم کیا کمی ہے اس میں جو تم اسے رد کر رہے ہو۔'' اس کے پہلے جواب نے جہاں سکون بخشا وہاں دوسرا انہیں بے چین کر گیا، وہ جانتی تھیں عادل فیصلہ کر چکے ہیں اس کے اقرار اور انکار کی ویلیو کہاں ہونی تھی۔

''میرا مزاج اس سے قطعاً نہیں ملتا وہ نہایت غیر سنجیدہ انسان ہے۔''

''ابھی بچی ہے، ویسے بھی جب ذمہ داری سر پر پڑتی ہے تو رویے میں سنجیدگی خود بخود آ جاتی ہے۔'' انہوں نے کھوجتی نگاہیں اس کے چہرے پر جماتے ہوئے اپنے طور پر اسے سمجھانے کی اک سعی کی، وہ بالوں میں انگلیاں پھنسائے چند

لمحے ان کی بات پر غور کرتا رہا اور پھر فیصلہ کن لہجے میں گویا ہوا۔

"ممی! نو یہ میرے لئے ممکن نہیں۔" لمحہ بھر کو ان کے چہرے پر سایہ سا پھیل گیا۔

"ولی، حرا کی حالت ٹھیک نہیں تمہارے ڈیڈی امل کو لے کر کافی پریشان ہیں۔"

"اس کا حل اگر شادی ہے تو کہیں اور بھی تو ہو سکتی ہے۔" وہ اس وقت حد سے زیادہ بے مروت ہو رہا تھا اور ممی یہ سوچ رہی تھیں کہ یہ ان کا ہی بیٹا ہے نہ۔

"اتنی جلدی کیسے ممکن ہو گا۔" انہوں نے حیرت سے ولی کو دیکھا تو وہ جھنجھلا اٹھا۔

"تو قربانی کا بکرا میں کیوں۔" وہ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن گیا۔

"ارے، خود کو بکرا کہہ دیا۔" انہوں نے ہنستے ہوئے ماحول میں بڑھتی سنجیدگی کو کم کرنا چاہ بلکہ ہونٹ بھینچتے وہ ایک بار پھر بولا۔

"ممی!"

"امل اچھی بچی ہے میرا دل کہتا ہے تم خوش رہو گے اس کے ساتھ، ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، ساری دنیا کا درد سینے میں لئے پھیرتے ہو اپنے گھر میں مشکل پڑی تو جان بچانے کی فکر لگ گئی۔" اسے مزید کچھ کہنے سے روکتے ہوئے بڑی نرمی سے ایک مرتبہ وہ اسے کنوینس کرنے لگیں اور ایک اس بات نے اسے فی الوقت خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔

☆☆☆

گزشتہ چند دنوں میں سب ہی اس بات سے بہت ایکسائیٹڈ ہو گئے تھے، ڈیڈی مطمئن کہ بیٹیوں جیسی بھتیجی ہی بہو بنے گی، ماہرہ خوش تھی کہ اس کی فیورٹ کزن اس کی بھابھی ہو گی اور ممی کو تو امل ویسے ہی بہت عزیز تھی، سو ان کی خوشیوں کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ تھا، مگر اتنے ڈھیر سارے لوگوں کی خوشیاں ایک طرف اور میرا ایک خدشہ ایک جانب میں اور امل...... امل اور میں۔

ڈیڈی اور وہ لاؤنج میں بیٹھے رات خبرنامہ دیکھ رہے تھے، وہی روز کی خبریں، میرے حکمرانوں کی ناکامی کا رونا، عوام کا چیخنا چلانا روز بروز بڑھتی مہنگائی قتل و غارت، بم دھماکے لوڈشیڈنگ وغیرہ وغیرہ اب تو نوبت یہاں تک آ گئی تھی کہ ڈیڈی اور وہ حالات حاضرہ پر ڈسکشن ہی کرتے تھے، جبھی ممی لاؤنج میں آئیں اور ان کے ساتھ صوفہ پر بیٹھ گئیں۔

اسکرین پر چلتی بے بس عوام کی تصویریں اور حکمرانوں کی نااہلیوں کی لمبی فہرست چل رہی تھیں تبھی بے بس عوام کے استحصال پر ممی کی بڑبڑاہٹ نے کمرے میں پھیلی خاموشی کو توڑ دیا۔

"اف توبہ کتنے بے حس عیاش اور کرپٹ ہمارے حکمران کوئی خوف خدا ہی نہیں، لوگوں کو لوٹ لوٹ کر کھا کر جانے انہیں نیند کیسے آتی ہے ندامت شرم احساس نام کی چیز ہی نہیں ان کے پاس، خدا کا قہر نازل ہو ان پر عوام کو اذیت مصائب میں دھکیل کر مزے سے یہاں وہاں سیریں کر رہے ہیں، ان کے گھروں میں آگ لگے تو انہیں اندازہ ہو جلنے کی تکلیف کا، پر نہیں یہ ڈھیٹ ہیں، کرسی، شہرت اور اقتدار کے پجاری اتنی دولت لے کر قبر میں ہی جائیں گے۔" ممی نے حکمرانوں کے خلاف کمنٹری شروع کر رکھی تھیں، کئی ثانیے تو وہ اور ڈیڈی سنتے رہے مگر پھر اس سے ضبط کھوتا وہ پھٹ پڑا۔

"او پلیز ممی، آپ ان کو کیوں کوس رہی ہیں، حکمران تو اچھے تب ملے گے جب ہم بحیثیت قوم فرد اور انسان کے انسانیت کے زمرے میں کھڑے ہونگے، ہمارے حکمران ہمیں صاف پانی مہیا نہیں کر پاتے تو ہم کون سا اپنے ملک کو صاف رکھ پاتے ہیں، چلتی گاڑی سے کوڑا سڑکوں پر پھینکنا عوامی جگہوں پر ریپرز پھینک کر اسے گندا کر دینا تب تو ہمیں اپنی اخلاقی ذمہ داری یاد نہیں آئی، ان پر انگلی تو با آسانی اٹھا دیتے ہیں اور اپنے اچھا فرد ہونے اور فرائض پورے کرنے یاد کیوں نہیں رہتے، کون سی برائی ہم میں نہیں، بھرے بازار میں بیوی کو اونچی اونچی آواز میں بے عزت کر کے اپنی مردانگی دکھاتے ہیں، رشوت دے کر کام کروا کے سینہ تان کر لوگوں کے ہجوم میں پھیرنا ماں، بیٹا ساتھ مل کر دوسروں کی بہنوں بیٹیوں اور لڑکیوں کا مذاق اڑنا، ماں کا بیٹے کی فضول گوئی پر خوش دلی سے ہاں میں ہاں ملانا، بس میں دھکے دے کر سیٹ پر جھپٹنا، سرراہ ہونے والے جھگڑے سے خود کو بچا کر گزر جاتے ہیں ایک ہی مارکیٹ میں ایک ہی چیز مختلف داموں میں بیچنا خدا کو یہ بھلا بیٹھے ہیں تو ہمیں کون سا یاد ہے، یہ جھوٹے مکار ہیں تو قرآن درس میں تبلیغوں کا پرچار کرنے والے خود کون سے سچے ہیں، دوسروں کو ہدایت اور سیدھی راہ کا درس دینے والے اپنے بچوں کو کیوں نہیں روک پاتے۔" لمحہ بھر کو وہ رکا پھر وہی سے سلسلہ جوڑتا گویا ہوا۔

"ممی، عیاش ہے تو ہم بھی اپنے اپنے لیول پر عیاش ہیں، کتنی عام سی بات رہ گئی ہے ہمارے لئے کسی کے گھر بے گناہ لوگوں کے جنازے دہشت گردوں کے ہاتھ اٹھتے ہیں اور کوئی نائیٹ کلبس پارٹیاں منا رہے ہیں، ہر انسان دوسرے کی کردار کشی کرنے میں محو ہے وہ دوسروں پر نکتہ چینی کر کے اس کی اصلاح میں مصروف ہے اور اس پر تف یہ کے وہ اپنی ہی اچھائیوں کا الاپ بھی ناچتے ہیں اور اگر حکمران کرپٹ ہے تو کرپشن ہم بھی کرتے ہیں، ان کی عورتیں شراب، سگریٹ نوشی، ناچے گائیں تو انہیں مختلف القابات سے نوازا جاتا ہے، ہماری بیٹیاں بہنیں یہ کریں تو ہم خوش ہو کر داد دیتے ہیں، موبائل فونز، کالج، ہوٹلوں، بازاروں میں ہمارے بچے کیا کر رہے ہیں یہی وہ کریں تو بے غیرت بے حیا ہو جاتے ہیں اپنے حکمران نیک ایماندار ہر غلطی سے مبرا چاہیے اور خود کے لئے ایسا نہیں سوچتے، یہ انصاف نہیں دے سکتے تو ہم کون سا کسی کو دیتے ہیں یتیموں کا مال کھا کر بنا کسی ندامت کے سر اٹھا کر جیئے جاتے ہیں، ممی ان کا کیا قصور یہ تو ایسے ہی ہونگے کیونکہ بدکردار قوم پر ہی بدکردار حکمران ہوا کرتے ہیں۔" اس کے شعلے اگلتے لہجے پر غور کرتیں ممی اک گہرا سانس بھرتیں اک ٹک اسے ہی دیکھے جا رہی تھیں، پھر کمرے سے سب سے پہلے ولی ہی اٹھ کر گیا، ڈیڈی اور ممی کی نگاہوں نے اس کا تعاقب دور تک کیا۔

☆☆☆

انسان کا اس دنیا میں آنے کا مقصد ہوتا ہے انسان زندگی کے ایک پل میں بھی سوچ کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ پاتا کہ کس مقصد کے لئے اسے بھیجا گیا ہے با حیثیت انسان ہمارا شعور اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھیں۔

بدقسمتی سے یہاں انسان رشتوں کا احترام ختم ہوتا جا رہا ہے، ہم اپنے مخصوص اور وقتی مفادات کے تحت اس کی دھجیاں بکھیرے ہوئے ہیں دل و دماغ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو یکسر فراموش کر چکے ہیں، آج کے نام نہاد ترقی یافتہ دور میں ہمارے معاشرتی رویوں، لالچ و

ہوس اور بے حسی کی مثال عام ہے، وقت کی رفتار میں حالات بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں خون سفید ہو چکا ہے اور جس تیزی سے ہماری اخلاقی حالت بگڑ رہی ہے اسی تیزی سے ہم پر ذلت بھی مسلط ہو رہی ہے اور ہم سمجھنے کی بجائے بگڑتے جا رہے ہیں اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم انسانیت کو ٹھکرا کر قلب سکون کے تمنائی بھی ہیں۔

''چائے۔'' اس کے لئے چائے بنوا کر وہ اس کے کمرے میں آئیں بیڈ پر گرا ہوا نجانے وہ کن سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔

''اوہ تھینکس ممی۔'' ممی نے کپ سائیڈ شیلف پر رکھ دیا۔

''کچھ اپ سیٹ ہو۔'' وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں، سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے اس نے چائے کا کپ پکڑ کر لبوں سے لگا لیا۔

''ن......نہیں۔'' بڑے تھکے انداز میں سر نفی میں ہلایا۔

''اپ سیٹ شادی پر تو نہیں۔'' اب جب فیصلہ ہو گیا تو رونا کیا۔

''ڈیڈی کہاں ہیں۔'' ولی کو خیال آیا۔

''لاؤنج میں ہی ہے۔'' انہوں نے مختصر جواب دیا۔

''شادی ملتوی نہیں ہو سکتی۔'' یہ ایک آخری احتجاج تھا۔

''وجہ۔'' بڑی شکوہ کناں نگاہ ڈالتیں وہ پوچھنے لگیں۔

''میں خود کو تیار نہیں کر پا رہا۔'' ولی نے فوراً وجہ بیان کی پھر جملوں کو ترتیب دیتا دھیرے دھیرے بولنا شروع ہوا۔

''ممی صرف نکاح بھی تو ہو سکتا ہے شادی ذرا میرا مطلب ہے رخصتی کچھ عرصے بعد کر لیجئے گا، ویسے بھی اسے کون سا کہیں اور جانا ہے، اوپر سے اس کمرے تک زیادہ دیر کروں گا تو لا کر بیٹھا دیجئے گا۔''

''صرف ایک بات کا جواب دے دو۔'' اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا، ان کی گہری نگاہیں اس کے چہرے کو کھوج رہی تھیں۔

''تم کسی اور میں تو انٹرسٹڈ نہیں۔''

''اف خدایا ممی کچھ تو بھروسہ کریں۔'' وہ روہانسا ہو گیا۔

''ابھی صرف نکاح۔'' انہوں نے ایک بار پھر تصدیق چاہی۔

''جی۔'' وہ ان کے چہرے پر بکھری سوچ پڑھتا مسکرایا۔

''رخصتی تھوڑے عرصے بعد، سچ کہہ رہے ہو نا۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ کہنے لگیں۔

''ٹھیک منظور تیاری پکڑو۔'' انہوں نے رضامندی دی تو وہ جیسے کسی بھاری بوجھ سے آزاد ہوتے ہوئے سرشاری سے اٹھ کر ان کے ہاتھ چومنے لگا، ممی کے چہرے پر بے اختیار ہی مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆☆☆

پھر حرا آنٹی کی طبیعت کے پیش نظر بڑی سادگی سے صرف نکاح کر دیا گیا اور وہ پرسکون ہو گیا کہ ممی ڈیڈی اس پر بھروسہ کرتے ہیں، اب اسے ان کے فیصلے کو ایمانداری سے نبھانے کی تیاری کرنی ہے۔

ڈیڈی تین بھائی اور ایک بہن تھے، ارم پھپھو بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں شاہ ویز، اریج اور شانزہ ان کے بچے تھے، پھر ڈیڈی کا نمبر تھا، ماہرہ اور میں ڈیڈی کے بچے تھے، ڈیڈی سے چھوٹے علی اور پھر عمر چاچو تھے، جو لندن میں قیام پذیر تھے ان کی ایک ہی اکلوتی

لاڈلی بیٹی آئلہ تھی، امل اور حرا آنٹی علی چاچو کی فیملی تھیں کئی برس پہلے علی چاچو کے انتقال پر بابا انہیں اپنے گھر لے آئے اور اوپر کے پورشن میں انہیں شفٹ کر دیا، سو امل اور ہمارا ساتھ بچپن کا تھا، ایک ماہ قبل عمر چاچو نے ڈیڈی کو فون پر بتایا کہ وہ آئلہ کو پاکستان بھیج رہے ہیں، اس کا قیام ہو گا تو مختصر عرصے کے لئے پر اس دوران اسے راہ راست پر لانا ڈیڈی کی ذمہ داری ہو گی، مسئلہ کچھ یوں تھا کہ باہر کی فضاؤں میں ملنے والے بچے من موجی سے ہوتے ہیں، آئلہ بھی بگڑی ہوئی وہاں کی ہواؤں میں رہنے والی بچی تھی، وہ کسی گورے سے شادی کرنا چاہتی تھی اور چاچو اس کے اس اقدام پر سخت نالاں تھے، لاکھ روکنا چاہا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی سو وقتی طور پر اس منظر سے غائب کرنا ہی ضروری اقدام تجویز کیا، اسے یہاں بھیجنے کے دو مقاصد تھے نمبر ون وہ پاکستانی ماحول میں رہ کر یہاں کی مذہبی اور اخلاقی اقدار کو دیکھ اور سمجھ سکے اور دوسرا مقصد ڈیڈی کی اچھے لڑکے سے اسے ملوا کر اس کا دھیان گورے سے ہٹا سکیں۔

یہ خیال کتنا کامیاب ہوتا وہ مکمل لاعلم تھا مگر آئلہ کی برین واشنگ اس کے سپرد کر دی گئی، درد انسانیت تو اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہی ہوئی تھی اور وہ بھی چل پڑا چاچو اور ڈیڈی کے مشن کو پورا کرنے اسے کیا معلوم اس کا عزم ہی گڑبڑ مچا دے گا اور امل جیسے اس نے اپنی منکوحہ نا چاہتے ہوئے بھی تسلیم کر لیا تھا اسے ہنس مکھ اور ہنسنے ہنسانے والی لڑکی سے اداس دل گرفتہ لڑکی میں تبدیل کر دے گا دھیرے دھیرے اس نے اپنے اور امل کے درمیان موجود رشتے پر دل کو راضی کرنا شروع کر دیا تھا، شروع شروع میں اس کا اور امل کا آمنا سامنا معمول کے مطابق ہی ہوتا تھا، صرف فرق آیا تو اتنا کہ اس پر کیے جانے والے طنز اسے سنائی نہ دیتے تھے اور ایسا کیوں کب کیسے ہوا تھا، وہ اس پر غور کرتا کہ آئلہ کی آمد سے جہاں مصروف کر گئی وہاں امل اس سے فاصلہ بڑھانے لگی۔

آئلہ کی برین واشنگ اس کی ایڈجسمنٹ یہاں گھر پر وہ ڈیڈی اور ماہرہ کے ساتھ مل کر مدد کروانے میں اتنا بزی ہوا کہ امل جو اس کے پہلے ہی خیال میں کبھی نہ تھی اس کا احساس کیا ہونا تھا۔

کچھ وہ بھی عجیب بدلی بدلی سی دکھائی دیتی، آئلہ کے آنے سے اس نے نیچے آنا بالکل بند کر دیا تھا، ماہرہ اور ممی ہی اوپر چلے جاتے۔

اس دن آفس واپسی پر وہ گھر آیا تو اسے ٹیرس پر کھڑا دیکھا، نجانے وہ وہاں کھڑی کن سوچوں میں گم تھی، گاڑی کا ہارن بجا کر اس نے اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی یہ اس کے دل کی سراسر بے تکی سی فرمائش تھی آواز پر اس نے نیچے جھانکا، ولی نے اک دوستانہ مسکراہٹ اچھالتے ہاتھ ہلایا تو وہ بنا کوئی رسپانس دیئے پلٹ گئی، ولی کو حیرت نہ ہوئی وہ بالکل ایسی ہی بدتمیز تھی، حیرت تو اسے خود پر تھی، وہ سامنے آئی تو اسے دیکھ کر اک نامعلوم سا احساس محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆

صبح کا آغاز بالکل معمول کے مطابق ہوا تھا، وہ ڈیڈی ممی اور آئلہ ناشتے کی میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے جب امل کا چہرہ دروازے سے نمودار ہوا۔

''السلام علیکم۔'' ہنستی مسکراتی وہ اندر داخل ہوئی، ولی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''آؤ امل ناشتہ کرو۔'' اسے دیکھ کر ممی نے ناشتے کی آفر کی۔

''نہیں ممی میں ناشتہ کر چکی ہوں۔'' وہ ٹیبل کے قریب آ کر رک گئی، امل نے ولی کو دیکھنے کی

کوشش نہ کی تھی جبکہ وہ گاہے بگاہے نگاہ اس پر ڈال لیتا تھا۔

''حرا کیسی ہے۔'' ڈیڈی نے اخبار پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''ٹھیک ہیں، ممی ماہرہ کہاں ہے مجھے اس کے ساتھ بینک تک جانا ہے۔'' ڈیڈی کو جواب دینے کے بعد وہ ممی کی جانب گھوم گئی، ولی کو وہ بے حد کمزور لگی، معمول سے ہٹ کر کچھ محسوس ہوا تھا۔

''ماہرہ تو کالج جا چکی ہے۔'' ممی نے چائے میں چمچ ہلاتے ہوئے بتایا۔

''ا......اچھا۔''

''پھر میں خود ہی چلی جاتی ہوں۔'' اس نے واپسی کے لئے قدم بڑھائے تو ڈیڈی بول اٹھے۔

''ولی آفس کے لئے نکل رہا تھا، تمہیں بینک تک لے جانا ہے۔'' چائے پیتے ولی نے اسے دیکھا تو بنا احتراز کیے اس نے سر اثبات میں ہلا دیا، جبکہ اس ساری گفتگو سے بے نیاز آئلہ ناشتہ کرنے میں مگن تھی، پھر جونہی وہ دونوں کھڑے ہوئے تو وہ ابھی آئی کا کہہ کر اوپر کی جانب چل دی، تقریباً پانچ منٹ کے بعد وہ پورچ میں آئی تو ولی اور آئلہ کو کار میں ایک دوسرے کے برابر بیٹھے دیکھ کر وہ جل اٹھی۔

''کیا ماہرہ کیا خیال درست ہے۔'' جی چاہ کے واپس پلٹ جائے شاید وہ اتر کر اس کے پیچھے آئے اس کے نا جانے کی وجہ پوچھے۔

''ہے، یہ دل کو کیا ہو گیا ہے۔'' سر جھٹکتی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولتی وہ دھیرے سے بیٹھ گئی، اس کے بیٹھنے پر باتیں کرتے وہ دونوں رک گئے، اسے بے حد آکورڈ محسوس ہوا۔

ریورس گیئر لگاتے ولی نے اسے بیک ویو مرر سے دیکھا، وہ اسے واقعی بہت کمزور دکھائی دی۔

''اسے کیا ہوا؟'' وہ کچھ الجھ سا گیا۔

گاڑی کلب کے سامنے رکی تو آئلہ اپنے اسٹائل میں بنڈل آف تھینکس کہتی اتر گئی۔

''اہل آگے آ جاؤ۔'' ولی نے مرر سے اسے جلتے کڑھتے دیکھ کر کہا تو خلاف توقع وہ بڑی خاموشی سے اتر کر آگے آ بیٹھی، اس نے گردن گھما کر ولی کو دیکھا، ولی کی متبسم نگاہیں مسلسل اس پر مرکوز تھیں، وہ ہڑبڑائی اور جلدی سے رخ موڑ گئی۔

''بچہ بڑا فرمانبردار بھی ہے سارے جہاں کا درد جو سینے میں ہے۔'' خود سے کہتی اس نے اپنے اور اس کے درمیان کے پہلے تعلق کو یاد کیا اور زندگی میں پہلی بار ولی کو اس کے انداز میں معصومیت نظر آئی تھی اور اس معصومیت پر زور کی ہنسی بھی آ گئی۔

''کیوں ہنسے ہو تم۔'' وہ اس کی ہنسی پر ایکدم کچھ مشکوک ہوئی۔

''بس یونہی دل چاہ رہا تھا۔'' ولی نے فوراً وجہ بھی بیان کی۔

''مجھے کنفیوژ مت کرو۔'' سٹپٹاہٹ میں وہ کچھ کا کچھ کہہ گئی۔

''جانا کہاں ہے۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا حالانکہ ولی کو اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ہنسی آ گئی تھی۔

''بینک۔'' اسے سنجیدہ دیکھ کر اہل نے سکون کا سانس لیتے ہوئے بتایا۔

جانا کہاں تھا اسے خود ہی معلوم نہ تھا وہ تو ماہرہ کے بتانے پر آئلہ اور ولی کے ایک دوسرے کے ساتھ جانے پر انہیں چیک کرنے چل دی تھی۔

''بینک سے کیا چاہیے۔''

''کیا لیتے ہیں بینک سے۔'' اس نے کچھ خفگی کچھ سنجیدگی سے سوال کیا۔

''تم میرا جنرل نالج چیک کر رہی ہو یا اپنا بڑھانا چاہ رہی ہو۔'' جواباً وہ اسی سے سوال کر گیا۔

''ویسے اہل اگر بینک جانا ہی تھا تو ذرا حلیہ ہی درست کر لیتی۔'' اس نے ایک سرسری نگاہ اس کے حلیے پر دوڑاتے ہوئے جتایا۔

وہ اس وقت گھر والے حلیے میں تھی اگر اسے بینک جانا تھا تو اس نے رات کے کپڑے کیوں نہیں بدلے۔

''اہل اور اہل کی عادتیں۔'' اس نے سوچا پھر لمبا سانس بھرتا زور سے مسکرایا۔

''تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔'' اب وہ اس کی مسلسل مسکراہٹ پر زچ ہونے لگی۔

''اچھا واقعی۔'' ولی نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی پھر دوبارہ بولا۔

''میں بھلا کیوں اڑانے لگا تمہارا مذاق۔''

''اب تم طنز کر رہے ہو۔''

''طنز اور میں۔'' وہ معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑتا حیرت زدہ انداز میں چلایا۔

''میں چیک بک گھر بھول آئی ہوں ان فیکٹ اپنا بیگ ہی گھر سے نہیں لائی تم مجھے یہاں ڈراپ کر دو میں رکشے میں گھر چلی جاتی ہوں۔'' اس کا کام تو ہو چکا تھا سو اب اس سے پہلے کے بگڑی جائے اتر جانے میں ہی عافیت جانی۔

''میں تمہیں گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' اسے اہل کے دماغی توازن خراب ہونے پر اب کوئی شبہ نہ رہا تھا سو گاڑی واپسی کے راستے پر ڈال دی۔

گاڑی گیٹ کے سامنے رکی تو وہ چونکی، ولی نے نگاہ اس کے خفا سے چہرے پر ڈالی اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی، اہل نے اسے دیکھا کچھ لمحے سنجیدگی سے اسے دیکھتی رہی پھر بنا کچھ کہے پلٹ گئی، ولی نے بہت حیران ہو کر اس کے رویے کا مشاہدہ کیا تھا۔

☆☆☆

سامنے پھیلی تاریکی اسے عجیب سے احساس سے دوچار کر رہی تھی، کیا نکاح میں اتنی تاثیر ہے کہ ولی سے رشتہ قائم ہوتے ہی وہ اس کے لئے اتنی کونشس ہو گئی یا پھر کوئی اور وجہ ہے، ماہرہ نے اسے ولی اور آئلہ کی بڑھتی دوستی پر خبردار کیا تھا تب تو اس نے سر جھٹک دیا مگر صبح وہ کیوں ان دونوں کو چیک کرنے چل دی۔

وہ ماہرہ سے ملنے آئی تو اس کے کمرے سے رونے کی آواز سنتی رک گئی۔

''یہ کون رو رہا ہے۔''

''آئلہ، آواز تو آئلہ کی ہی ہے۔'' بنا آہٹ کیے وہ مزید آگے بڑھی کمرے میں بیڈ پر بیٹھی وہ آئلہ اور اس کے مقابل کھڑے ولی کو دیکھ سکتی تھی۔

''اب یوں رونے سے کیا ہو گا۔'' اس کے یوں زار و قطار رونے پر وہ جھنجھلا گیا۔

''تم ہی بتاؤ، اب اور کیا کروں اس کے سوا۔'' اس کے رونے کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔

''میں تو تب بتاؤں گا جب تم رونا بند کرو گی۔'' اس نے ایک نظر آئلہ پر ڈالتے ہوئے کہا رو رو کر اس کی آنکھیں سوج رہی تھیں اور چھوٹی سی ناک گلابی ہو رہی تھی۔

''ساری دنیا کی مدد کرتے ہو ایک میری نہیں کر سکتے۔'' اب اس کے رونے میں بتدریج کمی واقع ہوئی۔

"اسی لئے تو کہہ رہا ہوں پہلے رونا بند کرو۔"

"لو میں اب نہیں روتی۔" ٹشو سے ناک پونچھتی اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"گڈ اب خود سوچو تم کیا چاہتی ہو۔" امل کو بڑا نرم محبت آمیز پرخلوص ہزاروں جذبوں میں ڈوبا لہجہ محسوس ہو رہا تھا۔

"ہونہہ۔" وہ اس کے انداز پر تپ گئی۔

"جو تم چاہو۔"

"ارے واہ، محترمہ کی اپنی کوئی مرضی ہی نہیں۔" اس کا لگاوٹ بھرا انداز اسے اندر تک جلا گیا، وہ مزید جلتی کے ولی کی محبت بھری پکار اس جلتی پر تیل کا کام کر گئی۔

"آئلہ۔"

"ولی مجھے احساس ہو گیا ہے آج کے بعد میں کسی سراب کے پیچھے نہیں بھاگوں گی۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور قدم بڑھا کر اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

"منزل سامنے ہو تو سرابوں کے پیچھے کیوں بھاگوں۔" بڑی بے تکلفی سے اس نے ولی کا ہاتھ تھام لیا۔

"اب یہ دھوکا نہیں ولی۔" باہر کھڑے اس کے دل نے بے اختیار ولی سے احتجاج کیا۔

"سو فیصلہ ہو گیا۔" ولی نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکال لیا۔

"چلو شرافت کا پرچار کرنے والے شریف تو ہیں۔" ولی کا ہاتھ چھڑانا دل میں خوشی کی لہر دوڑا گیا۔

"جی اور فیصلہ کیا ہوا یہ جانو گے۔"

"نہیں میں پرامید ہوں تم نے بالکل درست فیصلہ کیا ہوگا۔"

"اتنا یقین آئلہ پر۔" اسے اپنی آنکھوں کی سطح کا گیلا پن محسوس ہوا۔

"ولی میں بری لڑکی نہیں ہوں۔" وہ سسکیاں بھرنے لگی تو بے اختیار ولی اس کی جانب بڑھا اور باہر کھڑی امل بڑی بد دلی سے دل پر نا معلوم اداسی لئے واپس پلٹ آئی۔

☆☆☆

وہ بہت دنوں سے دیکھ رہا تھا کہ امل بہت چپ چپ سی رہنے لگی ہے ایسی سنجیدگی جو کبھی بھی اس کی شخصیت کا حصہ نہیں رہی تھی، وہ بہت ہنس مکھ لڑکی تھی مگر اب اس کی ہنسی کھو گئی تھی وہ کئی دنوں سے لاشعوری طور پر اس کے متعلق سوچ رہا تھا اور جب لاشعور کی یہ چوری شعور کی گرفت میں آئی تو وہ واقعی حیران رہ گیا۔

"تو پھر کیا میرا دل......" اس نے خود سے سوال کیا۔

"اچھا! مگر کچھ دن پہلے تو بہت باغی ہو رہا تھا۔" اندر سے آواز آئی۔

"ہاں، وہ بھی میرا فطری ردعمل تھا۔" وہ اپنی بدلتی ہوئی کیفیات کا خود ہی مزہ لے رہا تھا۔

سو زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ جو اس کے ماں باپ نے اس کے لئے کیا تھا، دل سے اسے قبول کرنے کے بعد یقیناً آئندہ زندگی سہل ہو جاتی مگر امل کے رویئے نے اسے الجھن میں ڈال دیا، گھر میں اور کسی نے یہ تبدیلی نہیں کی وہ سب اس کی سنجیدگی کو حرا آنٹی کی ناسازی حالت پر محمول کر رہے تھے۔

☆☆☆

"ماہرہ! یار ایک کپ اسٹرانگ سی چائے بنا دو، سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔" وہ دوپٹے کی جھلک دیکھ کر کچن میں آیا تھا مگر وہاں ماہرہ کے بجائے امل کو کھڑا دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا، بہت دنوں سے دونوں کے بیچ ایک ان دیکھی دیوار

حائل تھی، اب نہ تو امل پہلے والی بے تکلفی سے مخاطب کرتی اور نہ ہی وہ اس بات کر پاتا۔

"میں نے اپنے لئے بنائی تھی تم لے لو۔" امل نے سنجیدگی سے کپ اس کی جانب بڑھایا اور کچن سے باہر جانے لگی کہ وہ بے اختیار پکار اٹھا۔

"امل، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" امل نے ایک نگاہ اس پر ڈالی۔

"اچھی بھلی تو ہوں۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنسی۔

"کس چیز کی ٹینشن لے رہی ہو تم۔" اس نے اس کی اداس ہنسی محسوس کی تھی۔

"کسی چیز کی نہیں۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"(تمہیں جس کی فکر کرنی چاہیے اسی کی کرو)۔"

"کوئی مسئلہ ہے تو ضرور میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت چپ چپ اور کھوئی کھوئی سی رہنے لگی ہو اگر کوئی پرابلم ہے تو شیئر کرو۔" اس کا انداز بہت دوستانہ تھا مگر امل خاموش رہی، چند ثانیے دونوں کے درمیان ہی خاموشی قائم رہی وہ کچھ لمحے سنجیدگی سے اسے دیکھتی رہی پھر بنا کچھ کہے پلٹ گئی اور وہ چپ چاپ اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

جب کسی کو آپ سے انسیت نہ ہو تو آپ زبردستی تو محبت کروانے سے رہے وہ ماہرہ کے روم میں جا رہی تھی جب ولی کی روم سے آئلہ کی آواز سن کر حیرت زدہ رہ گئی۔

"آئلہ۔" وہ بھی شاید اس پل اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

امل نے اندر جھانکا اور دروازے سے ہٹ کر دیوار کی آڑ میں کھڑی ہو گئی۔

"کیا بات ہے آئلہ، کچھ کہنا ہے۔" وہ اسی مصروف انداز میں بولا۔

"تم شادی کب کرو گے۔" اس کے سوال پر وہ مسکرا دیا۔

"تم اتنی رات کو یہ پوچھنے آئی ہو۔" وہ اسے دیکھنے لگا۔

"ہوں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا، ولی نے گردن موڑ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"بتاؤ نہ ولی۔" وہ اب بھی سنجیدہ تھی تو مجبوراً ولی کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

"شاید کچھ ماہ تک ویسے میری ابھی ڈیڈی سے......" وہ اپنا جملہ مکمل بھی کر نہ پایا کہ وہ جھٹ سے بول پڑی۔

"تم کس سے شادی کرو گے۔" اس نے الجھن بھری نظروں سے آئلہ کی طرف دیکھا۔

"آئلہ، یہ تم کیا پزل کھیل رہی ہو۔"

"تمہارے نزدیک میں کیسی لڑکی ہوں۔"

"تم اچھی ہو۔"

"تو پھر ولی تم اس اچھی لڑکی سے شادی کرو گے۔" آئلہ کی بات پر جیسے اس کے سر پہ تو دھماکا ہوا ہی تھا باہر کھڑی امل بھی دنگ رہ گئی، وہ حیرت کے بارے بالکل ساکت ہو گیا تھا۔

کمرے میں محسوس کی جانے والی خاموشی چھا گئی تھی، آئلہ نے ولی کی طرف دیکھا اور اس نے خاموش کھڑی آئلہ کی جانب، ولی کی نگاہوں کو امل نے آئلہ کے چہرے پر پایا تھا، نجانے اس بڑی نرمی، ملائمت، لو دیتی کیوں لگ رہی تھیں۔

آگے کچھ بھی سننے کی ہمت نہ تھی کچھ تو تھا ولی کی جانب سے جو وہ اس سے یہ پوچھ بیٹھی تھی، آنسو کا سفر آنکھوں سے گالوں کی جانب بڑھا تو دھندلائی آنکھوں کو جھپکتی وہ مڑ کر اوپر چلی آئی۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو کیا تم نہیں جانتی۔'' جب وہ بولا تو اس کی آواز سرد تھی۔

''جانتی ہوں۔'' وہ چند قدم اٹھا کر اس کے قریب آ گئی۔

''اہل تمہارے ایز اے لائف پارٹنر کے آئیڈیل نہیں ہے۔'' اس نے ولی کے بازو پر ہاتھ رکھا جس کو اس نے جھٹکے سے ہٹا دیا۔

''نہیں۔'' وہ زور سے بولا۔

''یہ تم سے کس نے کہا۔'' اس نے حتی الامکان لہجے کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

''ماہرہ نے تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے وہ تمہارے بیوی کے آئیڈیل پر پوری نہیں اترتی۔''

''ایسا نہیں ہے۔'' اس نے گردن نفی میں ہلائی۔

''ایسا ہی ہے اور تم مجھے پسند کرتے ہو تو اقرار کیوں نہیں کرتے۔'' وہ بھی اسی طرح زور سے بولی جس انداز سے اس نے اس کی بات کو رد کیا تھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا میرے کس انداز سے تمہیں یہ غلط فہمی ہوئی۔''

''غلط فہمی، ولی میں نادان نہیں ہوں۔''

''پلیز بند کرو یہ بکواس، میری کیئر اور توجہ کو تم غلط رنگ دے رہی ہو۔''

''پسند تو تم اہل کو بھی نہیں کرتے۔''

''آئلہ، یہ آئیڈیل آئیڈیل کیا لگا رکھی ہے، اہل میری بیوی ہے اور میں نے یہ رشتہ کبھی توڑنے کے لئے نہیں جوڑا تھا، مجھے آئیڈیل بیوی نہیں ایک اپنے جیسے ساتھی کی ضرورت تھی، مگر میں غلط تھا، ہم کسی بھی انسان کو نہ تو اپنی مرضی سے چلا سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے جیسا بنا سکتے ہیں، وہ انسان ہے انہی سوچوں میں آزاد انسان کوئی مشین نہیں میں اسے تبدیل کرنے کا خواہ نہیں ہوا وہ جیسی بھی ہے مجھے دل و جاں سے قبول ہے۔'' ولی کی جانب سے بڑا واضح انکار تھا اس کے لئے۔

☆☆☆

اوائل جنوری کے دن تھے، سرد شاموں میں اداسی کا رنگ شامل تھا، مغرب کی سمت ڈوبتا سورج اپنے پیچھے خنکی چھوڑے جا رہا تھا، کھڑکی میں کھڑا وہ کتنے لمحے ڈوبتے سورج کو دیکھتا رہا۔

''آئلہ واپس جا رہی تھی۔'' ممی نے آہستگی سے بتایا تو ایک تاسف بھرا سانس لیتا وہ کمرے میں آ گیا۔

''تم واپس جانے کے لئے ہی تو آئی تھی۔'' اسے اس کے جانے کا افسوس تھا اس لئے نہیں کے وہ اس کے بارے میں کچھ اور انداز میں سوچ نہ سکا بلکہ اس لئے کہ وہ انسانی ہمدردی کے ناطے چاچو، ڈیڈی اور خود آئلہ کی مدد نہ کر سکا۔

''بہت غلط سمجھا آئلہ تم نے میری محبت میرے خلوص کو۔'' اور یہی وجہ تو اسے افسردہ کر رہی تھی نا چاہتے ہوئے بھی اس کی مدد کرتے کرتے اس کی ذات کسی کے لئے تکلیف کا باعث بنی۔

اس نے پردہ ہٹا کر کھڑکی سے جھانکا تو برآمدے کے اسٹیپ پر اہل کو گہری سوچوں میں گم بیٹھے پایا، وہ پردے برابر کر کے باہر چلا آیا، دھیمے قدموں سے وہ چلتا اس کے برابر آ بیٹھا یہاں تک کہ آہٹ بھی نہ ہوئی لیکن اس نے بنا دیکھے ہی محسوس کر لیا تھا کہ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھا ہے۔

''یہ تم اتنی تنہائی پسند کب سے ہو گئی ہو۔'' اس کے جھکے سر کو بغور دیکھنے لگا۔

''بس یوں ہی دل چاہ رہا تھا سو یہاں آ گئی۔''

''کیا بات ہے اہل۔'' وہ قدرے سنجیدگی سے پوچھنے لگا تب وہ سر نفی میں ہلا گئی۔

''ولی تم بہت اچھے ہو۔'' یہ یقیناً ایک ادھورا فقرہ تھا لیکن اس سے ولی کے لبوں پر بھرپور مسکراہٹ دوڑ گئی جسے چھپانے کی اس نے قطعاً کوئی ضرورت نہ سمجھی۔

''بہت اچھا، کہیں تمہاری پریشانی میرا بہت اچھا ہونا تو نہیں۔''

''مذاق مت اڑاؤ، میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں کہ تم بہت اچھے ہو۔'' اس نے ولی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''میں مذاق نہیں اڑا رہا مجھے بالکل یقین آ گیا ہے کہ میں بہت اچھا ہوں تم جو کہہ رہی ہو۔''

''ہاں تم اتنے اچھے تو اتنے خلوص سے اس ان چاہے رشتے کو نبھانے کے لئے خود کو قربان کر رہے ہو۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''قربان۔'' اسے سارے فقرے میں لفظ قربان انتہائی ناگزیر گزرا۔

''پوز مت کرو، تم اس رشتے کے لئے راضی نہیں تھے تو مجھ سے کہا ہوتا میں ممی، ڈیڈی کو انکار کر دیتی۔'' پھر جلدی سے سر جھٹک کر ولی کی طرف رخ کرتے ہوئے بولی۔

ادھوری کہانی چند لمحوں میں ہی مکمل ہو گئی، وہ اس وجہ سے اپ سیٹ تھی۔

''تو یہ بات تھی۔'' اس نے ایک لمبی سی ٹھنڈی سانس بھری۔

''کیا تمہیں میرے انکار کی وجہ معلوم ہے۔'' اب وہ بھی کچھ کچھ سنجیدہ ہوا تھا، دل کو سکون بھی ہوا کہ وہ ان کے درمیان میں بندھے رشتے پر ناخوش نہیں ہے۔

''آف کورس، ہر شخص نے اپنے لائف پارٹنر کے بارے میں کچھ نہ کچھ سوچ رکھا ہوتا ہے، تمہارے ذہن میں بھی ہو گا کہ تمہاری بیوی تم جیسی ہو۔''

''مجھ جیسی، مطلب۔'' اب اس نے نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

''محبت کرنے والی درد دل رکھنے والی، صلح جو صاف گو اور......'' یکدم وہ ولی کی خود پر جمی نظریں محسوس کر کے اگرچہ گھبرا کے خاموش ہو گئی۔

''بائی داوے، تمہیں کس نے بتایا، مجھے کس قسم کی بیوی چاہیے۔'' ولی کو اس صورت حال سے لطف سا آنے لگا سو مزید جرح کی وہ اس پر خاصا زور دے کر بولا تھا اشارہ چند لمحے اہل کی اس کی بیوی سے متعلقہ بتائی گئیں خوبیاں تھیں ...... کی طرف تھا۔

''میرے دل نے مہ...... م...... میرا مطلب میں اگر اتنی اچھی ہوں تو میرا دل یہی چاہے گا جس سے میری شادی ہو وہ بھی اتنا ہی اچھا ہو۔''

''اور تمہارے دل کو یہ لگا کہ تم اچھی نہیں ہو۔'' وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

''میں بری ہوں، یہ میں نے کب کہا۔''

''او...... ہاں میں بہت اچھا ہوں تم نے یہی کہا ہے نا؟'' ولی کے ہونٹ بے اختیار سیٹی کے انداز میں سکڑ گئے اس نے ابرو اچکا کر معنی خیز تبسم کے ساتھ اسے دیکھا۔

''ہون۔'' اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

''اور میری بیوی کو بھی اچھا ہونا چاہیے۔'' اس نے اس سے مزید استفسار کیا۔

''ہوں۔'' اس کا لہجہ دھیما تھا۔

''تو جب تم بری نہیں ہو میں بہت اچھا ہوں اور میری بیوی کو بھی اچھا ہونا چاہیے تو پھر

مسئلہ کیا ہے۔'' وہ اس کے کہے گئے فقرے کی بال کی کھال اتارنے کے درپے تھا۔

''میں بہت نہیں صرف اچھی ہوں۔'' ناچار اسے ہی کہنا پڑا۔

''آئی سی۔''

''نوپرابلم۔'' وہ اسی پر نظریں جمائے بیٹھا تھا، اس نے یکدم نظریں جھکالیں۔

''بات بہت کے بنا نہیں چل سکتی۔'' ولی نے گردن ٹیڑھی کر کے امل کی طرف دیکھا، تبھی اس نے سر اٹھایا اور اسے اپنی طرف انہماک سے دیکھتا پا کر وہ سٹپٹا گئی۔

''کیا مطلب، تم یہ کیا پوچھ رہے ہو۔''

''ہاں تو کیا، مجھے یہ نہیں پوچھنا چاہیے۔'' ولی نے بھنویں اچکا کر کہا۔

''مجھے معلوم ہے تم آئلہ کو پسند کرتے ہو مگر یہ رشتہ نبھانا تمہاری مجبوری بن گیا ہے۔''

''تم سے کس احمق نے کہا کہ میں آئلہ کو پسند کرتا ہوں۔'' وہ جھنجلا ہی تو گیا تھا۔

''میں تو بہت دنوں سے یہ بات جانتی ہوں۔'' وہ سادگی سے وضاحت دے رہی تھی۔

''کیسے جانتی ہو کیا تم نے یہ میرے منہ سے سنا یا میرے کسی عمل سے اندازہ لگایا ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے رسانیت سے پوچھنے لگا۔

''تم دونوں کے درمیان اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے کسی اندھے کو ہی سمجھ نہیں آئے گی۔''

''اور تم نے اس انڈر اسٹینڈنگ سے یہ مطلب نکال لیا۔''

''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں، میں نے خود تمہاری باتیں سنی تھیں۔'' امل نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''اچھا بابا سن لی تھیں باتیں، مگر اب خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ اور جو الزامات مجھ پر عائد کیے ہیں ان کی تردید کا موقع تو دو۔'' وہ زچ ہوا۔

''الزامات کب لگائے ہیں۔'' لفظ الزامات پر وہ تڑپ اٹھی۔

''میں مانتا ہوں کہ میں نکاح کے لئے راضی نہیں تھا۔'' اس نے تسلیم کیا، امل نے حیرانی سے اسے دیکھا وہ اتنا ہی صاف گو تھا۔

''تو پھر کیوں کیا۔'' سنجیدگی بلکہ کسی حد تک افسردگی سے مسکرائی۔

کتنی دیر تک ولی اس کا چہرہ دیکھتا رہا تھا پھر نگاہ سامنے منظر پر جما دی۔

''آئلہ اور میری اچھی دوستی ضرور ہے، عمر چاچا اور ڈیڈی کے کہنے پر میں نے اسے کمپنی دی تا کہ اپنی زندگی کا وہ فیصلہ جو وہ غلط کر رہی تھی اس کے بارے میں نظر ثانی کر لیں، آئلہ ہماری اپنی ہے اور تم تو جانتی ہو کہ میں تو دوسروں کی مدد کرنے میں بھی بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا اور یہ تمہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا اور خدا جانے میں تمہیں ڈرامہ، ایکٹر، ڈیشنگ، چارمنگ...... اور نہ جانے کیا کیا لگتا ہوں۔'' وہ رکا پھر توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔

''یہ بھی سچ ہے کہ نکاح کے بعد تمہارے متعلق کچھ خاص قسم کے جذبات بیدار ہونے لگے، مجھے نہیں پتہ کہ یہ محبت ہے یا کچھ اور مگر میں تسلیم کرتا ہوں کہ اب میں تمہیں سوچتا ہوں تمہاری اداس شکل نہیں تمہیں ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتا ہوں اگر نکاح کے بعد کچھ اس قسم کی محبت دل میں پروان چڑھتی ہے تو ہاں میں اب محبت کرنے لگا ہوں تم سے اور یہ جو تمہاری بھٹکتی شک کرتی نظریں جو ہیں نا وہ میرے دل کو بری طرح

توڑتی ہیں۔'' بات کے آخر میں وہ مصنوعی خفگی سے بولا اور امل کا سر شرمندگی سے جھک گیا پھر کچھ لمحے اس کی شرٹ کے بٹن کو گھورتی رہی۔

''ویسے امل کیا خیال ہے کہ کچھ تم مجھے سدھار لینا کچھ میں تم کو سیدھا کر لوں گا۔'' اسے خاموش دیکھ کر خود ہی دوبارہ بول اٹھا۔

''اتنی بے یقینی سے نہ دیکھو مجھے محترمہ امل ولی۔'' اس کی شوخ اور معنی خیز نظریں خود پر مرکوز پا کر وہ خفیف سی ہو گئی۔

''ویسے امل ولی بالکل سوٹ نہیں کرتے تمہیں کیا لگتا ہے۔'' اس کی گھبراہٹ محسوس کرتا وہ بے اختیار مسکراتا اسے چھیڑنے لگا۔

''کچھ عجیب ہیں نہ ہماری طرح۔''

''ولی پلیز ایسی بات مت کرو۔'' وہ بمشکل کہہ پائی۔

''اچھا ایسی بات نہ کروں تو پھر کیسی بات کروں۔'' بڑی محظوظ ہونے والی مسکراہٹ اسکے ہونٹوں پر آئی تھی، اس کے چہرے پر پھیلے قوس و قزح کے رنگ اسے لطف دینے لگے۔

''مانتا ہوں میرا زندگی کو جینے کا طریقہ تھوڑا سا مختلف ضرور ہے مگر مجھے اسی طریقے سے زندگی کو بسر کرنا اچھا لگتا ہے ہاں البتہ میں یہ خیال رکھوں گا کہ تم اور ہمارا گھر اس سے متاثر نہ ہو۔'' امل کو اس کا لہجہ اچھا خاصا مضبوط اور گمبھیر محسوس ہوا۔

''اپنے اردگرد پھیلے لوگوں کے ہجوم میں بے حسی کے بڑھتے عنصر کو دیکھ کر میں اس قطار سے خود کو الگ رکھنا چاہتا ہوں، ہم انسانیت کے زمرے سے دھیرے دھیرے باہر آتے جا رہے ہیں امل، مجھے چھوٹی چھوٹی بے ضرر سی مدد کر کے خوشی ہوتی ہے، یہ سب میری ذات میں سکون بھرتا ہے اور میں بنا سکون کے زندگی نہیں گزارنا چاہتا۔'' امل نے ولی کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی رقم دیکھی تھی۔

''بن گئے نہ ہیرو تم یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ تم میری ذات کو بھی سکون بخشنے کی کوشش کرو گے، مجھے اپنی اس زندگی میں شامل کرو گے۔'' وہ خفگی بھری اپنائیت سے بولی تو اس اپنائیت بھرے انداز سے ولی کو یک گونہ سکون محسوس ہوا۔

''یہ کہا نہیں تو کیا ہوا شامل تو تم ہو چکی ہو میری زندگی میرے دل میرے درد اور میری محبت میں اور ویسے بھی جب ہم کسی سے محبت کرتے ہیں تو اسے اس کی تمام تر خوبیوں خامیوں سمیت قبول کرتے ہیں یہ اور بات ہے کہ تم میں خوبیاں کم خامیاں زیادہ ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا جب کہ اس کی آنکھوں میں شرارت مسکرا رہی تھی، اس کے والدین کا انتخاب بالکل درست تھا بس وہی کچھ جلد باز ہو رہا تھا۔

''تو اب میں تمہاری بہت ساری خوبیوں میں حق دار ہو جاؤں گی۔'' وہ مسکرائی۔

''بلاشک وشبہ۔'' وہ بولا تو وہ بدستور مسکراتی رہی اور ولی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیلی تھی طمانیت کے احساس نے اس کے وجود میں جگہ بنائی تھی۔

محبت مسکرائی اور بولی جو کسی ایک سے محبت کرنا جانتے ہیں وہ پوری انسانیت سے محبت کر سکتے ہیں بے شک قدم چھوٹے ہی کیوں نا ہو بڑھے تو سہی کیونکہ درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو۔

☆☆☆

محبت کم نہیں ہوگی

فوزیہ احسان رانا

صبح کی معمول کی چہل پہل شروع ہو چکی تھی بھابھی بچوں کے پیچھے ناشتے کے لئے ہلکان ہو رہی تھیں اماں نماز پڑھ کر قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھیں دعا احمد نے کھڑکی کے پٹ وا کر دیئے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے خوشگوار تاثر چھوڑ رہے تھے وہ نجانے کب تک وہیں غیر حاضر دماغی سے کھڑی رہی پھر بے دلی سے روم چیئر پر بیٹھ گئی وہ گلاس ونڈو سے اپنے کشادہ صحن میں لگا پیپل کا درخت دیکھ رہی تھی کبھی اسے یہ صبح خیزی کا منظر کتنا دلفریب لگتا تھا مگر آج کل حمیرا اور ثنا کی شادی کے بعد عجیب بے کیف سے دن گزر رہے تھے دعا جب سے کراچی سے ہو کر آئی تھی اک عجیب سی اداسی کی دبیز تہہ اس کے دل پر جم کر رہ گئی تھی نجانے کیوں اس کا دل سمیر ہمدانی کی طرف ہی کھنچتا تھا۔

یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے
کہ جب تک یہ جسم اور مجسم میں یہ جان باقی ہے
کہ جب تک اس زمین پر ایک بھی انسان باقی ہے
ہزاروں میں لمبے فاصلے بھی بیچ میں آئیں
تو میری جستجو ان سے کبھی بے دم نہیں ہوگی
محبت کم نہیں ہوگی
محبت کم نہیں ہوگی
یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے

"بیا حسن کو سمیر کے ساتھ دیکھ کر یہ کیا ہوا مجھے، اپنا خسارہ اپنی اذیت یاد آگئی میرا اتنی طویل مدت کا انتظار، میری اک اک نس میں لمبی مسافت کی تھکن در آئی، کیا بے غرض محبت اور سچے جذبے یوں بے مول ہو جاتے ہیں جذبوں کی توقیر کیوں نہیں کرتے لوگ، سمیر ہمدانی میری نو عمری کا عشق، بہت مان تھا مجھے اپنی وفا تابعداری اور جان نثاری پر، مگر تم نے مجھے یہ کیسی تنہائی بخشی ہے کہ اب بھری محفلوں میں بھی نہیں لگتا کھو دینے کا جان لیوا احساس میرے تن بدن میں انگارے بھر دیتا ہے کس قدر کرب و اذیت پنہاں ہے تنہائی میں یہ مجھ سے بہتر کون جانتا ہے۔" دعا احمد نے اپنی جھیل سی آنکھوں سے نمی صاف کرتے ہوئے سوچا۔

دعا احمد نے اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو ریلیکس کرنے کے لئے آنکھیں موند کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی وہ کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی وہ اپنے مجروح جذبات و احساسات کا غم بھول جانا چاہتی تھی مگر تلخ یادیں اتنی زور آور ثابت ہو رہی تھیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی دعا احمد تلخیوں کا زہر سوچوں کے ذریعے اپنے اندر اتارتی جا رہی تھی۔

"دکھ اس بات کا نہیں ہے سمیر ہمدانی کہ تم نے مجھے نظر انداز کر کے بیا سے دوستی کر لی دکھ تو اس بات کا ہے کہ تم نے بیا حسن سے دوستی کیوں کی بیا حسن اچھی لڑکی نہیں ہے سارا کالج جانتا ہے تم بھی جانتے تھے پھر ایسا کیوں کیا میرے پندار کو ٹھیس کیوں پہنچائی تم تو کہتے تھے کہ دعا تم بہت معصوم ہو تمہاری پارسائی کی تو قسم کھائی جا سکتی ہے اور تمہاری وفا اور خلوص تو میرے لئے کسی بے بہا خزانے سے کم نہیں ہے پھر اپنی دعا کو اتنے بڑے درد سے ہمکنار کیوں کیا؟ غم سے آشنائی کیوں کروائی کیوں ٹھکرا دیا مجھے، تمہاری بے رخی نہیں سہی جاتی مجھ سے، نارسائی کا درد بہت چبھن دیتا ہے مجھے لگتا ہے کہ میرے دل کا کوئی حصہ گم ہو گیا ہے اداسی نے چاروں طرف سے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا ہے مجھے اپنی بے پناہ چاہتیں بخش کر ایک دم سے ہاتھ کیوں کھینچ لیا اپنے سے جدا کیوں کر دیا یہ آبلہ پائی کا تکلیف دہ سفر بہت سوہان روح ہے سمیر آپ میرے نہیں رہے لیکن دعا احمد آپ کی ہے آپ کی

ہی رہے گی کبھی دعا احمد تو تمہارے ہر درد کو تمہارے بنا کہے جان جاتی ہے تم تکلیف میں ہوتے ہو تو میری سانسیں رکنے لگتی ہیں وجدان کے کسی لمحے مجھے ادراک ہوتا ہے کہ سمیر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے جب تم اپ سیٹ ہوتے ہو تو میرا دل جان جاتا ہے مجھے علم ہو جاتا ہے کہ تمہیں میری ضرورت ہے تم خود ہی تو کہتے تھے کہ ''دعا احمد تم میرے مزاج کے موسموں کی ساتھی ہو'' پھر ایسا کیوں کیا بیا حسن جیسی لڑکی، (جس کے دامن میں مردوں کو گھائل کرنے کے لئے ہر طرح کے تیر موجود ہوتے ہیں) جسے میں نے کبھی درخوا اعتنا نہیں جانا قابل اعتبار نہیں سمجھا اور وہ بیا جو میری دوست ہونے کی دعویدار تھی کیسا شب خون مارا تھا بیا حسن نے میری زندگی میں، سمیر ہمدانی میری زندگی کی واحد خوشی، میری اکلوتی محبت، میرا واحد اثاثہ، میری آنکھوں میں سجا دلکش سپنا، جس کی تعبیر پانے سے پہلے ہی خوابوں کا گلستان اجڑ گیا اپنی ذات سے بڑھ کر سمیر ہمدانی پر مان تھا مجھے، کس قدر بے دردی سے اس نے میرا مان توڑ دیا مجھے اکیلا کر دیا تنہائی میرا مقدر کر دی محبت میں پسپائی میرا نصیب بنا دی۔'' دعا احمد گھٹنوں پر سر رکھے اطراف سے بے نیاز سوچوں کی عمیق گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی حزن و ملال اس کے صبیح و سندر چہرے پر رقم ہو کر رہ گیا تھا اداسی دعا کی گہری آنکھوں میں ساکت و جامد ہو چکی تھی ویرانی و مردنی اس کے سارے وجود سے لپٹ گئی تھی جینے کی طاقت و امنگ ختم ہو گئی تھی اسے اپنے چار سو ویرانیاں ڈیرہ جمائے ہراساں کر رہی تھیں۔

☆☆☆

سمیر ہمدانی دعا احمد کا کزن تھا پھپھوزاد، دعا احمد سمیر سے بہت محبت کرتی تھی ان دونوں کی بہت دوستی تھی دعا نے کبھی سمیر کو نہیں بتایا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے کیونکہ اسے اچھا نہیں لگتا تھا لفظوں میں جذبوں کا اظہار کرنا، جب کوئی انسان کسی دوسرے کا بہت خیال رکھ رہا ہوتا ہے اس کی ہر بات کو حرف آخر سمجھتا ہے تو یہ کیا ہے تابعداری محبت ہے یا جان نثاری محبت ہے دعا احمد معصوم کم گو اور اپنے سے منسوب ہر رشتے سے ٹوٹ کر پیار کرنے والی لڑکی تھی سمیر ہمدانی تو اس کی آنکھ میں سجا وہ روپیلا خواب تھا کہ جس کی سندرتا اسے ہر سمے ہر پل نہال رکھتی تھی سمیر ہمدانی ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا پھپھو جانی کی محبتوں کا واحد حقدار، پھپھو کا گھر ان کے قریب ہی تھا مالی لحاظ سے ان کا گھرانہ کچھ خاص نہیں تھا کیونکہ سمیر کے ابو عیاش طبع آدمی تھے جو کہ کماتے کم تھے اڑاتے زیادہ تھے جبکہ دعا احمد کے ابو اچھے خاصے پیسے والے آدمی تھے منظور احمد زور بازو پر بھروسہ رکھنے والے انسان تھے ان کی تین بیٹیاں ثنا حمیرا، دعا جبکہ ایک یہ بیٹا احمد تھا جو کہ شادی شدہ تھا دعا احمد اس سے چھوٹی تھی ثنا و حمیرا سے بڑی تھی، پچھلے سال ایف ایس سی شاندار فرسٹ پوزیشن لینے پر منظور احمد نے دعا کو گاڑی گفٹ کی تھی دعا گاڑی کی چابی ہاتھ میں پکڑے ممنونیت سے بابا جانی کو دیکھ رہی تھی تشکر کا اظہار اس کے مسکراتے لبوں، پانی سے لبالب بھری آنکھوں سے عیاں تھا بابا جان نے اپنی اس سادہ سی بیٹی کو بھینچ کر سینے سے لگا کر اس کی کشادہ روشن پیشانی پر بوسہ دیا تو ایک خوش کن اور روح افزا احساس دعا احمد کے اندر تک اترتا چلا گیا۔

☆☆☆

''سمیر...... سمیر کہاں ہو تم دیکھو تو بابا نے مجھے کتنی خوبصورت ٹوڈی گفٹ کی ہے۔'' دعا بچوں کی سی معصومیت چہرے پر سجائے سمیر کو آوازیں دے رہی تھی لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا پھپھو شاید واک کے لئے گئی ہوئی تھیں۔

''سمیر کہاں ہو تم کالج نہیں جانا کیا۔'' وہ اپنے کمرے میں بے سدھ سویا ہوا تھا یک لخت دعا کی آواز پر اٹھ بیٹھا سمیر کی آنکھیں تشویش ناک حد تک سرخ ہو رہی تھیں دعا اپنی خوشی بھول کر اس کی طرف سے متفکر ہو گی۔

''کیا ہوا ہے سمیر! طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' دعا اس کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

''بتاؤ نا کیا ہوا ہے سر میں درد ہے کیا؟'' دعا فکر مندی سے کہہ رہی تھی۔

سمیر نے گہری نظروں سے دعا کا جائزہ لیتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

''تو ایسے کیوں بیٹھے ہو اٹھو کسی اچھے سے ہوٹل سے ناشتہ کر کے آتے ہیں اور پتہ ہے سمیر بابا نے مجھے......'' مگر اس نے دعا کو بات مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

''پتہ ہے دعا کل سب سے پہلے میں نے نیٹ سے تمہارے رزلٹ کا پتہ کیا تھا مگر تمہارے لئے کوئی گفٹ نہیں لے سکا میرا دل کرتا تھا کہ سب سے پہلے میں تمہیں وش کروں کسی مہنگے گفٹ کے ساتھ مگر......'' سمیر کا یاسیت بھرا مایوس لہجہ دعا کے دل میں کسی تیز آرے کی طرح سے پیوست ہوا تھا۔

''کیسی باتیں کرتے ہو سمیر! محبتیں کبھی چیزوں سے مشروط نہیں ہوتیں ایسے مت کہو پلیز مجھے کچھ نہیں چاہیے صرف آپ کی دوستی آپ کا ساتھ چاہیے بس۔'' دعا روہانسی ہو رہی ہو۔

''جھوٹ کہتی ہو تم ٹوٹلی جھوٹ، پھر تم گاڑی ملنے کی خوشی میں پاگل کیوں ہو رہی تھی۔'' سمیر نے دعا کی جھیل جیسی گہری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''سمیر بابا نے تمہیں بھی تو پچھلے سال گاڑی دی تھی مگر تم نے لینے سے انکار کر دیا تھا بہت انا والے ہو نا اپنے سگے ماموں کو بھی غیر سمجھتے ہو حالانکہ ننھیال ددھیال پر تو حق ہوتا ہے اب بابا نے مجھے گاڑی دی تو پھر میں انکار کر دیتی کیا، خدا گواہ ہے سمیر مجھے مادی اشیاء کی کوئی چاہ نہیں ہے۔'' دعا احمد نے شکوہ کناں نظروں سے سمیر کو دیکھا اور سمیر کے دل کو کچھ ہوا تھا، اسے ہمیشہ دعا احمد کے آنسو موم کر دیتے تھے۔

''اچھا موڈ ٹھیک کرو بہت بہت مبارک ہو تمہیں بیسٹ آف لک، تم یونہی ہمیشہ میرے ساتھ رہو۔'' سمیر نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لئے قہقہہ لگایا اسے اچھی طرح سے علم تھا کہ دعا کو سمیر کی ہنسی بہت اچھی لگتی تھی جب وہ ہنستا تھا تو وہ چپ سی ہو کر سمیر کو دیکھنے لگتی تھی سمیر کی ہنستے ہوئے آنکھیں پانی سے بھر جاتی تھیں اور دعا سمیر کے دلکش نقوش کو بے خود دیکھتی رہتی تھی اسی لئے سمیر اب بھی ہنس رہا تھا۔

''اچھا اب بس کرو پاگل لگ رہے ہو آدھے پاگل تو ویسے ہی ہو منہ بند کرو ورنہ بتیسی نکال باہر کروں گی کمینہ، خبیث، دفع دور، میں گھر جا رہی ہوں۔'' دعا پھولے منہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اے سنو دعا اب تو دس بج رہے ہیں کالج سے چھٹی مار لیتے ہیں گھر پر کھانا ہوم ڈیلیوری کے ذریعے منگواتے ہیں پھر تم اپنے خوبصورت ہاتھوں سے چائے بنانا مل کر پئیں گے اماں بازار گئی ہیں غالباً۔'' دعا بادل نخواستہ رک گئی تھی۔

''پھپھو بازار گئی ہیں میں سمجھی واک پر گئی ہیں۔'' دعا کی بات پر سمیر نے مذاق اڑانے والے انداز میں قہقہہ لگایا تھا۔

"محترمہ واک پر صبح صبح جایا جاتا ہے۔" وہ اسے چڑا رہا تھا۔

"اچھا بس کرو اب، غلطی ہو گی منہ سے نکل گیا تھا۔" دعا احمد نے اکتا کر کہا اور آہستہ سے کہا تھا۔

"خبیث۔"

"کیا کہا ذرا پھر سے کہنا۔"

"میں نے کہا سمیر ہمدانی چاند جیسا ہے۔"

"وہ تو ہم ہیں۔" سمیر نے فرضی کالر اکڑائے۔

"چلو دفع ہو جاؤ اٹھ جاؤ اب، سوئے پڑے رہتے ہو آج لنچ اور ناشتہ اکٹھے ہو گا وہ بھی سمیر ہمدانی کی معصوم سی جیب سے، دعا احمد کی شاندار کامیابی پر۔"

"چلو ٹھیک ہے میں ذرا تیار شیار ہو جاؤں۔" سمیر نے ایک ہی جست میں واش روم کے دروازے تک پہنچتے ہوئے کہا۔

"مگر میں باہر کھانا کھاؤں گی۔" دعا نے ہانک لگائی۔

"او کے جانو۔"

ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ بلیک قمیض اور سفید شلوار پہنے تیار کھڑا تھا، دعا احمد کی نظروں میں ستائش ابھری تھی مگر دوسرے پل ہی معدوم ہو گئی کیونکہ سمیر دعا کو بہت جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیسا لگ رہا ہوں۔"

"کچھ خاص نہیں۔" دعا شرارت سے بولی۔

"اچھا پھر پیار سے کیوں دیکھ رہی ہو۔" وہ بھی پورا خبیث تھا، وہ ہنسنے لگی۔

وہ دونوں اکٹھے گھر سے نکلے تھے سمیر کے ملبوس سے اٹھتی دلفریب خوشبو دعا کو بہت اچھی لگ رہی تھی خوشیاں اس کے من میں رقص کر رہی تھیں مسکراہٹ اس کے گداز ہونٹوں پر بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی مگر یہ چند پل کی بات تھی کیونکہ جب وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے فرنٹ ڈور کھول کر سمیر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو سمیر کے چہرے پر ناقابل فہم تاثرات اس کی گمبھیر خاموشی دیکھ کر دعا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ یک لخت دم توڑ گئی۔

"کیا ہوا ہے بیٹھ جاؤ۔" دعا نے ڈرتے ڈرتے کہا کیونکہ اسے سمیر کے غصے سے بہت ڈر لگتا تھا اس کے روٹھ جانے سے اس کے کھو جانے سے۔

"تم گاڑی چلاؤ اور میں ساتھ بیٹھ جاؤں واہ کیا بات ہے مرد ہوں میں کوئی عورت نہیں ہوں۔" سمیر نے خشونت بھرے انداز میں کہا تھا۔

"چلو تم گاڑی ڈرائیو کرو مجھے خیال نہیں رہا پلیز سوری۔"

"دعا میں آج پہلی اور آخری بار تمہاری گاڑی چلاؤں گا کیونکہ آج تمہارا دن ہے آج کا سارا دن تمہارے نام، لیکن آج کے بعد میں کبھی یہ تمہاری گاڑی نہیں چلاؤں گا کیونکہ میں تمہارا شوفر نہیں ہوں اگر گاڑی تم چلاؤ گی تو میں ساتھ نہیں بیٹھوں گا کیونکہ مجھے یہ پسند نہیں، میں اپنی روٹین سے ہی کالج پیدل جاؤں گا تم جیسے مرضی جاؤ۔" سمیر نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی۔

دونوں کے درمیان ایک تکلیف دہ خاموشی ٹھہر سی گئی تھی وہ دونوں ہونٹوں پر جامد چپ سجائے ایک دوسرے سے مکمل غافل اور بیگانہ نظر آ رہے تھے دعا نے ایک اچٹتی سی نظر سمیر پر ڈالی وہ نجانے کن سوچوں میں گم تھا ہونٹ باہم پیوست تھے اس گمبھیر تا کو دعا نے ہی توڑا تھا۔

"او کے میں گاڑی بابا کو واپس کر دوں گی کیونکہ نہ مجھے یہ پسند ہے کہ تم میرے شوفر بنو نہ ہی مجھے یہ اچھا لگے گا کہ میں گاڑی چلاؤں تو تم میرے ساتھ بیٹھ کر جلتے کڑھتے رہو او کے کل سے ہم پیدل ہی کالج جایا کریں گے اب خوش۔" دعا نے بہت حلاوت ملائمت سے دھیرے دھیرے اپنی بات مکمل کی۔

سمیر کے سپاٹ تاثرات میں ذرا سی نرماہٹ پیدا ہوئی دوسرے ہی پل اس کے سختی سے بھنچے ہونٹ ذرا سے کھلے تھے آنکھوں میں چمک ابھری تھی جو دعا احمد کو شانت کر گئی تھی۔

☆☆☆

پی سی میں وہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے سمیر بہت پیار بھری نظروں سے دعا کو دیکھ رہا تھا دعا خوامخواہ نروس ہو رہی تھی اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ سمیر کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں تھی وہ اس وقت دعا احمد کے لرزاں ہونٹ کپکپاتی پلکوں اور دل میں پوشیدہ جذبات سے لطف اٹھا رہا تھا وہ کھا کم رہا تھا دعا کو تاڑ زیادہ رہا تھا دعا احمد کا چہرہ کھلی کتاب کی مانند سمیر کے سامنے تھا وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ چکی تھی دعا سے سمیر کی چمکتی آنکھوں میں دیکھا نہیں جا رہا تھا وہ نظریں جھکائے اپنے دونوں ہاتھ ٹیبل کی سطح پر رکھے بیٹھی تھی کہ سمیر نے اس کے ہاتھ تھام لئے تو وہ یک لخت اپنے خیالوں سے چونکی تھی۔

"دعا میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں بلیو می بٹ پتہ نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے، میرا دل کرتا ہے کہ میرا وجود تمہارے لئے خوشیوں کا پیامبر بنے مگر میں تمہیں کوئی خوشی نہیں دے پاتا تم اتنی اچھی ہو کر میری ہر بات مان لیتی ہو، دعا میں نے زندگی میں بہت ٹھوکریں کھائی ہیں رنگ رنگ کے لوگ دیکھے ہیں بھانت بھانت کے چہرے سے واسطہ پڑا ہے کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا میرے اپنے مشغلوں میں پڑے رہے اپنی ماں کی بے بسی مجھے ابو سے متنفر کر گئی ابو نے کبھی امی کو اور مجھے اہمیت نہیں دی میں اپنی تعلیم ٹیوشنز کر کے مکمل کر رہا ہوں مگر کبھی اپنے کسی ماموں یا چاچو سے مدد لینا گوارہ نہیں کیا تم جانتی ہو دعا کہ تم میرے لئے کس قدر اہم ہو آج کے اہم اور خوبصورت دن سمیر ہمدانی اپنا ہر جذبہ اپنی ساری محبت اپنا پورا وجود دعا احمد کے نام کرتا ہے کہ میرے پاس گفٹ کے نام پر اور کچھ بھی نہیں ہے۔" سمیر کی خوبصورت آنکھیں درد کے پانی سے دھندلی ہو رہی تھیں دعا احمد اتنے خوبصورت اظہار محبت پر نہال سی، مسحور اور آسودہ سی۔

"پلیز سمیر مجھے کچھ اور چاہیے بھی نہیں، صرف تم صرف تمہاری محبت بس اس کے سوا کچھ نہیں تمہارے نام سے ہی میری ذات مکمل ہوتی ہے دعا احمد سمیر کے سوا کچھ نہیں ہے۔" دعا کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے سمیر نے نرمی سے دعا کی آنکھوں کی نمی صاف کی تھی۔

"جان کبھی رونا نہیں، سمیر ازل سے ابد تک تمہارا ہے صرف تمہارا۔" سمیر دعا کے ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا دعا اور سمیر کا دل ایک ہی لے میں دھڑک رہا تھا وہ دونوں اس دلکش کیفیت میں کھو کر اطراف سے بیگانہ ہو چکے تھے مگر یہ لمحاتی کیفیت تھی وہ دونوں ہوش و حواس میں آ چکے تھے۔

"دعا آج تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا اگر مجھ سے محبت ہے تو۔" سمیر سراپا التجا بن گیا تھا۔

"جی جانو کہو۔" دعا جذبات سے بوجھل آواز میں بولی اس کی حیا آلود پلکیں جھکی ہوئی تھیں شدت جذبات سے دعا کا چہرہ بہت معصوم

لگ رہا تھا سمیر اس کی موہنی صورت کو نظروں کے
حصار میں لئے بیٹھا تھا۔
''دعا سر عظیم کے ایک دوست اشتہاری فرم کے مالک ہیں انہوں نے ایک دن مجھے پرنسپل کے دفتر میں دیکھا تھا سر کہہ رہے تھے کہ اسد ریاض کو یونیک اور منفرد ینگ لوگوں کی ضرورت ہے انہوں نے مجھے آفر کی ہے ایڈ کی، تم بتاؤ مجھے کر لینا چاہیے۔'' سمیر نے کہا۔

''ہاں ضرور کرو۔'' دعا بولی۔

''دعا حالات کیسے ہی کیوں نہ ہو میں ماڈلنگ کرنے لگوں میرے ساتھ جتنی بھی لڑکیاں ہوں دعا کی جگہ کوئی نہیں لے سکتی میں چاہتا ہوں میری بڑی سی گاڑی ہو ذاتی بنگلا ہو مجھے علم ہے تمہیں ان چیزوں کی خواہش نہیں ہے مگر میں اپنی ذات کی تکمیل کے لئے اپنی حسرتیں پوری کرنا چاہتا ہوں دعا تو میرے ساتھ رہنا کبھی بدگمان نہ ہونا مجھے ہمیشہ تمہارا ساتھ چاہیے۔'' سمیر آنکھوں میں ڈھیر ساری امیدیں روشن کیے کہہ رہا تھا اور دعا تو ان آنکھوں کی دیوانی تھی وہ تو سمیر کی آنکھوں کی جوت ہمیشہ جلتے رہنے کی دعا مانگا کرتی تھی۔

''سمیر جیسے تم خوش ویسے ہی میں خوش، میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں دعا احمد ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی ایک امید ایک آس کی صورت ایک دعا کی طرح۔'' آج کا دن بہت خوبصورت تھا وہ دونوں دل میں آنے والے دنوں کے ہزاروں خواب سجائے وہاں سے اٹھے تھے۔

☆☆☆

وہ دونوں اکٹھے پیدل کالج جایا کرتے تھے دعا نے بابا سے بہانے بنا کے کہ اس سے گاڑی سنبھالی نہیں جاتی۔

دعا اپنی دوستوں کے ساتھ فری پریڈ میں بیٹھی ہوئی تھی وہ ساری لڑکیاں خوش گپیوں میں مگن تھیں کہ اتنے میں لڑکی جو کہ سیولیس شرٹ پہنے سن گلاسز لگائے اپنے بالوں میں ہاتھ چلاتی انہی کی طرف آ رہی تھی ان کے ساتھ تھری پیس سوٹ میں ایک درمیانی عمر کے وجیہہ سا مرد بھی تھا جیسے جیسے وہ لوگ قریب آ رہے تھے لڑکیاں ہاہاؤ کرتے چلانے لگیں۔

''بیا حسن ٹاپ ماڈل اور اسد ریاض بھی ہیں ان کے ساتھ۔''

''واؤ بیا حسن چلو آٹو گراف لیتے ہیں۔''

ساری لڑکیاں بیا حسن کے اردگرد جمع ہو چکی تھیں دلچسپی و تجسس ان کے لب و لہجے سے پھوٹ رہا تھا تمام لڑکے لڑکیاں ان لوگوں کے سر پر سوار ہو چکے تھے مگر دعا اپنی جگہ پر جوں کی توں بیٹھی تھی اسے ہمیشہ ان ماڈلز لڑکیوں سے الجھن محسوس ہوتی تھی اس کے کسی انداز سے اشتیاق ظاہر نہیں ہو رہا تھا اسے اس سارے ڈرامے سے نفرت محسوس ہو رہی تھی وہ بیزاری اپنی جگہ سے اٹھی تھی تا کہ ان لوگوں سے دور کہیں پناہ ڈھونڈ سے کہ دعا کو لوگوں کی چاپلوسی اور خوشامد سے اکتاہٹ ہو رہی تھی وہ اٹھی اپنی کتابیں اٹھائیں کہ اچانک اسد ریاض کی نظر اس الگ تھلگ اور منفرد سی لڑکی پر پڑی تھی اور وہ لوگوں کے جم غفیر کو پرے دھکیلتے ہوئے دعا کی عین سامنے آ کر کے تھے۔

''ارے عظیم صاحب یہ لڑکی میرے ایڈ کی ماڈل بنے گی کس قدر فوٹو جینک چہرہ ہے اور آنکھیں کتنی گہری اور دلکش، بالکل کسی سمندر کی طرح، رنگت بالکل دودھ جیسی جلد میدہ جیسی، مجھے بس ایسی لڑکی چاہیے۔'' اسد ریاض اپنی مکروہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے دعا کو مسلسل اپنی

نظروں میں رکھے ہوئے تھے۔

''دعا احمد آپ ماڈلنگ کرو گے۔'' سر عظیم نے کہا۔

اسد ریاض پروفیسر عظیم جیسے نیک انسان کا دوست تھا یہ بات دعا احمد سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

''سر سوری۔'' دعا جواب دے کر پلٹی تھی۔

''اوہ دعا احمد کس قدر پیارا نام ہے اور فگر تو دیکھو سانچے میں ڈھلا ہوا اور.....'' مگر اسد ریاض کا اگلا جملہ حلق میں ہی دم توڑ گیا سمیر ہمدانی نے اسد ریاض کو گریبان سے پکڑ لیا تھا۔

''خبردار اگر دعا کے بارے میں ایک لفظ بھی اور کہا تو زبان نکال کر ہتھیلی پر رکھ دوں گا گھٹیا آدمی۔'' جب تک اسد ریاض سنبھلتا سمیر دعا کا بازو دبوچے اسے سارے لوگوں کے بیچ سے نکال کر لے گیا تھا سمیر کی گرفت دعا کے بازو پر بہت سخت تھی اسے بہت درد ہو رہا تھا مگر وہ ڈر کے مارے آواز نہیں نکال رہی تھی سمیر نے خشمگین نظروں سے دعا کو گھورا۔

''کیا ضرورت تھی تمہیں اس حرامی کے سامنے آنے کی، دل کرتا ہے جان نکال دوں کمینہ کیسے آنکھیں پھاڑے تمہیں دیکھ رہا تھا۔'' سمیر غصے و رنج سے بے قابو ہو رہا تھا، اس کی آنکھوں سے شعلے لپک رہے تھے۔

''ہم لوگ تو پہلے سے ہی وہاں تھے وہ لوگ اچانک آئے تھے کالج میں شاید کسی کمرشل کی شوٹنگ کرنی تھی۔'' دعا ڈرتے ڈرتے بولی۔

''اوکے پتہ نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے برداشت نہیں ہوتا مجھ سے جب کوئی تمہیں ایسے دیکھتا ہے بیا حسن اور میں اسد ریاض کے ایڈ میں کام کر رہے ہیں تمہیں بتایا تو تھا اب پتہ نہیں وہ مجھے کام دیتا بھی ہے کہ نہیں۔'' وہ اب ریلیکس ہوا تھا تو اپنا نقصان بھی یاد آ رہا تھا۔

لیکن یہاں بیا حسن کام آئی تھی نجانے اس نے کیسے اسد ریاض کو ٹھنڈا کیا تھا بیا حسن کو سمیر ہمدانی اور دعا احمد دونوں بہت اچھے لگے تھے بیا نے دعا احمد کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا جسے دعا نے عدم دلچسپی سے تھام لیا تھا، دعا کو ایسی بے باک و بولڈ لڑکیاں پسند نہیں تھیں جبکہ سمیر اسے بطور سیڑھی استعمال کرنا چاہتا تھا وہ ٹاپ ماڈل تھی اس کے ذریعے سمیر شہرت کی بلندیوں کو چھو سکتا تھا بیا حسن سے سمیر ہمدانی کا اپنا مفاد جڑا ہوا تھا اس لئے سمیر نے بہت خوشدلی اور اپنائیت سے بیا حسن کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔

☆☆☆

سمیر کا پہلا کمرشل بہت کامیاب ہوا تھا اسے اپنا آپ سکرین پر بہت اچھا لگ رہا تھا بہت سارے چمکتے ستارے جن کو ملنے کی خواہش برسوں سے اس کے من میں دبی ہوئی تھی جن کو سکرین پر دیکھ کر وہ ان جیسا بننے کے خواب بنتا رہتا تھا اب اس کے سارے خواب پایہ تکمیل تک پہنچ رہے تھے پہلے پہل وہ تھوڑا نروس اور کنفیوژ ہو جاتا تھا پھر بیا حسن کا ساتھ اسے اعتماد بخشتا چلا گیا وہ ہر دوسرے ایڈ میں نظر آنے لگا جس دن اس نے اپنی گاڑی لی تھی سب سے پہلی اطلاع فون کی صورت اس نے دعا کو دی تھی۔

''دعا میں نے آج اپنی گاڑی لے لی ہے جلدی آؤ آج تمہارا سمیر تمہیں تمہاری پسند کا کھانا کھلائے گا اور اپنی دعا جانو کو ایک خاص گفٹ بھی دے گا جلدی آؤ۔'' سمیر کے لہجے میں کچھ پا لینے کی سرمستی تھی کچھ کر دکھانے کی خوشی کچھ پا لینے کا فخر و انبساط۔

''بہت بہت مبارک ہو تمہیں سمیر، میں بھی بہت خوش ہوں مگر سو نو میں کیسے آؤں ایسا کروں

مجھے گھر سے پک کر لو۔" دعا وفور جذبات سے لبریز آواز میں بولی تھی۔

☆☆☆

دعا احمد نے بلو ساڑھی پہنی تھی جو اس کی دودھیا رنگت پر بہت سج رہی تھی وہ بے چینی سے سمیر کا انتظار کر رہی تھی سمیر نے گھر کے سامنے آ کر اسے مس بیل دی تھی دعا کی دھڑکنوں میں ارتعاش برپا ہوا تھا ہائی ہیل کے ساتھ دعا کا قد نمایاں لگ رہا تھا۔

"گھر نہیں آؤ گے۔" دعا نے کہا۔

"آؤ بیٹھو پھر کبھی آؤ نگا۔" سمیر نے زمانے بھر کی محبت و دلچسپی آنکھوں میں سموتے ہوئے کہا سمیر پسندیدہ نظروں سے دعا کے سراپے کو دیکھ رہا تھا استحقاق بھرا انداز، وہ دونوں نجانے کب تک ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پیار سے دیکھتے رہے کہ بالآخر دعا نے ہی سمیر کی طلسمی گرفت سے خود کو چھڑایا تھا وہ اس کے لئے فرنٹ ڈور کھولے کھڑا تھا۔

"شوفر دعا احمد کا شوفر بے چارا۔" دعا نے شرارت کی تھی۔

"جی جان یہ گاڑی دعا کے ہونے والے شوہر کی ہے اس لحاظ سے دعا کی بھی ہوئی اور سمیر ہمدانی کو ہمیشہ سے دعا کا ہے آج سے مابدولت اپنی چھوٹی سی نازک سی دعا کا کالج چھوڑنے اور لینے جایا کریں گے ہمارا تو تعلیمی سلسلہ مکمل ہو گیا ہے (سمیر نے باٹنی میں ایم ایس سی کی تھی) اب ہم دعا جانو کے شوفر ہیں سب کچھ ہیں۔" وہ فل موڈ میں تھا ہر مرد کو عورت تابعدار ہی چاہیے ہوتی ہے اپنے شانہ بشانہ ساتھ چلنے کی خواہش کرتی عورت مرد کو اپیل نہیں کرتی مرد سے مقابلا کرنے والی عورت کبھی سچی خوشی سے ہمکنار نہیں ہوتی مرد کا مقابلہ کرنے والی عورت اپنے وجود کو ہمیشہ خار دار کانٹوں سے زخمی کر لیتی ہے اپنے دل کی سر زمین کو بنجر کر لیتی ہے جب عورت مرد بننے کی کوشش کرتی ہے تو اس کے اندر کی نازک آبگینے جیسی عورت تڑخ جاتی ہے اس کے جذبوں کی آبیاری کرنے والا کوئی نہیں ہوتا وہ زندگی کا پاپیادہ سفر نوکیلے کانٹوں پر طے کرتی ہے اس کی روح لمبی مسافت کی تھکن سے مردہ ہو جاتی ہے کوئی ستائش بھرا جملہ کوئی نازک جذبہ کسی کی طرف سے اس کا نصیب نہیں بنتا دعا احمد ایسی نہیں تھی وہ مرد بننا نہیں چاہتی تھی وہ اپنے سے منسوب ہر مرد کی عزت کرتی تھی وہ باپ ہو بھائی ہو یا پھر سمیر کہیں بھی سمیر کو وہ جھکا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

جب سمیر کا موڈ خوشگوار ہوتا تو دعا کو اپنے اندر زندگی توانائی بن کر دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی۔

آج ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی ہلکی ہلکی بوندا باندی کا شغل بھی جاری وساری تھا۔

"سمیر آج دریا کنارے چلیں بڑا دل مچل رہا ہے راوی دیکھنے کو۔" دعا نے کہا۔

"او کے جانی، ایز یو لائک۔" سمیر مسلسل اسے نظروں کی گرفت میں لئے ہوئے تھا وہ اس قدر پیاری لگ رہی تھی کہ سمیر کی پرشوق نظریں اس کے چہرے سے ہی نہیں ہٹ رہی تھیں اس کے لہجے کی گمبھیرتا اس کے وجود کی حدت، سمیر کا دل مچل رہا تھا کہ دعا کو اپنے وجود میں مدغم کر لے۔

وہ ونڈو شاپنگ کرتے رہے کھانا بہت خوبصورت و دلفریب ماحول میں کھایا گیا ماحول کی دلکشی انہیں سرور و کیف عطا کر رہی تھی وہ بچھڑ جانے کے درد سے نا آشنا ایک دوسرے میں کھوئے ہوئے تھے ان کو ایک دوسرے کی سانسوں کی معطر خوشبو دیوانگی عطا کر رہی تھی وہ خوش تھے اللہ آسمانوں کی وسعتوں میں ان کا ملن رقم کر چکا تھا پھر کون تھا جو ان کو جدا کر دیتا۔

ان کا اگلا پڑاؤ جیولر شاپ تھا، سمیر ہمدانی نے ایک خوبصورت گولڈ کا لاکٹ چین خرید کر دعا کے گلے میں ڈالا تھا۔

"دعا میں اگر مر بھی جاؤں تو اسے کبھی خود سے جدا نہ کرنا پلیز۔" سمیر نے چین بند کرتے ہوئے کہا۔

"پلیز سمیر کیسی بات کرتے ہو۔" دعا نے تڑپ کر سمیر کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا ایک منٹ میں دعا کی آنکھیں وحشت زدہ سی ہو گئیں وہ شاپ سے باہر نکلے تو سمیر کے اردگرد لوگوں کو ہجوم جمع ہو گیا تھا۔

"سر آپ کی مسز بہت پیاری ہیں ینگ سی۔" کسی لڑکی نے کہا۔

"میں کیا بوڑھا ہو گیا ہوں۔" سمیر نے ایک جاندار قہقہے لگاتے ہوئے اس لڑکی کی بک پر گڈ ویشز لکھی تھیں ایک کے بعد ایک ہجوم تھا جس نے سمیر کو گھر لیا تھا۔

وہ دونوں بڑی مشکل سے گاڑی تک آئے تھے دعا کو سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"سمیر تم نے بتایا کیوں نہیں کہ میں تمہاری مسز نہیں۔" دعا نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بس دل نہیں چاہا ویسے بھی یار مسز تو تمہیں ہی بننا ہے۔" دعا نے ایک شرمگیں مسکان کے ساتھ سر جھکا لیا۔

اس نے دعا کے کہنے پر گاڑی کا رخ راوی کی جانب موڑ دیا تھا۔

دعا، سمیر کی آنکھوں میں دیکھنے سے اجتناب برت رہی تھی کیونکہ یہ انتہائی مشکل امر تھا اس کے لئے، اپنی منتشر ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالنا۔

"سمیر مجھے بارش، دسمبر اور دریا بہت اٹریکٹ کرتے ہیں دسمبر کی ٹھنڈی راتیں کتنی فسوں خیز ہوتی ہیں دسمبر کی راتوں میں چاند سے باتیں کرنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے چاندنی راتوں کا بھی اپنا ہی ایک حسن ہوتا ہے اور دریا اور اس کی گہرائی نجانے کتنے بھید کتنی داستانیں اپنے اندر چھپائے بیٹھا ہے۔" دعا کے انداز میں ہلکی سی اداسی در آئی تھی۔

"پگلی اداس کیوں ہو گئی ہو چلو واپس چلتے ہیں۔" سمیر نے دعا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا دعا دیکھ رہی تھی کہ چار پانچ لڑکوں کا گروپ مسلسل انہیں فولو کر رہا تھا وہ ڈر گئی وا ہیے اسے ستانے لگے وہ سمیر کی طبیعت سے واقف تھی ایک منٹ میں لڑ پڑتا تھا اس لئے دعا واپس جانے کے لئے اصرار کرنے لگی۔

آج کا خوشگوار دن چند گھنٹوں بعد ماضی بننے والا تھا ماضی جو اگر خوشگوار یادیں رکھتا ہو تو ماضی میں رہنا اچھا لگتا ہے اگر ماضی سے منسوب تلخ یادیں وابستہ ہوں تو وہ بندے کو تمام حیات چبھن دیتا رہتا ہے۔

☆☆☆

پھر کچھ عرصے بعد سمیر ہمدانی لاہور چلا گیا تھا کیونکہ بقول اس کے وہاں ترقی کے زیادہ چانسز تھے کراچی کی نسبت، جاتے سمے وہ پھپھو کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔

دعا اس کے سامنے بیٹھی رو رہی تھی سمیر بھی اداس تھا مگر دعا تو نہایت پژمردہ اور نڈھال تھی اس کا چہرہ اجڑا اجڑا لگ رہا تھا عجیب مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔

"دعا میں جلدی لوٹ آؤ نگا میرا اعتبار رکھنا سمیر کسی کے ساتھ بھی رہے گھومے پھرے کسی کے ساتھ بھی کام کرے وہ تمہارا ہی ہے یہ میرا وعدہ ہے پکا وعدہ ایک مرد کا وعدہ جو اپنی جان

سے تو جا سکتا ہے مگر اپنے قول سے نہیں مکر سکتا۔" اس نے روتی بلکتی دعا کو ترستی نظروں سے دل میں اتارا اور چلا گیا۔

"میرا دل کہتا ہے تم واپس ضرور آؤ گے اپنی دعا کے پاس۔" دعا نے پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے سمیر کو الوداعی ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا اور پھر پلٹ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

☆☆☆

کالج جاتے ہوئے دعا روز پھپھو کے گھر کے سامنے تھم سی جاتی تھی اس کی چال غیر متوازن ہونے لگتی اسے لگتا کہ سمیر ابھی اپنے براؤن گیٹ سے باہر نکلے گا اور دعا کے ہمراہ چل پڑے گا کبھی اسے لگتا کہ سمیر کے گھر میں لگی بوگن ویلیا کی بیل کے پاس سمیر کا ہنستا مسکراتا چہرہ نمودار ہوا ہے پھر اسے احساس ہوتا کہ یہ سب اس کے اپنے دل و ذہن کی اختراع ہے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ سمیر مجھ سے بچھڑ گیا ہے یہ جدائی وقتی ہے مسافر لوٹ آئے گا اسے آنا ہوگا اپنی دعا کے پاس۔

دعا بہت اداس رہنے لگی تھی کالج میں بھی وہ غیر دماغی سے پڑھتی تھی اسے شروع سے سمیر کے ساتھ رہنے کی عادت تھی اب اس کے بغیر وہ خود کو ادھورا محسوس کرتی تھی سمیر کے بغیر دعا کی ذات نا مکمل تھی وہ گھر میں بھی گم صم رہتی تھی اس کے چہرے کی شادابی ماند پڑ رہی تھی اس کی گہری آنکھوں میں جدائی کا بے رحم لحہ ثبت ہو کر رہ گیا تھا ہجر کے لمحوں نے دعا کے دل میں گہرا ملال بھر دیا تھا وہ سمیر کے وعدے از سر نو یاد کرتی اس کے ساتھ گزارا ایک ایک لمحہ دعا کی زندگی کا حاصل تھا اس کے ساتھ گزرے پل دعا کو گہری آسودگی اور طمانیت بخش دیتے تھے وہ پہروں نہال رہتی۔

دو سال کا عرصہ گزر گیا تھا سمیر واپس نہیں آیا اکثر فون کر لیتا تھا مگر اتنا مصروف رہتا کہ چند ایک باتوں کے بعد سیل فون آف ہو جاتا وہ ہمیشہ عجلت میں ہوتا تھا۔

دعا نے میتھ میں ایم ایس سی فرسٹ پوزیشن لی تھی جب اس نے سمیر کو بتایا تو وہ بہت خوش ہوا تھا دعا کی خوشی و مسرت بھی دیدنی تھی دعا کے بابا اماں سب بہن بھائی اسے مبارک باد گفٹس دے رہے تھے مگر دعا کو کچھ کمی سی لگ رہی تھی سمیرا اسے ڈانٹتا رہتا تھا پھر اسے خوش بھی بہت رکھتا تھا دعا کا دل نجانے کیوں بہت پژمردہ ہو رہا تھا اسے آج سمیر کے بغیر کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا چہار سو ویرانیاں تھیں اجاڑ پن تھا اجڑی ہوئی کیفیت تھی دعا نے دودھ پتی کے کپ کے کنارے اپنی انگلی کی پور بے خیالی میں پھیری تھی ہر منظر سے دل اچاٹ ہو گیا تھا اس نے یونہی اخبار اٹھا کر بے خیالی میں پڑھنا شروع کیا تھا، کسی شاعر کی نظم نے اس کے سارے سوئے ہوئے احساسات کو جگا دیا تھا یہ شاعر لوگ بھی کیسے ہمارے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں اپنے الفاظ میں شاید ہر بندہ زندگی میں ایسے دوراہے پر ضرور بھی نہ کبھی آ کر رک سا جاتا ہے۔

تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے ویران ہو
راہ گزر حیات
جیسے خوابوں کے رنگ پھیکے ہوں
جیسے لفظوں سے موت رستی ہو
جیسے سانسوں کے تار بکھرے ہوں
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے خوشبو نہیں ہو کلیوں میں
جیسے سونا پڑا ہو شہر دل
جیسے کچھ بھی نہیں ہو گلیوں میں
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے اک عمر کی مسافت پر
بات کچھ بھی سمجھ نہ آئی ہو
جیسے چپ چاپ ہوں آرزو کے شجر
جیسے رک رک کے سانس چلتی ہو
جیسے بے نام ہو دعا کا سفر
جیسے قسطوں میں عمر کٹتی ہو
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے اک خوف کے جزیرے میں
کوئی آواز دے کے چھپ جائے
جیسے ہنستے ہوئے اچانک ہی
غم کی پروا سے آنکھ بھر آئے
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے

آئے دن اخبارات ٹی وی پر بیا حسن اور سمیر ہمدانی کے اسکینڈلز کی خبریں آ رہی تھیں مگر دعا احمد بدگمان نہیں ہونا چاہتی تھی وہ وعدوں کا دامن تھامے انتظار کی دہلیز پر بہت بے تابی سے اپنے محبوب کی واپسی کی منتظر تھی سمیر کے ساتھ بیا کو دیکھ کر ایک چبھن ایک دکھن اس کے رگ و پے میں درد کی صورت سرایت ہو جاتی تھی مگر وہ اپنے دل کو سمجھا لیتی تھی کہ "اسکینڈلز شوبز کی دنیا کا حصہ ہے مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے" وہ خود کو طفل تسلیاں دے کر بہلا لیا کرتی، انہی دنوں دعا کی شادی کی بات چیت گھر میں ہونے لگی۔

☆☆☆

"بیگم ریحان مکینکل انجینئر ہے میرے دوست کا بیٹا ہے وہ لوگ مجھ سے دوستی کا تعلق رشتے داری کے بندھن میں باندھنا چاہتے ہیں ویسے بھی دعا اپنی تعلیم مکمل کر چکی ہے اب ہمیں اس کے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہیے۔" منظور احمد نے کافی کے مگ میں شکر گھولتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ ان سے دن مقرر کر لیں تا کہ کھانے وغیرہ کا بہترین انتظام کیا جا سکے۔" نسیمہ بیگم نے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"او کے آپ دعا سے بات کر لیں دعا کا ذہنی طور پر تیار ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ بیگم وہ ذرا مختلف طبیعت کی بچی ہے اس لئے۔" منظور احمد اپنا سیل فون گاڑی کی چابی اٹھائے ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ گئے۔

دعا اماں کی بات سن کر تڑپ اٹھی تھی اس کی گہری آنکھوں میں وحشت ناچنے لگی تھی اس کا چہرہ فق ہو گیا جیسے دعا کے جسم میں خون کی ایک بوند تک نہ رہی ہو وہ ہراساں سی اپنی ماں کو دیکھے جا رہی تھی سپاٹ چہرہ جس پر حزن و ملال کے رنگ اک دم ابھرے تھے۔

"نہیں اماں مجھے شادی نہیں کرنی پلیز آپ ثنا کا رشتہ طے کر دیں۔" دعا کسی گہرے خیال سے چونک کر بولی۔

"مگر بیٹا آپ بڑی ہو شادی آپ کی ہو گی۔" نسیمہ بیگم دعا کی حالت سے باخبر تھیں۔

"مگر اماں آپ تو میرے اک اک لمحہ کے اضطراب کی گواہ ہیں، ماں اپنے بچوں کے دکھ بنا کہے جان جاتی ہے آپ بھی تو جانتی ہیں آپ کی بیٹی نے کتنی یخ بستہ راتیں جاگتے ہوئے گزاری ہیں کتنی بار اس انتظار نے آپ کی بیٹی کی نیندیں اُجاڑیں ہیں اماں میں کسی کی پابند ہوں اس کی رہنا چاہتی ہوں مجھے معاف کر دیں اماں، مگر میں کبھی خود کو معاف نہیں کر پاؤں گی اگر میں ان وعدوں کے حصار سے نکل آئی جو میں نے اور سمیر نے کیے ہیں۔" دعا دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک بلک کر رو دی تھی، نسیمہ اپنی لخت جگر کے درد سے آشنا تھیں جب کچی عمر کی نیندیں بار بار ٹوٹتی ہیں تو کیسے دل کرب سے گزرتا ہے کچھ

پانے کی جستجو کبھی کبھی لمبے سفر کی تھکان بدن پر اوڑھ دیتی ہے یہ آبلا پائی کا سفر بہت تکلیف دہ ہوتا ہے ماں جانتی تھی وہ اپنی دعا کو پاگلوں کی طرح چاند سے باتیں کرتے دیکھتی تھی کبھی دعا رو رہی ہوتی تو کبھی گہری سوچوں میں گم، نسیمہ کئی بار اس کے پاس جاتیں پلٹ آتیں مگر دعا کا ارتکاز نہ ٹوٹتا۔

"مگر دعا وہ پتہ نہیں واپس آئے یا نہ آئے۔" نسیمہ بیگم نے دعا سے کہا۔

"وہ آئے گا اماں اسے آنا ہوگا۔" دعا بہت آہستگی سے گویا ہوئی جیسے اس کی آواز کسی گہرے کنواں سے آرہی ہو۔

دعا کے چہرے پر زردی کھنڈی تھی، مسلسل جاگنے کی وجہ سے آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے تھے ہونٹ پاپڑی زدہ ہو گئے تھے ماں کا دل دکھ سے بھر گیا۔

"اماں پلیز آپ ثنا یا حمیرا کی شادی کر دیں پلیز۔" وہ ماں کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موندے کہہ رہی تھی اور نسیمہ بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

پھر پتہ نہیں نسیمہ بیگم نے منظور احمد سے کیا کہا تھا کہ ریحان کے ساتھ ثنا کا رشتہ طے کر دیا گیا منظور احمد کے دوست کا مقصد اس گھر سے تعلق بنانا تھا وہ چاہے ثناء کی صورت ہو یا دعا کی انہیں ساری لڑکیاں پسند تھیں۔

دعا کو کالج میں لیکچرار شپ آفر ہوئی تھی اس نے اپنا دھیان بٹانے کو جاب کر لی تھی اس کی ایک روٹین شروع ہو گئی تھی دل بھی کچھ بہل سا گیا تھا ثنا کی شادی ہو گی حمیرا کی منگنی بھی ہو چکی تھی۔

انہی دنوں کالج کر ٹرپ کیس لے جانے کا پروگرام پرنسپل ترتیب دے رہی تھیں نجانے کس جذبے کے تحت دعا نے کراچی کا نام لیا تھا اور پھر واقع پرنسپل نے کراچی جانے کا ہی پروگرام فائنل کر دیا تھا۔

دعا فسٹ ائیر اینڈ سیکنڈ ائیر کی لڑکیوں کو ساتھ لے کر کالج کی طرف سے مہیا کی ہوئی گاڑی میں کراچی روانہ ہو گئی تھی لڑکیاں بہت پرجوش اور ایکسائیٹڈ تھیں دعا چپ چاپ گاڑی سے باہر کے مناظر میں کھوئی ہوئی تھیں دعا نے سمیر سے رابطے کی بہت کوشش کی تھی مگر اس کے سارے نمبرز بند تھے اس سے کوئی رابطہ نہیں ہو رہا تھا دعا کا دل مضطرب تھا سنجیدہ سے چہرے پر رنجیدگی واضح نظر آرہی تھی افسردگی نے اس کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا ان کا دو دن کا سٹے تھا ان کی رہائش ویمن ہاسٹل میں تھی۔

جب وہ لوگ کراچی پہنچیں تو تھکن سے نڈھال ہونے کی وجہ سے دعا فوراً ہی لیٹ گئی تھی پتہ نہیں دعا کیوں اتنی جلدی تھکنے لگیں تھیں مگر لڑکیاں بھوک بھوک چلا رہی تھیں وہ سب تو نہا دھو کر فریش ہو چکے تھے، رات ہو چکی تھی وہ لوگ "شیرٹن" میں جا رہی تھیں۔

دعا نے ساری لڑکیوں کو اپنی اپنی پسند کا کھانا منگوانے کا کہا تھا زیادہ تر امیر گھرانوں کی نخرے باز لڑکیاں تھیں پیسے ان کا مسئلہ نہیں تھا سب لڑکیوں نے ادھم مچایا ہوا تھا شور مچا ہوا تھا دعا اپنی پلیٹ میں تھوڑے سے چاول ڈالے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ لڑکیوں کی چیخ و پکار نے اس کے حواس مختل کر دیئے تھے۔

"سمیر ہمدانی اور بیا حسن آؤ ان سے آٹو گراف لیتے ہیں بھاگو جلدی۔" وہ سب ایک دوسرے کو آگے پیچھے دھکیلتی ہوئی بھاگ رہی تھیں ان کا کھانا یونہی دھرا تھا ٹیبل پر، دعا نے چونک کر دیکھا تھا۔

سمیر بلیک تھری پیس میں اپنی شاندار پرسنالٹی کے ساتھ بیا حسن کا ہاتھ تھامے ہوٹل کے اندر انٹر ہو رہا تھا دعا کا سکتہ ٹوٹا تھا وہ ایک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی، اس کی سانسیں رک رہی تھیں اس کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی، لڑکیاں واپس آ کر بیٹھ چکی تھیں سمیر اور بیا آمنے سامنے بیٹھے مینو کارڈ دیکھ رہے تھے مؤدب ویٹر پاس ساتھ باندھے کھڑا تھا۔

دعا سے کیا خاک کچھ کھایا جانا تھا وہ دونوں چمکتے چہروں کے ساتھ کھانے سے پورا پورا انصاف کر رہے تھے دعا کی آنکھوں میں ماضی کی یادیں تازہ ہو رہی تھیں تو کہیں انتظار کی اذیت تھی اس کے رگ و پے میں ویرانیاں پھیلا رہی تھی پھر وہ اٹھی تھی اور سمیر کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی تھی مگر سمیر کا انہماک نہ ٹوٹا تھا۔

"سر! آٹو گراف۔" وہ دھیرے سے بولی۔

سمیر نے نظریں اٹھائیں تھیں پہلی نظر سرسری تھی مگر دوسری نظر سمیر کو چونکنے پر مجبور کر گئی تھی۔

بیا اس کو بھول چکی تھی مگر سمیر، شاید وہ بھی، سمیر نے دعا احمد کو گڈ ویشز لکھ دی تھیں دعا نے ایک سلگتی ہوئی نظر سمیر پر ڈالی اس ایک نظر میں ایسی کاٹ تھی کہ سمیر نظریں جھکا کر رہ گیا پھر وہ رکی نہیں۔

☆☆☆

ساری لڑکیاں سو چکی تھیں مگر نیند دعا احمد سے روٹھ گئی تھی وہ بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی ایک ہی سین اس کی آنکھوں میں منجمد ہو کر رہ گیا تھا ٹھیک ایک ایک گھنٹے بعد جب پرسکون نیند اس پر مہربان ہونے لگی تھی تو سمیر کی کال آگئی دعا کے سوئے ہوئے حواس جھنجھلا اٹھے۔

"جی کہیے کیسے یاد کیا۔" دعا کا لہجہ بھیگ سا گیا تھا۔

"دعا مجھے تم سے ملنا ہے ابھی پلیز۔" سمیر نے ٹھہرے ٹھہرے انداز میں اپنا مدعا بیان کیا۔

"مگر مجھے تم سے نہیں ملنا جو شخص اپنے رشتوں سے منکر ہو جائے وہ کسی بھی رعایت کا حقدار نہیں ہوتا۔" دعا نے آنکھوں میں آنسوؤں کو آنے سے بمشکل روکا تھا۔

"دعا جانو تم میری سب کچھ ہو پلیز مجھے ملو۔" سمیر نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"بس سمیر پلیز تم اپنی اس بیا حسن کے سامنے میرے وجود سے بھی نظریں چرا گئے کجا کہ تم مجھے اپنا دوست بتاتے تم نے نظریں جھکا لیں، کیا میرا وجود تمہارے لئے شرم کا باعث تھا، کل تم لوگوں کے سامنے مجھے کیسے فیس کرو گے۔" وہ آرزدگی سے بولی۔

"دعا مجھ سے ملو پلیز۔" وہ قطعی انداز میں بولا تھا۔

"نہیں کسی صورت نہیں اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو جلد لاہور واپس آؤ عزت و احترام سے میرا رشتہ مانگو مجھے اپنی دلہن بنا کر اپنے گھر لے جاؤ، یا پھر سارے وعدے توڑ دو مجھے ہر بندھن سے آزاد کر دو کہ اب مزید انتظار کی سکت نہیں ہے مجھ میں۔" دعا احمد کا اعتبار آج کل ڈانو ڈول ہو گیا تھا۔

دعا نے سیل فون بند کر دیا تھا اسے کم مائیگی کا احساس جینے نہیں دے رہا تھا اسے اپنا انتظار لا حاصل لگ رہا تھا اس کے پاؤں کے چھالے ٹیسیں دے رہے تھے کھونے دینے کا کرب ناک ملال اسے ادھ موا کر رہا تھا۔

☆☆☆

سمیر اور بیا کی زبردست لڑائی ہو رہی تھی۔

''سمیر میں تمہیں واپس نہیں جانے دوں گی مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے۔'' وہ چیخ رہی تھی۔
''بیا یہ تمہارا مسئلہ ہے میں نے تم سے کبھی محبت نہیں کی میں اس مصنوعی پن سے اکتا گیا ہے اور مجھے واپس جانے کے لئے کسی کی اجازت درکار نہیں ہے میری اپنی زندگی ہے جیسے چاہوں گزاروں۔'' سمیر کے لہجے میں رکھائی در آئی تھی۔
''مجھے اپنی ماموں کی بیٹی سے محبت تھی اور ہے اسی سے شادی کروں گا وہ نیک لڑکی ہے اور ہر مرد کی طرح میری بھی خواہش ہے کہ میرے بچے کسی اچھی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوں جوان کی ٹھیک آبیاری کر سکے۔'' سمیر بیا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔
''مگر سمیر میری محبت۔'' وہ چلائی تھی۔
''جھوٹ تم صرف چڑھتے سورج کی پجاری ہو آج سمیر ہمدانی کا سورج طلوع ہو جائے وہ روبہ زوال ہو جائے تو تم بھول جاؤ گی کہ تم کسی سمیر ہمدانی کو جانتی ہو۔'' وہ تمسخرانہ لہجے میں بولا۔
''مت بولو کہ یہاں تک لے کر آنے والی تمہیں میں ہی تھی۔'' وہ سرسراتی سی آواز میں پھنکاری تھی۔
''رائٹ بالکل صحیح لیکن صرف ایک آدھ بار، اس کے بعد میرا ٹیلنٹ میری وجاہت میرے لئے کامیابیوں کے در کھولتی چلی گئی۔'' سمیر نے ملامتی نظروں سے بیا کو دیکھا۔
''تم مجھ سے شادی کر لو۔'' بیا شکست خوردہ نظر آ رہی تھی سمیر نے اس کے میک اپ زدہ چہرے پر ایک حقارت بھری نظر ڈالی۔
''تم سے کر لیتا ہوں۔'' سمیر نے کندے اچکائے۔

بیا شادابی سے مسکرائی اس کی چھوٹی سی آنکھیں مکاری سے چمکنے لگیں۔
''لیکن تمہیں اس فیلڈ کو چھوڑنا ہوگا میرا ہو کر رہنا پڑے گا کپڑے میری پسند کے پہننے ہونگے۔'' سمیر کے الفاظ پر بیا کو ایسے کرنٹ لگا تھا جیسے کسی بجلی کی ننگی تار کو چھو لیا ہو اس نے۔
''مگر میری برسوں کی ریاضت خاک میں مل جائے گی بچے پیدا کرنے سے میرا فگر خراب ہو جائے گا ہم ایسے ہی ساتھ رہ لیتے ہیں۔'' بیا نے اپنے تئیں بہت اچھا مشورہ دیا تھا۔
''مجھے پتہ تھا بیا حسن تمہارا جواب ایسی ہوگا تم ہمیشہ ترو تازہ اور فریش نظر آنا چاہتی ہو ازدواجی زندگی کا حسن اس کی رعنائی و دلکشی تم جیسی لڑکیوں کا مقدر نہیں ہوتی ماں بننا دنیا کا خوبصورت ترین عمل ہے اس سے مرد اور عورت زیادہ مضبوط بندھن میں بند جاتے ہیں گھر کے کام کاج کرتی عورت کے ماتھے کا پسینہ اسے عظمت بخشتا ہے وہ اپنے گھر شوہر اور بچوں سے معتبر ہوتی ہے مگر تم نہیں سمجھو گی۔'' سمیر نے رسانیت سے کہا۔
''وہ تمہاری کزن تمہارے پیسے پر نثار ہے۔'' بیا تنفر سے بولی۔
''ہونہہ بیا تمہیں کچھ پتہ نہیں ہے اس کے پاس اس وقت بھی بہت پیسہ ہوتا تھا جب میں غریب تھا اسے روپے سے محبت نہیں ہے اسے سمیر ہمدانی سے عشق تھا اور ہے وہ وعدوں کی پاسداری نبھانا جانتی ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کو جنون کی حد تک چاہا جائے سراہا جائے۔''
''ایسا کیا ہے دعا احمد میں جو مجھ میں نہیں۔'' وہ سانپ کی سی پھنکار میں بولی۔
''کچھ تو ایسا ہے بیا حسن جس نے سمیر ہمدانی کو باندھ رکھا ہے پوری دنیا میں میں ا۔ ا۔

آنکھیں بند کر کے اعتبار کر سکتا ہوں وہ ٹھنڈا میٹھا جھرنا ہے، وہ آبشاروں جیسی ہے وہ ٹھنڈی چاندنی ہے وہ میری پہلی محبت ہے میرا دل ہے بیدار ہونے والا پہلا احساس ہے۔'' سمیر ہمدانی کے لہجے میں کیسی نرمی اور حلاوت گھلی ہوئی تھی، بیا حسن اپنا شکست خوردہ وجود لئے صوفے پر ڈھے سی گئی۔
سمیر لوٹ آیا تھا وہ اپنے شاندار سراپے اور پراعتماد انداز میں سب سے مل رہا تھا اس کا اعتماد قابل رشک تھا وہ جو ہمیشہ ماموں لوگوں سے خود کو کمتر خیال کرتا تھا اب پراعتماد تھا ماموں تو ہمیشہ سے ہی اس سے پیار کرتے تھے مگر سمیر کی حد سے بڑھی ہوئی انا ہی اسے کسی سے گھلنے ملنے نہیں دیتی تھی اب وہ خوش تھا بہت خوش تھا اس کا لوٹ آنا اس کے وفادار ہونے کی دلیل تھا دعا احمد کی بدگمانی گلے شکوے بھی ختم ہو گئے تھے۔

☆☆☆

عشق پیچاں کی بیل وائٹ گیٹ پر اپنی بہار دکھلا رہی تھی دعا نے لان میں لگے خوبصورت گلاب کے پودوں کو پیار سے دیکھا جو نظروں کو ایک تراوٹ اور تازگی بخش رہے تھے پھپھو اپنے کمرے میں عبادت میں مشغول تھیں تبھی سمیر ٹریک سوٹ پہنے دعا کے پاس رکا تھا۔
''بچے سوئے ہوئے ہیں کیا۔'' سمیر نے دعا کو پیار بھری نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔
''جی سوئے ہوئے ہیں۔'' وہ ایک پھول پر ملائمت سے انگلی پھیرنے لگی۔
''آؤ پھر واک کے لئے چلتے ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔
وہ دونوں ہنستے مسکراتے سفید گیٹ کراس کر گئے عشق پیچاں کی بیل نے عقیدت بھری نظروں سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

وہ اک جھونکا سا سی ہے

سیمی کرن

''محبت اور شادی قطعی دو الگ سمتیں ہیں، شادی اک سمجھوتا اک معاہدہ ہے ایک ذمہ دارانہ زندگی گزارنے کا عہد، ایک خاندان کی اساس ہے جہاں وقت کے جبر کے تحت اتنے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں کہ ہوتے ہوتے محبت تو شاید کہیں کسی گڑھے میں دفن ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ شخص جس کے لئے آپ کو لگتا ہے کہ مر جائیں گے لٹ جائیں گے، دنیا کو ادھر کی ادھر ہو جائے گی مگر اس شخص کے بغیر نہیں جینا وہ شخص جب شوہر یا بیوی کی شکل میں زندگی کا حصہ بن کر داخل ہوتا ہے اس کے رویے کی ہر اچھائی برائی جان پر سہنی پڑتی ہے، دور سے وہ چمکتا دمکتا روشن ستارہ، قریب آنے پر کبھی مدہم پڑتا ہے کہیں بہت برا لگنے لگتا ہے برداشت کرنا مشکل ہونے لگتا ہے، کبھی اچھا پیارا اور اہم محسوس ہوتا ہے، ان تمام خوبیوں خامیوں کے ساتھ آپ اس کے ساتھ جینا سیکھتے ہیں کہ وہ آپ کے بنائے خاندان کا اہم و ناگزیر حصہ ہوتا ہے، یہ عمل اتنا صبر آزما اور حوصلہ شکن ہے کہ یہ محبت وحبت سب پیچھے رہ جاتی ہے، وہی خاص سا شخص پھر عام سا لگنے لگتا ہے آپ کے ساتھ سوتا جاگتا کھاتا پیتا ہنستا روتا غصہ کرتا آپ ہی کی طرح وقت کے ساتھ ساتھ بوڑھا ہوتا بالکل دسترس میں، وہ ان چھوٹے پن اور دوری کے رومانس کا ختم ہوتے ہی محبت کہیں کھو جاتی ہے اور بس صرف سمجھوتا رہ جاتا ہے۔''

میں نے بڑے نپے تلے انداز میں اس کے سوال اور الجھن کا جواب دینا چاہا اور اس کے حیران فق چہرے کو نظر انداز کرتے ہوئے مزید گویا ہوئی۔

''یقین کرو شادی صرف شادی ہوتی ہے، لو ہو یا ارینج، آخر کار اسے ''ارینج'' ہی کرنا پڑتا ہے ''ارینج اینڈ مینج'' یہی شادی شدہ زندگی کا کلیہ ہے، تو پھر ایک شخص کے لئے اس قدر خواری کیوں، کیوں خود کو اتنی پستیوں میں گرایا جائے کہ خود سے بھی آنکھ ملانا مشکل ہو جائے کجا کہ اپنے ساتھی سے آنکھ ملا کر گردن اٹھا کر بات کر سکیں، وہ شخص جس کے لئے آپ اپنے ہر رشتے سے بھڑ جاتے ہیں تن کر سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ آپ کی امیدوں کے آسمان پہ چاند کی طرح چمک رہا ہوتا ہے مگر آپ کی زندگی میں تو وہ اک انسان کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے نہ یہیں گڑبڑ شروع ہو جاتی ہے امیدیں بری طرح ٹوٹتی ہیں وہ آپ کا شریک حیات کوئی ناول یا افسانے کا ہیرو یا ہیروئن نہیں ہوتی، جو ویسے ڈائیلاگ بولے، گہرا فلسفہ، ہر شے عام ہو کر اپنی خاصیت کھونے لگتی ہے۔'' میرے لہجے میں یاسیت اور فلسفہ سا گھل گیا اور وہ کچھ کہتے کہتے رہ گئی میں مزید گویا ہوئی۔

''تو اس سے بہتر نہیں کہ آپ کوئی دانشمندانہ فیصلہ کریں اگر یہ سودا ہی ہے تو نفع نقصان کا حساب صحیح طرح سے لگایا جائے ایسا شخص چنا جائے جو زندگی کے سفر کو آسان بنا دے سب کو ساتھ لے کر چلے اور یقین کرو بین جو شخص آپ کی زندگی میں سکھ لانے کا سبب بنتا ہے آپ کا ساتھی آپ کے خاندان کا اہم و ناگزیر حصہ وہ

چاہے ''چاہا'' ہو یا نہ ہو بہت اچھا اور پیارا لگنے لگتا ہے، آپ کو اپنی وہ زندگی ہر شے سے بڑھ کر عزیز اور اہم ہو جاتی ہے، یہی زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے۔'' یہ سب کہتے کہتے میں نے تھک کر جیسے لمبا سانس کھینچا، وہ جو مجھے بڑے غور سے سن رہی تھی بڑی تلخی اور روکھے پن سے بولی۔

''یعنی آپ محبت کے وجود سے بالکل انکاری ہیں آپ کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں، اہمیت ہے تو سودے کی تجارت کی، نفع و نقصان اور خسارے کی اور محبت آپ جیسی خواتین

جو اپنے وقت میں تمام تر رنگین خواب دیکھتی ہیں ان جذبوں کو دل کی سرزمین پر دستک دینا محسوس کرتی ہیں مگر جونہی شادی جیسے تجربے سے گزر جاتی ہیں ایک دو بچوں کی مائیں بن جاتی ہیں تو اس جذبے سے بالکل منکر ہو جاتی ہیں؟ بولیں ایسا کیوں ہے؟ وہ سب جو آپ نے خود بھی محسوس کیا اسے بالکل رد کیسے کر سکتی ہیں آپ۔'' غصے سے سبین کا چہرہ سرخ ہو گیا مگر میں اس کے سوال کی تلخی سے بالکل نہیں گھبرائی۔

''نہیں تم پھر مجھے غلط سمجھ رہی ہو دیکھو میں نے تو تمہیں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ محبت کچھ اور ہے اور شادی کچھ اور، ایک معاہدہ اور ایک جذبہ، ایک قانون ہے اور ایک دل و روح کی پکار قانون تو مادی اشیاء پر لاگو ہوتا ہے نہ۔'' مگر وہ جرح کے انداز میں مجھے کاٹتے ہوئے بولی۔

''تو پھر مرد و عورت میں ایک دوسرے کے لئے جو کشش ہے وہ کیا ہے؟ کیا مقصد ہے اس کا؟ کیا یہی کشش ان کے درمیان محبت جیسے جذبے کی بنیاد نہیں بنتی؟ کیا اس کشش کا خالق اللہ نہیں ہے تو پھر اس کا مطلب ہے اللہ تو خود اس محبت کو تخلیق کر رہا ہے اور جب وہ افراد مرد و عورت ایک دوسرے کو چاہتے ہیں ایک دوسرے کی جانب کھنچتے ہیں تو ان کو ایک دوسرے کے حصول کے لئے کوئی سماجی دائرہ تو درکار ہوتا ہے نہ وہ کسی مذہب اور فرقے سے تعلق رکھتے ہوں معاشرہ و مذہب ان کی آزادانہ محبت و تعلق کو قبول نہیں کرتا اس تعلق کو قابل قبول بنانے کے لئے شادی کے علاوہ اور کون سا معقول راستہ ہوتا ہے آپ کے پاس۔'' اس کی دلیل میں گہرائی بھی تھی اور مضبوطی تھی، میں نے دل ہی دل میں اسے داد دیتے ہوئے جواب دیا۔

''صحیح بالکل صحیح، جب محبت جیسا آفاقی جذبہ سماج، معاشرہ، مذہب، قانون فرقے کی حقیقتوں کو تسلیم کر کے سرنگوں ہوتا ہے لامکان سے مکاں ہوتا ہے دائرہ چنتا ہے تو میں تو فقط یہی کہہ رہی ہوں کہ اگر دائرے میں ہی رہنا ہے تو پھر وہ دائرہ ہو جہاں گردش ایام کی تلخی کم ہو جائے وہ دائرہ آپ کے گلے کا پھندا نہ بن جائے۔''

وہ میری بات سن کر چپ سی ہو گئی، میں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''اور تم دیکھو اپنے اردگرد تمہیں محبت کی خالص شکل نظر کہاں آتی ہے؟ تم جو اس میں وہ کائنات رنگ ڈھونڈ رہی ہو کہاں ہے وہ محبت، بس ہمار کچھ آسودہ نا آسودہ خواہشات میں کچھ بت ہیں جو ہم نے تراش رکھے ہیں، لڑکیوں نے اک خوبصورت وجیہہ اونچے لمبے ساتھی کا جہاں زندگی کی سب خوشیاں و آسائشیں ہوں اور لڑکوں نے اک ''حسن پری'' کا پیکر تراش رکھا ہے کسی کا آئیڈیل دولت ہے کہیں سٹیٹس ہے کہیں سب کچھ گڈ مڈ ہے، تم اس طرح کی محبت کو Amalyze تو کرو نہ زیادہ تر اک لمحاتی تاثر ہی بڑا جان لیوا بن جاتا ہے، یا پھر کچے نادان ذہنوں کی وہ وقتی جذباتی ابال کی نادانی عمر بھر کا روگ بن جاتی ہے، ہم جسے محبت سمجھ بیٹھتے ہیں دراصل ہمارے اندر کی کوئی کمی کوئی خامی ہمیں پچھاڑ کر مد مقابل سے بری طرح متاثر کر دیتی ہے، تجزیہ کرنے پر پتہ چلتا ہے ہم تو صرف ''متاثر شدہ'' تھے محبت تو، تو کوئی مائی ڈیئر محبت زیادہ تر ہوتی ہی نہیں، یہ وہ ساز ہے جو ہر دل پر نہیں بجتا، ذرا آج خود بھی جا کر اپنے آپ کو ٹٹولو کہ واقعی تم بھی کہیں شازیب علی کی کسی خوبی سے تو بری طرح متاثر نہیں ہو کہیں یہ کوئی لمحاتی یا وقتی تاثر تو نہیں، وقتی ساتھ کا تو تقاضا نہیں، ہر شے سے اوپر آ کر ٹٹولو نہ خود کو کیا واقعی تم نے محبت کی ہے؟ تم نے کائنات میں

اپنے جیسے اپنے ساتھی کو کھوج لیا ہے؟ یہ جذبہ واقعی ہر طرح کی Timptatoin سے خالی ہے، پہلے خود سے خود کو دو چار کرو دیکھو کیا جواب آتا ہے؟'' وہ میری طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''کھوج لوں گی خود کو، ہر سوال کا جواب ڈھونڈ لوں گی مگر سچ بتایئے گا کیا آپ نے بھی خود کو کھوجا تھا؟ یہ زندگی کی اتنی گہرائی تک مطالعہ یونہی تو نہیں حاصل ہوتا، یہ تو رگ وجاں پہ بیتا کوئی بھید لگتا ہے مجھے۔'' کہتی ہوئی وہ مجھے حیران وپریشان خود سے نبرد آزما چھوڑ گئی۔

☆☆☆

ہاں میں وریشہ جمال آج پھر سے خود سے نبرد آزما ہوں، یہ لمحہ بہت سال پہلے بھی رگ جاں پر عذاب بن کر اترا تھا اور آج اذیت کی وہی شدت جاگ اٹھی ہے، میں وریشہ جمال جو خود کو بڑی توپ چیز سمجھا کرتی تھی حالانکہ اک عام سی لڑکی تھی ہاں شکل وصورت اچھی تھی بلکہ کہا جائے کہ خاصی خوبصورت تھی تو بجا ہوگا (اپنے بارے میں اس قدر انکساری سے سوچنا مجھے اداس سی مسکراہٹ بخش گیا) ورنہ یہی حسن تھا جس پر بڑا ناز تھا مجھ کو، کچھ پڑھنے کا شوق تھا سٹڈی میں اچھی تھی دماغ تیز تھا، اس لئے مقابل کو چٹکیوں میں اڑا دینا میرے لئے کوئی اتنا مشکل نہ تھا، ذرا جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو تڑ تڑ سے رشتے پکے بیر کی طرح آنگن میں گرنے لگے، حالانکہ مجھ سے بڑی آپا کی شادی کرنے میں امی ابو کو دانتوں پسینہ آ گیا تھا یہی گھر تھا سب کچھ تھا بس یہ تھا کہ آپا نے میٹرک کے بعد پڑھنا چھوڑ دیا اور صورت میں بھی وہ مجھ سے کسی قدر دبتی تھیں، جب اپنے لئے اتنے طلبگار ہاتھ بڑھتے دیکھتی تو دل ایک عجیب سی خوشی سے دو چار ہو جاتا اور میں یوں اترائی پھرتی جیسے جانے کیا معرکہ مار لیا ہو، اسی سرخوشی ہلکے پن اور گھٹیا ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے میں نے اپنی بیاہی بہن کا بھی دل دکھایا یہ جتا جتا کر کہ میرے لئے کتنے رشتے آتے ہیں اس آنگن میں، بظاہر میرے انداز سرسری سا ہوتا جیسے عام سا تذکرہ کیا جائے مگر انداز اتنا تکلیف دہ ہوتا کہ بعض اوقات تو آپا کا رنگ فق ہو جاتا یا آنکھیں ڈبڈبا جاتیں۔

مجھ پر جی جان سے مرنے والوں میں ایک میری خالہ جو کہ اکلوتی خالہ تھیں کا بیٹا فصیح بھی تھا جو میرے خاموش پجاریوں میں سے تھا اس کی آنکھیں مجھے دیکھتے ہی کسی دیے کی طرح جگمگا اٹھتیں میں بظاہر تو لفٹ کا بورڈ لگائے دل ہی دل میں اس کی کیفیت کا مزا لیتی خود پہ اتراتی آئینے میں خود کو بار بار دیکھتی اس کے آنے کا پتہ چلتا تو غیر محسوسانہ طریقے پر بظاہر نہ نظر آنے والا سنگار میرے وجود کا حصہ بن جاتا کوئی لٹ یونہی الجھ کر رخسار پر آن پڑتی، پنسل لگا کر آنکھوں کے نیچے انگلی سے اسے مٹا سا دیتی جو آنکھوں کو مزید سحر انگیز کر ڈالتا، ہلکا سا برش گالوں پر پھیرنے سے گال مزید دہکنے لگتے وہ آتا تو بس مجھ پہ نثار ہونے کی کسر ہی رہ جاتی تھی ہوش تو اس کے مجھے دیکھ کر ہی گم ہو جاتے تھے اور میں بعد میں اس کی کیفیت کا بہن بھائیوں میں بیٹھ کر خوب مذاق اڑاتی، میں جو بہن بھائیوں میں درمیان کی ہونے کے باوجود اپنی خوبیوں کی بناء پر چھائی رہتی اور دوسرے بہن بھائی مجھ سے بظاہر دبتے تھے، ہاں تھا مجھ میں کچھ ایسا کہ چھا جانے کی صلاحیت تھی، یا پھر ماں باپ اور بہن بھائیوں کی چاہت ومحبت تھی جس نے میرا دماغ خراب کر کے رکھ دیا تھا، بڑے دونوں بہن بھائی شکل و صورت میں عام اور واجبی سی تعلیم کے حامل ان

میں، میں واقعی اک دمکتے ستارے کی مانند تھی اور دو مجھ سے چھوٹے، حالات بھی کچھ ایسے تھے کہ میری خود سری اور خود نمائی کو بڑھانے میں جیسے رستہ ہموار ہوتا چلا گیا، میری سیدھی سادی ماں بھی مجھے نجانے کیا سمجھتی تھیں گو کہ میری خود غرضی بے حسی اور منہ زوری پر پریشان بھی ہوتیں خاص طور پر جب میں خالہ اور فصیح کی شان میں کوئی گستاخی کرتی کہ مجھے واضح طور پر پتہ تھا کہ ان کا ارادہ صاف مجھے فصیح کے پلے باندھنے کا ہے مگر نجانے کیوں مجھے فصیح سے اس قدر چڑ سی تھی حالانکہ اچھا خاصا معقول صورت، پڑھا لکھا سلجھا ہوا تھا گھر کے حالات بھی ہم سے تو بہتر ہی تھے مگر نجانے کیوں؟ اس کے باوجود میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ وہ میرے عشق سے دستبردار ہو جائے اس کا مجھ پر پروانہ وار نثار ہونا میری انا کو اک عجیب سی لذت سے سرشار کرتا میں اسے متوجہ کرنا جانتی تھی کیے رکھنا چاہتی تھی، یہ میری اخلاقی پستی اور بس اپنی ذات میں گم رہنے کا خود پر نثار ہونے کی انتہا تھی، گو کہ ابھی میری زندگی میں ایسا کوئی نہ تھا جس کے لئے میرا دل دھڑکا ہو مگر ہاں کچھ خواب تھے کچھ نا آسودہ خواہشات تھیں اک خاکہ سا تھا جس میں اپنی مرضی کے رنگ بھر رکھے تھے میں نے۔

☆☆☆

اس دن میں آپا سے ملنے آپا کی سسرال آئی ہوئی تھی گو کہ میں نے کبھی اپنے بہن بھائیوں کو کوئی ایسی خاص اہمیت نہیں دی تھی اور نہ کبھی آپا کے لئے کوئی خاص قسم کی بے قراری کا مظاہرہ کیا تھا مگر آپا کی طبیعت کچھ خراب تھی اور فون پر انہوں نے اماں کو بڑی تاکید سے آنے کے لئے کہا تھا، اماں اس دن جانے کس وجہ سے جا نہ سکیں تو میری منت سماجت کر کے مجھے ابا کے ساتھ بھجوا دیا میں نے ہزار احسان کرتے ہوئے جانے کا پروگرام بنایا، آپا مجھے دیکھ کر کھل اٹھیں اور میں جو اپنے ہی موڈ اور زعم میں اکڑی بیٹھی تھی آپا کا رویہ مجھے مزید پھیلا رہا تھا شاید میرے دماغ میں ہر وقت یہی خناس بھرا رہتا تھا۔

''میں ہوں ہی اس قابل کہ مجھے چاہا جائے۔''

میری عقل پر میرے غرور نا سمجھی کا پردہ اتنا گہرا تھا کہ اپنے احساس کے آگے مجھے ہر رشتہ ہر جذبہ ہر احساس نظر ہی نہیں آتا تھا مجھے یہ نہیں سمجھ آیا کہ میری ماں جائی اپنے میکے کے پھول کو دیکھ کر کھلی جا رہی ہے اپنی بہن کو دیکھ کر، مجھے تو شاید خود سے فرصت ہی نہیں تھی، آپا شاید میری آؤ بھگت کے لئے کچن میں جا چکی تھیں میں کچھ دیر بیٹھی رہی پھر اکتا کر باہر نکل آئی، ساتھ ہی جو کمرے تھے وہ غالباً آپا کی جیٹھانی کے تھے، انہوں نے مجھے دیکھ کر آواز لگائی۔

''اہو و زہے نصیب آج تو وریشہ شہزادی آئیں ہیں کیسے دل کیا آنے کا؟ تم تو بہن کو ملنے بھی نہیں آتی۔''

میں تھوڑا سا شرمندہ ہوئی مگر جلد ہی خود سری اور نخوت نے لے لی میں نے آگے ہو کر انہیں سلام کیا اور بس اتنا کہا کہ پڑھائی میں مصروف رہتی ہوں اس لئے ٹائم نہیں ملتا، ابھی میں ان سے باتوں میں مصروف ہی تھی کہ کوئی مردانہ آواز سنائی دی جوان خاتون کو باجی کہہ کر مخاطب تھا، میں نے مڑ کر آنے والے کو دیکھا اور میرے ساتھ وہی ہوا جو فلموں کہانیوں میں ہوتا ہے میری نظر پلٹنا بھول گئی میرے سامنے جو کوئی بھی کھڑا تھا مجھے یوں لگا میرے ذہن ودل پہ بنے خاکے میں کسی نے حقیقت کے رنگ بھر دیئے ہوں، مجھے یوں لگا کہ میرا دل اتنی زور سے دھڑک رہا ہے کہ

یقیناً اس کی تندو تیز دھڑکنوں کا طوفان مد مقابل کے دل سے بھی ٹکرا رہا ہوگا، سامنے جو کوئی بھی تھا وہ تھا ہی ایسا کہ اسے چاہا جائے یا پھر مجھے ہی ایسا لگا تھا، جو بھی تھا مجھے چاروں شانے چت کر گیا تھا زندگی میں پہلی بار کوئی اتنا پیارا لگا تھا کہ دل پانے کو چاہنے کو مچل اٹھا تھا ورنہ اب تک کی زندگی میں، میں نے صرف خود کو ہی چاہا تھا، بس ہونقوں کی طرح اسے دیکھے جا رہی تھی اور ذرا حواسوں میں لوٹی تو مجھے جانے کیوں محسوس ہوا کہ اس کی حالت بھی مجھ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی وہ بھی مجھے ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا ہاں یہ ضرور ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے سنبھل گیا اور اپنی بہن کو مخاطب کر کے بولا۔

''باجی تعارف نہیں کروائیں گی یہ خوبصورت خاتون کون ہیں۔'' اور اس کی باجی میرا اور اس کا تعارف کروانے لگیں، انہوں نے مجھے بتایا۔

''وریشہ یہ میرا پیارا بھائی شایان ہے بہت پیارا اور محبت لاڈلا۔'' میرے دل نے سرگوشی کی۔

''سچ بالکل سچ، واقعی بہت پیارا اور لاڈ ناز اٹھائے جانے کے قابل۔''

''اور شایان یہ میری دیورانی فریحہ کی بہن ہے، فریحہ کچھ ٹھیک نہیں تھی اسی لئے بہن ملنے آئی تھی، فریحہ اس کی بڑی تعریفیں کرتی ہے۔''

میں کچھ دیر تو واقعی ''متاثر شدہ'' حالت میں رہی پھر میرے دماغ نے ذرا کام کرنا شروع کیا تو میں نے اپنی بے اختیاری پر خود کو سرزنش کی مجھے تو اس کو رام کرنا تھا خود اسے متاثر کرنا تھا اتنا کہ وہ میرا طلبگار بن جائے یہ کیا کہ میں پکے پھل کی طرح اس کی گود میں گر جاؤں میں جانتی تھی کہ مرد ہاتھ آئے پرندے کو ہمیشہ اڑا دیا کرتا ہے نوچ کر، اس دن میں وہاں کافی دیر بیٹھی رہی اور بڑا سنبھل سنبھل کر اور خوش اخلاقی کے انتہائی مظاہرے کا اظہار کرتی رہی اور جب مجھے محسوس ہوا کہ وہ بھی مجھ سے کچھ مرعوب ہوا ہے تو شائستگی سے اجازت لے کر چلی آئی، آپا چائے لے کر بیٹھی انتظار کر رہی تھیں میں نے کہا، کہ میں ساتھ میں آپ کی جیٹھانی کی طرف تھی بے چاری بے تحاشا خوش ہو گئیں میں نے محسوس کیا کہ اگلے تمام مراحل میں مجھے آپا کی سب سے زیادہ ضرورت پڑے گی اس لئے آپا سے میرا موڈ یک لخت بہت اچھا ہو گیا میں خواہ مخواہ ان سے بہت دیر تک باتیں کرتی رہی، شایان کو جب میں نے جاتے دیکھا تو میں نے دانستہ اونچی آواز میں کہا۔

''آپ فکر نہ کریں آپا میں دو دن بعد پھر آپ کی طرف چکر لگاؤں گی۔'' آپا حیران پریشان میرا منہ دیکھنے لگیں کہ مجھے اچانک کیا ہو گیا ہے میں نے سوچا یہ آزمائش کر دیکھتے ہیں جانے کیوں مجھے یقین تھا کہ دو دن بعد شایان بھی آئے گا، میں نے سوچا کہ اگر وہ آیا تو ٹھیک ہے ورنہ پھر آپا سے کھل کر بات کر لوں گی۔

دو دن بعد جب میں آپا کو ملنے دوبارہ پہنچی میری اس کایا پلٹ پر نہ صرف آپا بلکہ امی بھی حیران تھیں، یقین کے باوجود میرا دل پسلیوں میں اچھل رہا تھا دل خواہ مخواہ اعتبار و بے اعتباری کے درمیان لٹک رہا تھا، یہ دو دن اور تین راتیں میں نے کیسے کاٹی تھیں میں ہی جانتی تھی جانے کیا کھو گیا تھا میرا کسی پل چین و قرار نہیں تھا اس سے کی گئی باتوں کو از خود میں نے کئی نئے معنی پہنائے میری آنکھوں اور چال میں اک عجیب خمار تھا، مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میری حالت خود بخود لوگوں کو بتانے لگے گی کہ I am in love ہاں مجھے یقین ہو چلا تھا کہ میں شایان کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو چکی ہوں، میری خوشی کی

اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب تھوڑی دیر بعد وہ واقعی آن پہنچا، ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور بیک وقت ہم دونوں نے بظاہر انجان بن کر ایک دوسرے سے پوچھا۔

''ارے آپ آج بھی۔'' اور پھر ہم دونوں ہنس دیئے، آپا نے اخلاقاً اور مروتاً اسے اندر آنے کو کہا اور وہ اندر چلا آیا، ہم لوگ کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے، اس دن بھائی جب مجھے لینے آیا تو ہم لوگ تقریباً ساتھ ہی نکلے، وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا اور میں بھائی کے پیچھے موٹر سائیکل پر وہ ہمیں خدا حافظ کہتا نکل گیا میں اس کی شاندار گاڑی کو دیکھ کر مزید مرعوب ہو گئی یہ تو میں جانتی تھی کہ آپا کی جیٹھانی ٹھیک ٹھاک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔

☆☆☆

آپا کے ساتھ میرا پیار یک لخت امڈ آیا تھا مجھے ہر وقت آپا کی فکر رہنے لگی میں نے آپا کو روز فون کرنا شروع کر دیا وہ بے چاری حیران ہو جاتیں، ان دن میں نے سرسری طور پر آپا سے ان کی جیٹھانی طاہرہ بھابھی کے بارے میں پوچھا، آپا سادگی سے بتانے لگیں کہ کل انہوں نے اپنے بھائی اور امی کو کھانے پر بلا رکھا ہے اور میں نے اسی وقت وہاں جانے کا پروگرام دل ہی دل میں سیٹ کر لیا، امی سے اجازت لینا مسئلہ نہ تھا، میں نے بتایا کہ آپا نے کل بلایا ہے۔

اگلے دن جب میں آپا کے گھر پہنچی تو مجھے محسوس ہوا کہ جیسے وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک سی گئیں، جب میں پہنچی تو شایان اور اس کی امی آ چکے تھے اور طاہرہ بھابھی کے پورشن کے برآمدے میں بیٹھے تھے میں نے بڑی تمیز کے ساتھ آگے بڑھ کر سلام کیا اور کچھ دیر ان کا حال احوال پوچھ کر پھر آپا کی طرف آ گئی تھی، آپا نے کچھ دیر مجھے بغور دیکھا اور پھر بولیں۔

''وریشہ تم نے اتنی جلدی کیسے چکر لگا، خیریت تو تھی۔'' مجھے آپا سے اتنی سمجھداری اور اس طرح کے سوال کی توقع نہ تھی، میں کوئی جواب بھی نہ دے پائی تھی کہ انہوں نے کہا۔

''بیٹھو۔'' میں خاموشی سے بیٹھ گئی، وہ کچھ دیر خاموشی سے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

''وریشہ یہ میرا سسرال ہے یہاں میری ساس اور دو جیٹھانیاں رہتی ہیں میں یہاں کسی قسم کا تمہارا ایڈونچر برداشت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔'' آپا نے بالکل سیدھے سبھاؤ بات کرنے کا سوچا تو میں نے بھی کچھ دیر غور کرنے پر یہی مناسب سمجھا کہ میں بھی اپنی بات سیدھے طریقے سے ان تک پہنچا دوں۔

''آپا یہ کوئی ایڈونچر ہے بھی نہیں، یہ تو سیدھا سیدھا دل کا معاملہ ہے اور پھر آپ سے نہیں کہوں گی تو کس سے کہوں گی۔'' آپا کچھ دیر تو صدمے اور شرمندگی سے خاموش رہیں غالباً مجھ سے اس قدر بے شرمی کی امید نہیں تھی انہیں، پھر آہستگی سے بولیں۔

''اور امی اور وہ جو فصیح اور خالہ، کیسے ہوگا یہ سب امی کو کیسے مناؤ گی۔'' وہ جیسے بے ربط سی ہو رہی تھیں، میں نے لاڈ اور کچھ منت سے انہیں کہا۔

''جو بھی کرنا ہے آپا آپ نے ہی کرنا ہے آخر اس طرح کے معاملے میں بہنیں ہی مدد کرتی ہیں پھر شایان فصیح سے ہر لحاظ سے بہتر ہے آپ نہیں چاہیں گی کہ میں اچھے گھر میں چلی جاؤں اس رشتے کے ہونے سے آپ کی جیٹھانی سے آپ کا رشتہ مزید مضبوط ہو جائے گا۔'' آپا اگر میری باتوں سے متاثر نہیں ہوئیں تو کم از کم میری

محبت میں کچھ کچھ موم ضرور ہو گئیں تھیں۔

''چلو دیکھتے ہیں جو قسمت کو منظور ہو کوشش کروں گی ظاہرہ بھابھی کو ٹٹولنے کی، مگر تم کچھ احتیاط کرو آج مجھے پتہ چلا ہے کل کو ہر کوئی شک کرے گا، انگلی اٹھائے گا آخر دو سال پہلے تو تمہیں بہن سے اتنا پیار کبھی نہیں آیا۔''

آپا نے ایک بار پھر مجھے شرمندہ کر دیا اپنے دائرے سے نکلی تو مجھے پتہ چلا کہ لوگ بے وقوف نہیں ہیں حتیٰ کہ میرے اپنے بھی، اتنے نادان اور ناسمجھ نہیں بس میری محبت میں خاموش رہتے ہیں، ان کے بعد میں واقعی کچھ محتاط ہو گئی ہاں جب بہت بے بسی سی ہو جاتی تو آپا کی ہی منت سماجت کرتی اور آپا بھی کبھار اس کے آنے کا پتہ چلنے پر مجھے بلا لیتی تھیں، ہم دونوں جب کبھی بھی ملتے گو بظاہر بڑے سلجھاؤ سے ملتے، ہاں کبھی کبھار میری آنکھیں اور اس کی باتیں ذومعنی ضرور ہو جاتیں مگر کوئی اظہار ہم دونوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا تھا، یہ بلی چوہے کا کھیل بھی عجب لذت اور کسک سی دیتا، میں نے محسوس کیا کہ وہ بھی میری طرح بلا کا انا پسند ہے خود اپنی ذات کے مان گمان میں گم اور میری خواہش تھی کہ پیش رفت اس کی طرف سے ہو، ہر بار آپا مجھے ہول کر پوچھتیں۔

''اس نے کچھ کہا۔'' اور میں نفی میں سر ہلا دیتی، آپا مجھ سے پوچھتیں۔

''تو کہ پھر بات آگے کیسے بڑھے گی۔'' وہ جھنجھلا کر بولیں۔

''ہم لڑکی والے ہو کر کیا رشتہ ڈالیں گے۔'' میں کچھ دیر سوچتی رہی پھر کہا۔

''آپ ایسا کریں کہ طاہرہ بھابھی کو ٹٹولیں ان کا کیا ارادہ و ذہن ہے، جانے کیوں مجھے شک سا ہوتا ہے کہ انہیں بھی کچھ نہ کچھ خبر ضرور ہے، شاید شایان نے ہی کوئی بات کی ہو۔'' میں نے امید کا دامن پکڑا، آپا بددلی سے بولیں۔

''ظاہر ہے اس طرح کی باتیں چھپتی ہیں کیا؟ اگر انہیں یہ شک ہوا تو میری بڑی بے عزتی ہوگی۔'' میں چڑ کر بولی۔

''آپا میں نے ایسا کیا کر دیا ہے، کسی کو پسند کرنا کرکے گھر والوں کے ذریعے بات کو آگے بڑھانا گناہ ہے کیا؟'' آپا مجھے چڑتے دیکھ کر چپ ہو گئیں پھر بولیں۔

''اچھا تم فکر نہ کرو میں اسے سرسری طور پر ٹٹولوں گی اگر ان کا کوئی ارادہ ہوا تو وہ ضرور مجھ سے بات کریں گی، مگر یہ طے ہے ورنیشہ رشتے کے سلسلے میں جو بھی ہے پہل اس طرف سے ہی ہونی چاہیے۔'' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا، تین دن بعد آپا نے بڑا خوش ہو کر مجھے فون کیا اور بتایا۔

''بات کی تھی میں نے اور طاہرہ بھابھی کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ اور ان کی امی کو بھی تم پسند ہو اور بقول ان کے شایان بھی تمہیں پسند کرتا ہے دراصل شایان کی امی کی خواہش ہے کہ دوسری بہو وہ ذرا ہلکے گھر سے لائیں جو ان کے ساتھ مل کر رہے پہلی اونچے گھر سے آئی ہے تو دماغ نہیں ملتے اس کے۔'' آپا ذرا سا ہنسیں اور پھر بولیں۔

''اب انہیں کیا پتہ کہ دماغ تو ہماری بنو کا بھی نہیں ملتا بس یہ عشق کم بخت چیز ہی ایسی ہے انہیں کیا پتہ کہ ان کا بیٹا ہی نہیں ہماری رانی بھی۔'' اور پھر وہ ہنسنے لگیں۔

''چلو ٹھیک ہے آپ تو خوش تمہارا کام میں نے کر دیا۔'' آپا کی باتوں سے صاف طنز اور احسان کی بو آ رہی تھی، واقعی یہ عشق کم بخت اس نے مجھے کیا دن دکھائے تھے کس کس کی باتیں سنی

پڑ رہی تھیں۔

میں نے خیالوں ہی خیالوں میں اس وقت کو سوچا جب شایان کے گھر والے پرپوزل لے کر آئے گے پھر جو بھی شایان سے میرا سامنا ہوا تو کیسے ایک دوسرے کو دل کی بات بتائیں گے۔

''اچھا بڑے چھپے رستم نکلے آپ تو، خبر بھی نہ ہونے دی اپنی محبت کی اور اپنے نام کر لیا۔'' اور وہ جواب میں کیا کہے گا؟ وہ کہے گا۔

''جو باتیں آنکھوں سے کرتی ہو وہ ہونٹوں سے کرو نہ میں تو تمہارا ہوں تمہارا اپنا۔'' میں نے کتنے خواب دیکھے اس دن جاگتی آنکھوں سے بہت دور وادیوں کی سیر کر آئی میں، مجھے لگا کہ میں کہیں وہیں گم ہو گئی ہوں میرے دل نے ہول کر سوچا۔

''اگر واپسی کا سفر طے کرنا پڑا تو۔'' میرے دل نے دہائی دی۔

''ناممکن، ناممکن، اس بنا جینا ناممکن۔''

☆☆☆

اس دن میں کافی دنوں کے بعد آپا کی طرف گئی تھی، شایان بھی آیا ہوا تھا وہ کراچی گیا ہوا تھا کافی دنوں کے بعد لوٹا تھا آپا نے مجھے بلا بھیجا، اس کو شاید اسے ابھی میرے آنے کی خبر نہیں تھی، میں طاہرہ بھابھی کے پورشن کی طرف بڑھی ان دونوں کی باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی، اپنا نام سن کر میں ٹھٹک گئی، طاہرہ بھابھی اسے کہہ رہی تھیں۔

''تمہیں فون پر بتایا تھا نہ کہ سرپرائز ہے، دراصل فریحہ مجھے محسوس ہوا کہ کچھ جاننا چاہ رہی تھی تو میں نے تو اسے کہہ دیا کہ ہمیں تو ورنیشہ بہت پسند ہے اماں کو بھی اسی طرح کی لڑکی کی تلاش تھی غریب گھر کی ذرا دب کر رہے گی تمہارا انتظار تھا، مجھے تو یقین تھا کہ تم بھی ورنیشہ کو پسند کرتے ہو اسی لئے تو جلدی جلدی بھاگے آتے ہو آپ بولو کیا کہتے ہو ڈالیں رشتہ۔'' شایان بڑی بے ہودگی سے ہنسا۔

''ارے باجی آپ بھی نہ، آپ کو تو پتہ ہے لڑکی پیاری ہو سویٹ ہو خود سے لفٹ بھی دیتی ہو تو پھر دو چار میٹھی میٹھی باتیں کر لینے میں کیا حرج ہے؟ ارے ایسی بہت سی اپنی پاکٹ میں اب آپ کا بھائی ہے ہی اتنا شاندار کیا کروں لڑکی مر جاتی ہے اپنے پر، یہ ذرا گھنی ہے گہری ہے حالانکہ جانتا ہوں بالکل مرمٹی ہے مگر مانتی نہیں ذرا مجھے منوانے تو دو باجی پھر شادی تو آپ لوگوں کی مرضی سے ہی کرنی ہے مجھے ابھی کچھ دیر یہ کھیل کھیلنے دو وہ جھک تو جائے کچھ دیر اور۔'' طاہرہ باجی نے اسے ٹوک دیا۔

''تمہاری یہی غیر سنجیدہ حرکتیں ڈراتی ہیں تمہیں قابو کرنے کے لئے کوئی ہونا چاہیے۔'' وہ دونوں بحث میں مصروف تھے مگر اس سے زیادہ سننے کی تاب مجھ میں نہیں تھی، میں بمشکل پلٹی تو آپا میرے پیچھے کھڑی تھیں مجھے لگا کہ میرا کرچی کرچی پندار کسی نے مٹھیاں بھر کر فضا میں اچھال دیا ہو، میں وہاں سے کچھ بھی کہے سنے بغیر خاموشی سے واپس آ گئی۔

☆☆☆

وہ رات بڑی کڑی تھی خود احتسابی کی رات تھی خود کو ٹٹولنے کی کھوجنے کی رات تھی، اس دن میں نے خود کو کھوجا اور واقعی کھوج لیا، میں نے جانا کہ میں نے اب تک سب سے زیادہ محبت خود سے کی ہے اپنی پرستش کی ہے اور آج جو دکھ مجھے پہنچا ہے وہ اس لئے ہے کہ میں نے جس کو چاہا اس نے مجھے نہیں چاہا ورنہ وہ میری ذرا سی کوشش سے میرے دسترس میں ہوتا میرا ہوتا، مگر میں اس

کی نظروں میں کیا تھا ی، اک حقیر شے، مجھ جیسی اس کی پاکٹ میں، وہ میرے سامنے بڑا مہذب بنا پھرتا تھا، آج ہر خول اتر گیا اس کا تو یہ کتنا قابل نفرین لگ رہا تھا، محبت کہیں دفن ہو گئی تھی، میں نے خود کو کھوجا، کیا واقعی میں نے محبت کی تھی؟ مجھے بڑا ہولناک انکشاف ہوا کہ یہ محبت تو نہیں تھی یہ تو میرے اپنے سجائے کچھ خواب کچھ تشنہ حسرتیں آرزوئیں تھیں کچھ ایسی ان دیکھی خوبیاں تھیں جو میرے خیال میں شایان کے لئے تھیں آج اس کا اصلی چہرہ نظر آیا تو مجھے وہ بڑا حقیر لگا، محبت تو یہ نہیں ہوتی، اک ناقابل بیان حد تک تکلیف دہ کسک تھی، جس نے میرا احاطہ کر رکھا تھا، اس کسک نے کچھ دن تو مجھے بیمار کر کے بستر پہ ڈال دیا، مگر اسی کسک نے مجھے خود سے ملایا تھا میری اپنی مکروہ صورت دکھائی تھی،

امی کے آگے سر جھکا دیا شکر ہے کہ میرا وقار ابھی کہیں سلامت تھا، میں نے خود کو کھوج کر جان لیا تھا کہ میں خود سے محبت کرنے والی تو پھر کیوں نہ میرا ساتھی وہ، وہ جو مجھے چاہتا ہو۔

میری نگاہوں نے شایان اور فصیح کو دور تک دیکھا اس پلڑے میں فصیح بھاری تھا، میرا دل کرلایا مگر میں نے خود کو سمجھایا کہ شادی اگر محبت میں ہونے کے باوجود جوا ہے تو پھر یہ جوا سوچ سمجھ کر کیوں نہ کھیلا جائے، اگر شایان اور اس کے گھر والے اپنی شرائط پر جوا کھیلیں گے تو میں اپنا فائدہ کیوں نہ دیکھوں، آپا نے بڑی خاموشی سے اس قصے کو وہیں دفن کر دیا، اگلے ہفتے جب میری منگنی کی مٹھائی طاہرہ بھابھی اور شایان کو ملی تو ان کے رنگ پھیکے پڑ گئے، مجھے لگا کہ میرے زخمی پندار میرے کرچی کرچی وقار کو آج کچھ تقویت ملی ہے، میں نے خود کو سمجھایا۔

محبت تو بارش ہے
جسے چھونے کی خواہش میں
ہتھیلیاں تو گیلی ہو جاتی ہیں
مگر
ہاتھ ہمیشہ خالی رہتے ہیں

میں نے محسوس کیا کہ اس کو پانے کی چاہ میرے دل سے نکل گئی تھی میں نے محسوس کیا کہ اس کو پا کر بھی میرے ہاتھ شاید ہمیشہ خالی رہتے اور میں آج سے زیادہ اس سے نفرت کرنے لگتی، مگر جانے کیوں ایک عجیب سی کسک تھی جس نے میرا گھیراؤ کیے رکھا، ہاں اس کسک نے مجھے خود سے ملایا، مجھے جھکنا سکھایا، مجھے میرے رب سے ملایا مجھے انسانیت کے جامے میں اتارا میں نے فصیح کے ساتھ ایک نئی زندگی کا آغاز کیا اور وہ میرے لئے واقعی ایک اچھا ساتھی ثابت ہوا، اس کی محبت اور ساتھ نے ہر شے پر گرد ڈال دی

سبین میری کولیگ تھی اور اپنے کلاس فیلو کے عشق میں بری طرح گرفتار ہر حد پار کر جانے کی حد تک اس کے ساتھ ہونے والی بحث مجھے بہت دور لے گئی، اس دن وہ کسک جیسے پھر سے جاگ اٹھی محبت اک دکھ کی صورت کرلا رہی تھی میں نہیں جانتی یہ کیا تھی، یہ کسک اس بات پر تھی کہ کیا میں نے محبت کی تھی؟ پھر اسے خود بھی ٹھکرا دیا؟ کیا واقعی میں نے محبت کی تھی؟ کیا وہ محبت کی کوئی شکل تھی یا پھر یونہی اک وقتی ابال اور کچھ نا آسودہ خواب یا پھر اس بات کی کہ میں نے ہر شے سے بڑھ کر خود کو چاہا تھا اتنا کہ میں خود کو کمتر ہوا دیکھ ہی نہیں سکتی تھی، جو بھی ہے میرے خیال میں مجھ جیسے لوگوں کو انسانیت کے جامے میں رکھنے کے لئے کسی کمی کا ہونا ضروری ہے۔

☆☆☆

ہاسپٹل کے کاریڈور میں دائیں سے بائیں ٹہلتے ہوئے اس کے پاؤں بری طرح شل ہو چکے تھے کسی بھی طرح کی تھکن یا تکلیف سے بے خبر وہ بے چینی و بے قراری سے ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھیں، قرآنی آیات کا ورد کرتے ان کے لب ایک پل کے لئے بھی نہ تھمے تھے نمکین پانیوں سے لبریز بھیگی آنکھیں بار بار بے چینی سے سامنے بنے کمرے کی جانب اٹھ رہی تھیں جس کی پیشانی پر جلی حروف میں لکھا I.C.U کسی بھی شخص کی دھڑکنوں کو مدھم کرنے کے لئے کافی تھا۔

بے قراری تھی کہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی، اضطراب و بے چینی میں ہر لحظ اضافہ ہو رہا تھا، ان کے جسم کا رواں رواں اس وقت اپنے پروردگار کے حضور دعا گو تھا، جسم میں آتی جاتی ہر سانس اپنے اکلوتے عزیز از جان بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی اپنے رب سے، وہ بیٹا جو اندر I.C.U میں زندگی اور موت سے لڑ رہا تھا تقدیر کی سرحد پر کسی کو تو ہارنا ہی تھا، نجانے موت شکست کھاتی یا پھر زندگی فاتح بن کر خوشی کا نعرہ لگاتی۔

ہر گزرتا لمحہ ان کی بے چینی میں اضافہ کر رہا تھا ذہن کشمکش میں گھرا عجیب سے تناؤ کا شکار تھا، اپنے کسی پیارے کو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا دیکھ کر دل ناداں کی کیا حالت ہوتی ہے یہ کوئی اس پل بیگم شاہدہ فراز سے پوچھتا۔

ہر لحظ بڑھتے اضطراب و بے چینی اس کے نروس سسٹم کے لئے انتہائی خطرے کا باعث تھی مگر وہ ہر خطرہ جھٹکتی آئی سی یو کی جانب ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی کہ کب کوئی ڈاکٹر نکلے اور اس کے بیٹے کی زندگی کی نوید سنائے۔

کتنی ناداں تھی یہ ماں جو سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی کہ اس کا بیٹا اپنی زندگی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے موت کے بے حد قریب پہنچ چکا تھا وہ، جہاں سے زندگی کی طرف پلٹنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی تھا، پھر بھی ناداں ماں اس کی زندگی کے لئے دعائیں مانگ رہی تھی۔

نجانے اس طرح مزید کتنا وقت اور خاموشی سے دبے پاؤں سرک جاتا جب اچانک آئی سی یو کا دروازہ کھلا تھا، سفید گاؤن میں لپٹے ڈاکٹر اظہر شیرازی مکمل پیشہ ورانہ انداز میں باہر نکلے تھے، آنکھوں میں تیرتے جامد سناٹے اور چہرے پر چھائی گمبھیر خاموشی و سنجیدگی دیکھ کر بیگم شاہدہ فراز کا دل بری طرح کانپا تھا، انجانے خوف و خدشے انہیں بری طرح پریشان کر رہے تھے، پھر بھی اپنے آپ کو اندر ہی اندر مضبوط کرتیں وہ بہ مشکل خود کو ڈاکٹر اظہر شیرازی کے قریب جانے پر آمادہ کر پائی تھیں۔

قدم اگرچہ کہ ڈگمگا رہے تھے مگر وہ خود کو مضبوط ظاہر کرتیں قدم آگے بڑھا رہی تھیں چند قدموں کے فاصلے پر کھڑے ڈاکٹر اظہر شیرازی تک کا سفر طے کرنے میں انہیں میلوں کی مسافت طے کرنا محسوس ہوا تھا مگر پھر بھی انہوں نے یہ فاصلہ طے کر لیا۔

''ڈاکٹر میرا بیٹا بلال ٹھیک تو ہے نا۔'' دل کی دگرگوں حالت کو سنبھالتے ہوئے انہوں نے ڈاکٹر اظہر شیرازی سے پوچھا خوفزدہ نظریں مسلسل ڈاکٹر کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

☆☆☆

''ماما پلیز مجھے موبائل لے کر دے دیں نا۔'' فلور کشن سینے سے لگائے وہ پیٹ کے بل کارپٹ پر لیٹا منت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا، ساتھ ہی ساتھ سامنے چلتے ٹی وی کی چینل سرچنگ کا کام بھی جاری تھا۔

''افوہ بیٹا کہانا کہ جب تم میٹرک کا ایگزام کلیئر کر لو گے تب تمہیں میں موبائل گفٹ کر دوں گی مگر تم ہو کہ میری بات کو سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں ہو۔'' مکمل انہماک سے فیشن میگزین پر نظریں جمائے بیگم شاہدہ فراز نے کہا۔

موسم گرما کی آمد آمد تھی اور وہ اسی سلسلے میں سمر کولیکشن کو بڑے انہماک سے واچ کر رہی تھیں، ڈریس ڈیزائننگ شروع سے ہی ان کی کمزوری رہی تھی، یہی وجہ تھی کہ رشتہ داروں اور ملنے والے دوست احباب میں ان کی اچھی ڈریسنگ کی شہرت بھی بہت تھی، تب ہی اپنی اس انفرادیت کو قائم و دائم رکھنے کے لئے وہ اب اس سلسلے میں پہلے سے بھی زیادہ کوشاں نظر آتی تھیں۔

''مجھے نہیں چاہیے آپ کا گفٹ وفٹ، مجھے بس ابھی موبائل چاہیے، اب نہیں تو پھر کبھی بھی نہیں۔'' سابقہ پوزیشن میں لیٹے لیٹے اس نے نروٹھے پن سے کہا۔

''مگر بیٹا۔'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا، ان کی توجہ بیٹے کی جانب کم اور میگزین کی جانب زیادہ تھی۔

''نو اگر مگر ماما، آپ کی دوست مسز باجوہ نے بھی اپنے بیٹے خرم کو موبائل لے کر دے دیا ہے، آج کل تو ماما بچے بچے کے پاس موبائل ہے اتنا ایڈوانس دور ہے اور ایک آپ ہیں کہ مجھے موبائل لے کر دینے کو تیار ہی نہیں۔'' بلال نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا، اس کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی، اونچے لمبے قد کے ساتھ نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا بلال اس وقت میٹرک کا سٹوڈنٹ تھا، اکلوتا ہونے کے باعث بہت بگڑا ہوا بھی تھا، سونے پر سہاگہ یہ کہ روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی، باپ فراز احمد چونکہ امریکہ میں ایک ڈیپارٹمنل سٹور چلاتا تھا، اس لئے بھی اپنے بیٹے کی زبان سے نکلی ہوئی فرمائش نہ ٹالتا تھا اور اب جو اس نے موبائل لینے کی فرمائش کی تو بیگم شاہدہ نے ٹال مٹول سے کام لینا چاہا کیونکہ ان کے خیال میں اس طرح بلال کی اسٹڈی پر توجہ کافی کم ہو جائے گی اور ان کا یہ خیال کسی حد تک صحیح بھی تھا مگر وہ بلال ہی کیا جو کسی کی بات مان لے۔

''کہا نا بلال مجھے فضول میں تنگ مت کرو، فی الحال تم صرف اپنی اسٹڈی پر توجہ دو جب موبائل لے کر دینے کا وقت ہوگا تو میں تمہیں خود ہی لے کر دے دوں گی۔'' بالآخر ایک ہی تکرار سے تنگ آتے ہوئے انہوں نے کہا۔

''بس تو پھر ٹھیک ہے اگر آپ مجھے موبائل لے کر نہیں دیں گی تو پھر مجبوراً مجھے خود ہی پاپا سے بات کرنی پڑے گی اور مجھے امید ہے کہ میرے پاپا میری کوئی بھی بات رد نہیں کرتے۔'' دھونس آمیز دھمکی دیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پھر بولا۔

''اور ہاں مجھے صرف موبائل نہیں چاہیے بلکہ ٹو جی بی کے میموری کارڈ والا موبائل چاہیے۔'' غصے سے بولتا وہ یہ جا وہ جا ہوا تھا اور اس کے یوں بگڑے تیور دیکھ کر بیگم شبانہ فراز کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئیں۔

☆☆☆

فراز احمد کا تعلق ایک اپر مڈل کلاس گھرانے سے تھا جب پیدا ہوئے تو ماں اس دنیا سے چل بسی، جواں سال بیوی کی موت کا دکھ دل میں چھپائے اسکے والد صاحب نے اپنی تمام توجہ فراز احمد کی تربیت اور پرورش کی جانب کر دی انہوں نے اپنی تمام خوشیوں، خواہشوں اور ضرورتوں کا گلہ گھونٹتے ہوئے اپنی زندگی کا ہر لمحہ فراز احمد کے لئے وقف کر دیا اور جب وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے

برسر روزگار ہوا تو انہوں نے اپنے دوست کی اکلوتی بیٹی سے اس کی شادی کر دی اور اس فرض سے سبکدوش ہوتے ہی انہوں نے اس دنیا سے آنکھیں موند لیں۔

بہرحال وقت کا پنچھی پر لگائے اڑتا رہا، فراز احمد اور شبانہ ایک دوسرے کی سنگت میں بے حد خوش تھے اور جب شبانہ بیگم کو پروردگار نے ایک بیٹے سے نوازا تو ساتھ ہی دوبارہ ماں بننے کی خوشی ان سے چھین لی، بہرحال وہ دونوں اپنے بیٹے کو پا کر بے حد خوش تھے، پھر اچانک وقت اور حالات نے ایک کروٹ لی، فراز احمد کے ذہن میں اچانک ہی ملک سے باہر جانے کا خیال آیا اور پھر کچھ اس طرح سے ان کا ذہن بنا کہ بالآخر ایک دن وہ اپنے دوست کے ساتھ امریکہ چلے گئے اور وہاں ایک ڈیپارٹمنٹل سٹور پر کام کرتے کرتے انہوں نے ایک دن اس سٹور کی مالک جینفر سے شادی کر لی، ہر بات سے قطع نظر انہوں نے پاکستان میں بیٹھی اپنی بیوی اور بچے کی کفالت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، وہاں مگر وہ جلدی جلدی پاکستان نہ آ سکتے تھے اور یہی بات کبھی کبھی بیگم شبانہ فراز کو کھٹکتی تھی مگر پھر روپے پیسے کی بہتات دیکھ کر وہ اپنا یہ فضول خیال خود ہی ترک کر دیتی تھیں، اپنی راج دھانی کی وہ خود ملکہ تھیں اور بیگم شبانہ فراز جیسی عورت کے لئے یہ سب چیزیں بہت اہمیت رکھتی تھیں۔

☆☆☆

''یار بلال کہاں تھے تم صبح سے میں نے تمہارے گھر کے نجانے کتنے چکر لگا ڈالے مگر تم گھر پر بھی دستیاب نہیں ہوئے، عجیب گھامڑ انسان ہو، موبائل تمہارے پاس ہے نہیں کہ میں تمہیں ٹریس ہی کر لیتا۔'' بلال کو دیکھتے ہی اس کا بیسٹ فرینڈ نان سٹاپ شروع ہو گیا تھا، ان کے گھر چونکہ زیادہ دور نہ تھے اس لئے بھی ہر وقت کا رابطہ رہتا تھا۔

''کس نے کہا ہے کہ میرے پاس موبائل نہیں ہے، یہ دیکھو۔'' بلال نے بڑے جوش سے کہتے ہوئے اپنی فرنٹ پاکٹ سے موبائل نکال کر اسے کے سامنے لہرایا۔

''ارے واہ اس کا مطلب ہے کہ تمہارے بھی عیش ہو گئے ہیں۔'' خرم نے اس کے ہاتھ سے موبائل لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں یار بس اسی سلسلے میں ماما کے ساتھ مارکیٹ گیا ہوا تھا مگر تم بتاؤ کہ تم کس چکر میں مجھے ڈھونڈ رہے تھے۔'' بلال نے اس کے ساتھ والے صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''بس یار کیا بتاؤں تمہیں، کیا زبردست شے لے کر آیا ہوں۔'' خرم نے ایکسائیٹڈ ہوتے ہوئے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

''افوہ یار میں سمجھا نجانے کیا ہو گیا ہے جو تم اتنے ایکسائیٹڈ ہو رہے ہو۔'' بلال نے تاسف سے کہا پھر بولا۔

''لے آئے ہو گئے کوئی امپورٹڈ شرٹ یا پھر......''

''نہیں یار شرٹ کو گولی مارو، تم ادھر آؤ میں تمہیں ایک چیز دکھاتا ہوں۔'' خرم نے اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ مارتے ہوئے عجلت بھرے لہجے میں کہا اور پھر اگلے ہی پل اس کی جیب سے برآمد ہوتے موبائل کو دیکھ کر سمجھتے ہوئے وہ تیزی سے اس کے قریب گیا تھا۔

''کیا رومینس ہے یار اس ویڈیو میں کچھ نہ پوچھو، ایسی خوبصورت عورت ہے بالکل آفت بلکہ بم ہے بم۔'' موبائل کے مختلف بٹن پش کرتے ہوئے خرم نے آنکھ مارتے ہوئے کہا مگر

اس وقت تک بلال کی ساری توجہ موبائل کی جانب مرکوز ہو چکی تھی۔

معاشرے میں سہولت کے نام پر عام ہونے والی اس بیماری میں نجانے کتنے لوگ تھے جو مبتلا ہو گئے تھے اور اس چیز کا شاید کسی کو احساس بھی نہ تھا، موبائل کا اصل یوز کم اور مس یوز زیادہ ہو رہا تھا، ہر نیٹ ورک پر سستے ریٹس میں حاصل ہونے والے پیکجز نے بھی نئی جنریشن کو برائی کی جانب قدم بڑھانے پر مجبور کر دیا تھا اور رہی سہی کسر فحاشی وعریانی سے بھرپور ویڈیوز نے پوری کر دی تھی جسے دیکھنے کے بعد ینگ جنریشن جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے سے پہلے ہی اپنی عمر سے بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہی تھی، اس نئی جنریشن کو دوسرے لفظوں میں کسی بھی چیز کا درست استعمال کامیابی کا سمبل ہے اور اس کا غلط استعمال تباہی وبربادی کے دہانے پر پہنچا دیتا ہے بعض والدین اپنی اپنی زندگیوں میں اس حد تک مگن ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد جو مرضی روش اختیار کرے اس سے ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا، اپنی اولاد کے تمام اخراجات احسن طریقے سے ادا کر کے اور ان کی تمام خواہشات کو پورا کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے فرض کی ادائیگی کر دی ہے اس بات سے قطع نظر کہ اولاد کی تربیت کے لئے یہی سب کچھ ضروری نہیں ہوتا، ان کی اچھی بری ایکٹویٹیز پر نہ صرف نظر رکھنا بلکہ عمر اور تجربے میں اپنے بچوں سے بڑے اور بہتر ہونے کی بناء پر انہیں غلط اور صحیح کا ادراک دینا ہی حقیقی معنوں میں ذمہ داری ہے مگر شاید آج کے والدین کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ یہ باریکیاں نہ صرف خود سمجھیں بلکہ اپنی اولاد کو بھی سمجھا سکیں، بلال جیسے بچوں کا بھی یہی المیہ ہے، باپ ہے تو وہ پیسہ کمانے کی دوڑ دھوپ میں پوری دنیا پر سبقت لے جانا چاہتا ہے اور ماں ہے تو وہ اپنے شوہر کے کمائے گئے پیسوں کو خرچ کرنے کے لے ہر پل کوشاں نظر آتی ہے، ایسے میں بے چارے بلال کا مستقبل کیا ہو گا دوست اسے جس روش پر چلا رہے تھے وہ تباہی وبربادی کی جانب بڑھ رہا تھا مگر ماں باپ کو چنداں فکر نہ تھی۔

فحاشی وعریانی سے بھرپور فلمیں دیکھتے دیکھتے بالآخر ایک دن وہ اور خرم فیروزہ بائی کے ہاں جانے لگے، مسز باجوہ اور بیگم شاہدہ کے گھروں میں ہونے والی کسی جیولری کی چوری ہوتی یا روپے پیسے کی اس کا الزام سراسر ملازموں پر لگایا جاتا مگر درحقیقت یہ کارنامے کرنے والے کوئی اور نہیں بلکہ خود ان کے اکلوتے لخت جگر تھے جو برائی کی ایک ایسی لت میں پڑ چکے تھے جہاں سے واپسی ناممکن تھی۔

☆☆☆

''بلال یہ...... یہ دیکھو یہ تمہارا رزلٹ کارڈ ہے تم...... تم فیل ہو گئے ہو...... نو...... نیور...... ایسا نہیں ہو سکتا، یہ یقیناً کسی اور کا رزلٹ کارڈ ہو گا۔'' بیگم شبانہ حیرت وصدمے کی شدت سے چور ہوتے ہوئے بولیں، انہیں یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ یہ رزلٹ کارڈ بلال کا ہے۔

''جی ماما یہ میرا ہی رزلٹ کارڈ ہے۔'' بلال نے سر جھکاتے ہوئے مدہم لہجے میں بہ مشکل تمام کہا۔

''بٹ وائے بلال، تم تو دن رات اسٹڈی کرتے تھے تم اور خرم سارا سارا دن کمرہ بند کیے پڑھتے رہتے تھے اور اکیڈمی سے بھی رات لیٹ نائٹ واپس آتے تھے پھر یہ سب......'' بیگم شبانہ اپنے دونوں ہاتھوں پر سر گراتے ہوئے بے بسی سے بولیں۔

اس ''فکر مند'' ماں کو شاید یہ معلوم نہ تھا کہ کمرہ بند کیے وہ پڑھ نہیں رہے ہوتے تھے بلکہ سو رہے ہوتے تھے اور لیٹ نائٹ وہ اکیڈمی سے نہیں بلکہ فیروزہ بائی کے کوٹھے سے واپس آتے تھے مگر یہ ''فکر مند'' ماں انہیں چیک کرنے کی بجائے امن وچین کی نیند سو رہی ہوتی تھی۔

''اوہ نو بلال سب ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے، سوسائٹی میں ہم کیا منہ دکھائیں گے میں نے تو سوچا تھا کہ تمہاری شاندار کامیابی پر ایک بہت بڑا جشن مناؤں گی، ایک شاندار پارٹی......'' بیگم شبانہ کے تاسف میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا اب بھی انہیں اپنے بیٹے سے زیادہ سوسائٹی کی فکر ہو رہی تھی، جس میں موو کرنے کے لئے وہ ہر لمحہ کوشاں رہتی تھیں۔

''بلال میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔'' بیگم شاہدہ نے غصے سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا مگر نظر جب بے بسی سے اپنا سر ادھر ادھر مارتے بلال پر پڑی تو بے اختیار اٹھ کر اس کے قریب آئی تھیں۔

''بلال کیا ہوا ہے تمہیں۔'' ان کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ تکلیف سے دوہرے ہوتے بلال کی چیخیں پورے کمرے میں گونج اٹھیں۔

☆☆☆

''ڈاکٹر میں...... میں آپ سے پوچھ رہی ہوں میرا بیٹا بلال ٹھیک تو ہے نا۔'' سامنے کھڑے ڈاکٹر اظہر شیرازی کی خاموشی ان کا دل دہلائے دے رہی تھی، یادوں کی گہری پرچھائیوں کی جھلکتی وہ پھر سے ڈاکٹر کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

پچھلے ایک ماہ سے بلال ڈاکٹر اظہر شیرازی کی زیر نگرانی تھا مگر اس کی طبیعت بہتر ہونے کے بجائے مزید خراب ہو رہی تھی، اس کی وجہ صرف اور صرف وہ موذی مرض تھا کہ جس میں بلال مبتلا ہو گیا تھا اور وہ موذی مرض ایڈز تھا تمام ٹیسٹوں کی رپورٹس اور ڈاکٹروں کے مطابق اس وقت اس کا مرض آخری اسٹیج پر پہنچ چکا تھا، ڈاکٹرز اس کے اتنی کم عمری میں اس مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے نہ صرف حیران تھے بلکہ پریشان بھی تھے۔

بے راہ روی کی جس روش پر وہ چل پڑا تھا، اس کا انجام یہی ہونا تھا جلد یا دیر مگر انجام ہونا یہی تھا۔

''ڈاکٹر پلیز کچھ تو بولیں، یوں خاموش رہ کر میری ممتا کا امتحان مت لیں۔'' بے بسی سے التجا کرتیں بیگم شاہدہ پھر بولیں۔

''آئی ایم سوری۔'' ڈاکٹر اظہر شیرازی نے مایوسی سے سر جھکاتے ہوئے فقط اتنا ہی کہا۔

انہیں خود سمجھ نہ آ رہی تھی کہ اس مقام پر آس وامید لئے اس ماں سے وہ کس طرح کہیں کہ تمہارا بیٹا اب اس دنیا میں نہیں رہا، اگرچہ کہ جس شعبے سے وہ وابستہ تھے وہاں پر اس طرح کے واقعات ایک معمول سا بن گئے تھے مگر نجانے کیوں آج بلال کی اس طرح جواں مرگی نے انہیں اندر سے ایک پل کو جھنجھوڑ دیا تھا، بلال کے کیس کو اسٹڈی کرتے کرتے وہ اپنی ینگ جنریشن کے ویک پوائنٹ تک ضرور پہنچ گئے تھے، انہیں احساس ہو گیا تھا کہ نئی نسل کامیابی کی جانب کم اور تباہی وبربادی کی جانب زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے اور ڈاکٹر اظہر شیرازی یہ بات جان گئے تھے کہ کسی بھی چیز کا مس یوز انسان کو تباہی وبربادی کے دہانے پر کھڑا کر دیتا ہے، بلال کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا، کم عمری اور نادانی میں ہونے والی ایسی غلطیوں سے کبھی کبھی زندگی ہی داؤ پر لگ جاتی ہے، کاش یہ ہماری نوجوان نسل جان جائے۔

☆☆☆

نازیہ ضیاء

محبت کرنے والے آج
اظہار محبت کر رہے ہیں
تمہارے ہاتھ میں جو پھول ہے اس کو
محبت کے صحیفے میں کہیں رکھ دو
کہ اظہار محبت کے لئے لمحے مقرر تو نہیں ہوتے
محبت تو دنوں کی قید سے آزاد ہوتی ہے
محبت میں روایت پھول دینے کی
بہت ہی خوبصورت ہے
مگر تم آج مجھ کو پھول مت دینا
تقاضے میری چاہت کے سوا ہیں کچھ
کہ میرے پیار کے رسمیں
زمانے سے جدا ہیں کچھ
کہ میرے پیار کی رسمیں
زمانے سے جدا ہیں کچھ

مرغزار کی لمبی روش پہ اکا دکا ہی لوگ تھے، دونوں اطراف اونچے اونچے درخت بھرپور پتوں کا پیرہن اوڑھے بڑے نازاں وشاداں تھے۔

ان کے سائے میں بنی باڑھ اور گیندے، گلاب، سنبل کی کیاریاں عجب خوش کن سا نظارہ دے رہی تھیں۔

خوشبو ہواؤں کے سنگ آنکھ مچولی کھیلتی، یہاں وہاں اب چھپتی پھر رہی تھی اس درخت کے گھنے پتوں میں ہنستی مسکراتی سرسراتی سی اور کبھی دور کیاریوں میں کھلے پھولوں سے ٹکراتی، گدگداتی، اٹھکیلیاں کرتی انگلی چھڑاتی پھولوں میں ہی اپنے آپ کو پھر سے سمونے کو مچلتی ہوئی سی تھی۔

مگر بھلا بتاؤ بہار کا سنگ ہو تو خوشبو اپنے آپ کو چھپا بھی سکتی ہے کیا، وہ تو پھر پگلی بنی اڑتی اٹھلاتی، بادلوں کے سنگ دور دیس کے باسیوں کو بھی اپنے بھرپور وجود کا احساس دلا کر کھنکتی ہنسی کے ساتھ یہاں وہاں بکھر سی جاتی ہے وہ سادہ گلابی ٹخنوں تک آئی قمیض کا ٹراؤزر پہنے، بڑے بڑے گلابی پھولوں والی چادر اوڑھے گلابوں کے کنج کے پاس کھڑی تھی۔

جھجکی سی شرمائی سی اس کی آنکھوں میں اک عجب سے سراسمگی پھیلی تھی یوں جیسے کسی خواب نگر کی باسی دنیا میں بھولے سے نکل آئی ہو اور اب سہمی سی کھڑی اپنے خوابوں کے شہزادے کے انتظار میں ہو۔

اک عجب سی چمک اس کے چہرے کا احاطہ کیے تھی جیسے زحل کے اردگرد اک پیار بھری، در بھری روشنی کا ہالہ ہوتا ہے ناں...... بالکل ویسا ہی ہالہ اس کے اردگرد بھی لپٹا لگ رہا تھا۔

اپنے آنچل کو ہاتھ میں دبائے، اس کے کونے کو کبھی انگلی پہ لپیٹنا شروع کر دیتی اور کبھی بے چینی سے مسلنا شروع کر دیتی، اک عجب سی بے چینی، اس کے ہر ہر انداز سے عیاں تھی۔

اس نے اپنی چادر کے پلو کو تھوڑا سا اور ماتھے پہ سرکایا اور کچھ اس طرح سے اس کا کونا پکڑ کر اپنے چہرے کو ڈھانپا کہ اس کی بڑی بڑی ہرنی سی خواب آشنا آنکھیں اپنی پوری خوبصورتی کے ساتھ یکدم دمک اٹھی تھیں۔

جسم میں ڈھل گئیں
ایسا جسم جو انتظار کے دائرے میں چکرا رہا
تھا
گول گول گھومتا، اپنے مدار کے اردگرد۔

تبھی دور سے وہ آتا دکھائی دیا۔

بلیو جینز، کالی اور میرون دھاری دار شرٹ پہنے وہ اپنے ازلی بے پرواہ انداز میں اس کی جانب بڑھا، دونوں نے اک دوسرے کو دیکھا۔

نازنین نے اک چور سی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور پھر پلکوں کی جھالر گرا دی مبادا سب راز عیاں ہو جائیں۔

کہیں بے چینیاں تڑپ کر اس کے قدموں سے نہ لپٹ جائیں، یا پھر نظروں کی یہ بے تابی دیوانہ وار آگے بڑھ کر اس کی بلائیں نہ لینے لگے۔

بشر نے اک بھرپور، بیباک، کچھ ڈھونڈتی کچھ ٹٹولتی نظر نازنین کے چہرے پہ ڈالی۔

بشر کی نظر فتح مندی کا واضح احساس لئے ہوئے تھی۔

یوں کہ جیسے کوئی دیوتا اپنی پجارن کی تپسیا بغور دیکھ رہا ہو، جانچ رہا ہو، پرکھ رہا ہو، قبول کروں...... کہ...... رد کروں۔

اتنی دیر سے آئی ہو، میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا تھا، بشر نے ہوا کے تیز جھونکے سے ماتھے پہ آتے شریر بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ...... ڈر لگ رہا تھا۔'' نازنین نے دھیمے سروں سے جواب دیا۔

''مجھ سے...... مجھ سے ڈر لگ رہا تھا؟''

بشر نے اک ادا سے سر کو بائیں جانب ہلکا سا خم دے کر ہونٹوں پہ دلکش سی مسکراہٹ لاتے ہوئے پوچھا۔

"جی...... وہ کبھی...... وہ اس طرح...... میرا مطلب ہے کہ یوں ملنا...... میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔" نازنین نے کپکپاتے لہجے میں جواب دیا۔

"ہاں میں جانتا ہوں، تمہارے لکھے لفظوں کو پڑھتے پڑھتے تمہارے جذبوں کے سحر میں ایسا گرفتار ہوا کہ تمہیں محبت کر بیٹھا، کبھی تو یوں کھنچا چلا آیا ہوں...... ویسے...... کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیسی لڑکی ہو؟" بشر نے اک شریر مسکراہٹ اپنے لبوں پہ سجاتے ہوئے کہا۔

نازنین نے اک لمحے کو نظر اٹھا کے اسے دیکھا، اک پل...... بس...... اک بے خودی ان آنکھوں سے چھلک رہی تھی، یوں جیسے نظروں سے ہی اسے اپنے اندر سمو کر رہے گی۔

"آؤ آگے چل کر کہیں بیٹھتے ہیں۔" بشر نازنین کا گھبرانا، اس کا سہمنا بھانپ چکا تھا۔

دونوں اس سفید روش پہ چلنے لگے جس کے اطراف دراز قد، بھرے بھرے درخت بھی جھک جھک کر حیرانگی سے اس سہمی سی چڑیا کو دیکھ رہے تھے جو خود سے اڑنے سے قاصر تھی، جو خود ہی جال میں آن پھنسی تھی۔

عشق جال ہی تو ہے، نہ چھٹکارا ملتا ہے نہ چھٹکارا چاہا جاتا ہے، محبت بری ہے، محبت برباد کرتی ہے، سب یہی کہتے ہیں، سب یہی سمجھاتے ہیں، پھر بھی محبت کرنے والے کیے جا رہے ہیں۔

اپنے دلوں کو محبتوں کو عبادتوں سے آباد کیے جا رہے ہیں کچھ دور جا کر سدا بہار پیڑ کے نیچے بنے سنگی بینچ پر دونوں بیٹھ گئے نازنین اک کونے پہ سمٹی سمٹائی بیٹھی تھی، بشر نے بیٹھ کر بہت سکون سے بینچ کی پشت پر اپنا بازو پھیلایا، اک ٹانگ دوسری ٹانگ پہ رکھتے ہوئے اک دلفریب نگاہ نازنین کے سراپے پہ ڈالی۔

"اتنی دور کیوں بیٹھی ہو، پاس آؤ نا۔" بشر نے دھیرے سے کہا، نازنین اپنی جگہ ساکت بیٹھی رہی۔

"ریلیکس ناں، کچھ نہیں ہوتا، آج پہلی مرتبہ مل رہے ہیں ناں تو اس لئے گھبرا رہی ہو، میں نے تمہارے لفظوں کو پڑھ کر جس ساحرہ کا تصور تراشا تھا تم اس سے کہیں بڑھ کر نظر آتی ہو۔" بشر نے سرگوشی کی آپ میری طرف مت دیکھیں، نازنین نے دھیمے سے کہا۔

"آپ مجھے دیکھتے ہیں اور میرا دل دھڑکنا بھول جاتا ہے۔"

"آپ میرے ساتھ چل کے آئے ہیں اور میرا سارا وجود آپ کے قدموں سے لپٹنے کو بے تاب ہوا تھا۔"

"آپ نے مجھے پکارا اور مجھے اپنے ہونے پہ پیار آیا۔"

"سنیں آپ کو چاہنا میرے بس میں نہیں، میں آج آپ سے ملتی یا کبھی ناں ملتی، میری محبت کو وجود کی ایسی کوئی خواہش نہیں، ہاں خواہش ہے کہ آپ کی محبت میں رل جاؤں، فنا ہو جاؤں۔" نازنین نے ہولے ہولے اپنی بات مکمل کی، بشر نے بہت پیار سے اس کی ساری بات سنی۔

"تمہاری یہی ادا تو میرے دل سے میرا اختیار ختم کر گئی، تمہاری ان بے اختیاریوں نے مجھے بے اختیار کر دیا، بہت قواعد وضوابط بنا رکھے تھے میں نے اپنی زندگی کے جن میں محبت نام کا جذبہ تھا ہی نہیں، پھر تم میری زندگی آئیں، بس اک کلک کیا اور تمہیں پا لیا، تم آئیں اک عجب دیوانگی، عجب جنوں، عجب خواہشیں اوڑھے، کہ میں بھی تمہاری محبت میں گرفتار ہوتا چلا گیا، دل تمہارے ساتھ چند لمحے گزارنے کے لئے تڑپنے لگا۔"

"آپ نے کبھی ایسا دل دیکھا ہے جس میں محبت نہ ہو۔" نازنین نے ہولے سے پوچھا۔

"نہیں ناں۔" خود ہی جواب دیا۔

"ہر دل میں محبت ہوتی ہے، دل بنا محبت کے تو خدا نے تخلیق ہی نہیں کیا، اگر محبت نہ ہو تو دل دل نہیں اک کھنڈر ہے۔"

"آپ کبھی میرے دل میں جھانک کر دیکھیں، کیسی محفل سجائے بیٹھی ہوں، اک دیوتا کو اس کے آس پہ بٹھائے دیوانہ وار اس کی پوجا کرتی ہوں، اپنی ہستی اس کو دان کرتی ہوں۔" نازنین نے اک چور سی نگاہ بشر کے چہرے پہ ڈالی اور دھیمے سے کہا۔

درخت کے اوپر ہرے بھرے چوڑے چکلے پتوں کے ڈھیر میں چھپے پرندے نے اپنی سریلی آواز میں شاید اپنے پریمی کو پکارا تھا کہ اس کی کہی کوکو میں اک شوخی ادا بانکپن صاف چھلکتا نظر آ رہا تھا۔

اس کی اک لمبی کو سے یوں جیسے وہاں اک عجیب ہلچل سی پھیل گئی تھی، اک پتہ درخت سے گرا، بینچ پر بیٹھی نازنین کے دوپٹے کے پلو پہ آن بیٹھا، حیرت سے اس کے چہرے کے رنگوں کو دیکھنے لگا۔

"ایسا رنگ تو ہمارے اس باغ میں موجود سارے پھولوں میں سے کسی پھول کا نہیں۔" اس ہرے بھرے پتے نے نازنین کے پلو کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے سوچا۔

بشر نے اس پتے کی طرف دیکھا، ہاتھ بڑھایا، پتے کی محویت کو توڑتے ہوئے اسے پکڑ کر زمین پر پھینک دیا، نازنین جو یہ سارا عمل بے دھیانی سے دیکھتی جا رہی تھی، اپنے پلو کو دیکھنے لگی، جس میں یکدم ہی جیسے مانو بہت سی روشنیاں کرنیں ٹانکی گئیں تھیں۔

بشر نے ہاتھ بڑھا کر نازنین کا ہاتھ پکڑا، نازنین کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے سارے وجود میں دھماکے سے ہو رہے ہیں اس نے بے ساختگی سے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا۔

اس عمل میں کہیں بھی سوچ نہ تھی، بس اک Reflex action سا تھا جو خود سے ہو گیا۔

نازنین کی آنکھیں جھکی اور وجود کسی نازک سی بیل کی مانند کانپ رہا تھا۔

"پلیز میرے لئے یہاں آنا، آپ کو دیکھنا، آپ کے روبرو یوں بیٹھنا یہ بہت ہے، میں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ یوں ہوگا۔" نازنین نے کہا۔

"لیکن ہم یہاں ہیں، اس لمحہ موجود میں اک دوسرے کے روبرو، یہ حقیقت ہے میری جان۔" بشر نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

بشر تو ہمیشہ سے چاہے جانا چاہتا ہے، دیوانگی کی حد تک، کسی کی ذات کا محور وہ ہو، کوئی صرف اس کی ذات کے گرد رقص کرے، کسی کا دن وہ ہو، اور رات بھی وہ ہو۔

اک اونچی مسند پہ بیٹھا وہ اپنی داسی کو اپنے پاؤں میں پڑا دیکھے وہ کہے تو داسی ہنس پڑے وہ خاموش ہو تو داسی روئے۔

بشر کو ایسی ہی محبت سے تسکین ملتی ہے ناں اور نازنین کی محبت اسے اپنا سب کچھ بنائے بیٹھی تھی۔

بشر کو ہمیشہ لرزتی، کانپتی، گریز کرتی، دعوت دیتی ہوئی، نرم وگداز بدن اور دل لئے ہوئے، ہونٹوں کو اک دوسرے میں مدغم کرتے ہوئے،

آنکھوں میں پیار چھپائے، جذبات کے اک طوفان کو روکنے کی تگ و دو میں حال سے بے حال ہوتی، گالوں سے لالیاں چھلکاتی، انگلیوں کو پکڑتی مروڑتی لڑکیاں ہی تو پسند آتی ہیں۔

نازنین کی محبت اور ادائیں ایسی ہی تھیں، پھر بھلا وہ اپنے آپ کو کیسے روک پاتا۔

نازنین کے محبت بھرے جملے، ان سے چھلکتی دیوانگی، سر چڑھ کر بولتا جنون، اپنا آپ وار دینے کی خواہش، یہ سب پڑھتے پڑھتے ہی تو اس کو اک دن نازنین کو دیکھنے اس سے ملنے کا سودا سر میں سمایا تھا۔

لاکھ نازنین کا انکار، ڈر، گریز، اس نے سب کچھ رد کر دیا تھا اور نازنین کو آج آنا پڑا، یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ بشر بلائے اور نازنین نہ آئے، محبت کا خدا پکارے اور محبت کی پجارن نہ آئے۔

ہوا میں ایکدم ہی جیسے تیزی سی آ گئی تھی، دھوپ میں بیٹھے بدن میٹھی میٹھی حرارت جذب کر رہے تھے کہ ہوا نے جیسے یکدم ہی اپنے ہونے کا احساس دلایا تھا اور آنچل اس کے ہمراہ اڑنے کو بے تاب۔

نازنین نے سر سے سرکتے ہوئے پلو کو دوبارہ سے سر پہ ٹکایا تو وہ کندھوں سے نیچے پاؤں میں آ پڑا۔

اک درخت سے نہایت تیزی سے اک گلہری نیچے آئی اور اس بنچ کے آس پاس گرے ہوئے پتوں میں گھاس میں جیسے کچھ تلاشنے لگی۔

تیز تیز منہ چلاتے، تیز تیز ادھر ادھر دیکھتے، نازنین کے پاؤں کے قریب آ کر اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور وہیں ساکت ہو گئی۔

یا خدایا...... ایسی پجارن...... اپنے وجود کو یوں اک مقدس صحیفے کی مانند ڈھانپے سنبھالے بیٹھی ہے، سارے راز، سارے بھید اپنی اس بکل میں لپیٹے ہوئے، وہ شاید حیرانگی سے اسے دیکھتی رہتی لیکن درخت سے اک اور گلہری بہت تیزی سے اس کی طرف آئی، اس کے کان میں کچھ کہا، شاید اس کی محویت اس کے وجود پہ گراں گزری تھی کہ محبوب اپنے محبّ کی نظریں ان کا ارتکاز اس کی سوچیں ان کی پرواز سب پر صرف اپنا حق سمجھتا ہے۔

دونوں گلہریاں دم لہراتی کھلکھلاتی آگے پیچھے بھاگتی درخت کے اوپر چڑھ گئیں درخت پر چڑھنے سے پہلے وہ گلہری گردن گھما کر اسے دیکھنا نہ بھولی تھی۔

''آؤ نازنین، کینٹین کی طرف چلتے ہیں۔'' بشر نے کہا، نازنین یونہی بیٹھی رہی۔

''چلنا نہیں۔'' بشر نے سر جھکا کر اس کے چہرے کو یک ٹک دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں مجھے کوئی طلب نہیں۔'' نازنین نے دھیمے سے جواب دیا۔

''محبت میں ہمیشہ لذت کا کام و دہن ساتھ دیتی ہے۔'' اس نے کہیں پڑھا تھا لیکن وہ تو محبت کی ابتدائی منزلوں میں سے اک منزل ہے، نازنین کی محبت تو تمام منازل تمام مدارج طے کر چکی تھی، ان سب سے کہیں اوپر نہ کوئی خواہش نہ کوئی احتیاج۔

بس اب تو چاہنا تھا اور چاہتے چلے جانا تھا، زندگی کو اس کا مقصد مل چکا تھا بشر دوبارہ اس کے قریب ہو کر بیٹھا۔

خاموشی ان دونوں کے درمیان اک مکمل اور بامعنی گفتگو میں مصروف تھی، اک لمحے کا وقفہ کیے بغیر، مسلسل گفتگو۔

بشر نے نازنین کے گود میں دھرے ہاتھوں کو بغور دیکھا، ہلکی سی کپکپاہٹ نمایاں تھی اس نے دھیرے سے نازنین کے انگوٹھے کے ناخن کو پکڑ کر دھیرے سے کھینچا۔

یوں جیسے سارے بدن میں تار سی کھنچ گئی ہو، ہر ریشہ، ہر رگ چیخ سی رہی تھی۔

''محبت جادو گرنی ہے۔'' نازنین نے ہولے سے کہا۔

''تمہاری انگلیوں کے ناخنوں میں سانس لیتی ہے، کبھی شانے پہ سر رکھے یوں ہولے ہولے گنگناتی ہے، جاناں محبت ہو ہی جاتی ہے۔'' نازنین نے کپکپاتے لبوں سے یہ جملے ادا کیے۔

''تو شانے پہ سر رکھو ناں۔'' بشر نے ترستے لہجے میں کہا۔

نازنین نے اک نظر اس کی طرف دیکھا، اک عجب سی نظر، لالچ لئے ہوئے محبت لٹاتی ہوئی پھر نظر جھکا لی۔

''مجھے جلدی سے واپس جانا ہے، آپ کو بس مجھے دیکھنا تھا ناں...... دیکھ لیا...... اور میں اپنے آپ کو روک نہیں پائی...... چلی آئی...... مگر اب واپس تو جانا ہے ناں چلو۔'' بشر نے بنچ پر کھڑے ہوتے ہوئے اک سرد سانس گرم گرم سینے سے آزاد کی اور اپنی جینز سے نادیدہ گرد جھاڑتے، ہاتھوں کی انگلیوں کو اپنے بالوں میں چلاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

واپس گیٹ کی طرف دونوں شانہ بشانہ چل پڑے، نازنین بشر سے اک قدم پیچھے تھی، اس کی پشت کو بہت پیار سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

''آج کا دن میری زندگی کا حاصل ہے، ان کو ملنے کا دیکھنے کا یوں سننے کا کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا، ہاں آج میرا ہونا کام آیا، میری ساری حیاتی سج سی گئی ہے۔''

یہ سب کتابی باتیں ہی تو نہیں ہوتیں، میری روح اپنے جس گم شدہ حصے کی تلاش میں بے قرار رہتی تھی وہ مل گیا، میرا ہم زاد مجھے مل گیا۔''

نازنین کی چال میں یوں ردھم یوں اس کے قدم اس کی دھڑکنوں کے تال میل سے ملتے اٹھ رہے تھے گویا رقص میں گم ہو۔

اور بشر ادھر ادھر دیکھتے نازنین کی طرف بھی اک ہوس بھری بھرپور نظر ڈالتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

''باہر نکلتے ہی پلوشہ کو فون کرتا ہوں، یہ سب باتیں کتابوں میں اور لفظوں کو سجانے میں ہی اچھی لگتی ہیں، سترھویں صدی کی محبت (ہاں بس خود پہ Proud feel ہوتا ہے ناں، کون ہے جس کو یوں چاہے جانا پسند نہ آئے)۔''

پلوشہ کو Hot spot پہ بلواتا ہوں ویلنٹائن ڈے کے لئے اس سے بڑھ کر کون سی جگہ ہو گی Hot spot اور Hot سی پلوشہ۔

''تین، نہیں نہیں چار گلاب اور کیک لے لیتا ہوں، آخر باری باری باقی دونوں کی طرف جا کے بھی تو ویلنٹائن وش کرنا ہے۔''

یہ نازنین اور اس کی محبت تو...... ویسے وقت اچھا گزرا ہے اس کے ساتھ۔

ایک بات تو ہے چاہتی ہے مجھے، مگر یہ کیسی چاہت، ہاتھ تک تو پکڑنے نہیں دیا، نازنین کو سی آف کرنے کے بعد گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے موبائل نکالا اور مصروف ہو گیا۔

آج ابھی بہت زیادہ کام پڑا تھا، اک مصروف ترین دن گزرنا تھا آج بشر کا، ویلنٹائن ڈے تھا ناں باری باری تینوں کے ساتھ مختلف مقامات پر ویلنٹائن ڈے منانا تھا۔

☆☆☆

خدا کرے میری ارضِ پاک پر

نسرین خالد

براؤن گیٹ والے بنگلے کی چھت کے چاروں طرف رنگ برنگے جھنڈے بندھے ہوئے ہیں، ہر جھنڈا کسی نہ کسی سیاسی پارٹی کا ہے، گھر کے تمام مکین مختلف سیاسی پارٹیوں کے حامی ہیں، جوں جوں الیکشن قریب آ رہے ہیں توں توں سب پرجوش ہو ہیں کہ انہی کی پارٹی جیتے گی، آیئے آپ کو گھر کے سبھی لوگوں سے ملاتے ہیں۔

ان سے ملئے یہ انتخاب احمد ہیں ان کی عمر باسٹھ سال ہے یہ جمہوریت کے حامی ہیں ان کا خیال ہے کہ جمہوریت بہترین سیاست ہے (اور بہترین انتقام بھی، اب یہ نہیں معلوم کہ یہ انتقام کس سے ہے عوام سے......؟؟)

ان کی بہو کوثر معراج احمد بھی ان ہی کی طرف جمہوریت کی زبردست حامی ہیں البتہ معراج احمد اپنے والد اور بیوی کے سخت مخالف ہیں، وہ آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمانے کے قائل نہیں ہیں اور کرکٹ کے بے حد شوقین ہیں ان کا چھوٹا اور لاڈلا بیٹا اعیان ان سے مکمل اتفاق کرتا ہے، جبکہ بڑا بیٹا شایان اپنے چچا وجاہت احمد کے ساتھ ہے (آخر لیپ ٹاپ جو ملا ہے) وجاہت کی بیوی ماریہ کے خیال میں بھائی کی پارٹی بیسٹ ہے۔

"ساتھی...... مظلوموں کا ساتھی۔" وہ گھر میں اکثر ہی گنگناتی رہتی ہیں۔

(سسرالیوں کو جلانے کے لئے)

یہ ہیں علیھا، معراج احمد کی سب سے چھوٹی اور اکلوتی بیٹی، ان کا نیا نیا شناختی کارڈ بنا ہے یہ آج کل بے حد خوش ہے کیونکہ انہیں ووٹ دینے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

گھر کا ہر فرد ہی چاہتا ہے کہ علیھا اس کی پارٹی کو ووٹ دے۔

دادا جان (انتخاب احمد) اسے ہر روز جمہوریت کے فوائد پر 200 لفظوں کا مضمون ضرور سناتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس کے پلے کچھ نہیں پڑتا، پاپا کی طرح وہ بھی کرکٹ کی شوقین ہے 1992ء کے ورلڈ کپ کی ویڈیوز وہ بارہا دیکھ چکی ہے پاپا کی ہدایت پر کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ گھر میں سب سے زیادہ ووٹر انہی کی پارٹی کے ہوں۔

دوسری طرف بڑا بھائی اور چچا اسے لیپ ٹاپ دکھا دکھا کر اس کا دل للچاتے ہیں۔

"علیھا لیپ ٹاپ نہیں لینا کیا؟" جب ماما اور پاپا اسے اپنی اپنی پارٹی کی جھوٹی سچی تعریفیں سناتے ہیں شایان گھر کسی کونے سے برآمد ہوتے ہی ضرور پوچھتا ہے۔

"اگر میری پارٹی جیت گئی تو میرا وعدہ ہے میں تمہیں لیپ ٹاپ ضرور دلاؤں گا۔" دادا جان اکثر پوتی کو لالچ دیتے ہیں۔

"وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو جائے۔" وجاہت نے مسکراتے ہوئے باپ کو دیکھا۔

"اور وعدے کوئی حدیث تھوڑی ہوتے ہیں۔" شایان دادا کے فیورٹ لیڈر کا جملہ دہرانا نہ بھولا۔

"تم لوگ جلتے ہو جمہوریت سے۔" دادا جان نے ناگواری سے بیٹے اور پوتے کو دیکھا۔

"علیھا! آزمائے ہوئے کو دوبارہ نہیں آزماتے، مومن کی شان نہیں ہے ایک جگہ سے دو بار دھوکا کھائے۔" اعیان نے لیپ ٹاپ کو للچاتی نظروں سے دیکھتی بہن کو سمجھایا۔

"ساتھی...... مظلوموں کا ساتھی۔" ٹرے ہاتھ میں لیے ماریہ چچی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں اور علیھا کی فیورٹ ڈش اس کے سامنے رکھی، وہ بھی آج کل سب کی طرح علیھا پر واری

صدقے ہیں، علیھا عجیب کشمکش کا شکار ہے، وہ اس ساری صورتحال سے بے حد پریشان ہے، اگر ماما کی پارٹی کو ووٹ دے دیا تو پاپا، چاچو، چاچی اور دونوں بھائی ناراض اور اگر پاپا یا چاچو کی پارٹی کو ووٹ دے دیا تو مما، دادا اور پھپھی ناراض۔

☆☆☆

''شینخو!'' علیھا نے کچن میں آکر گھر کے واحد نوکر کو پکارا۔

نام تو اسکا سلیم تھا مگر وہ خود کو مغلیہ شہزادہ سمجھتا تھا۔

''تم کسے ووٹ دو گے؟''

''میرا تو آپ کو پتہ ہی ہے چھوٹی بی بی، مجھے کوئی سیاسی پارٹی پسند نہیں ہے بس اپنا تو یہ اسٹائل ہے چلو اس طرف جس طرف کی ہوا ہو۔'' شینخو شاید سیاسی لوٹوں سے بے حد متاثر تھا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب وطلب کچھ نہیں بی بی جی، پانچ ہزار روپے معراج صاحب نے دینے کا وعدہ کیا ہے تین ہزار بڑی بی بی دینے کو کہہ رہی ہیں، تین ہزار ہی وجاہت صاحب دینے کا کہہ رہے ہیں اور ماریہ بی بی نے دو ہزار کی آفر کی ہے۔''

''پھر...... پھر تم کیا کرو گے؟'' علیھا نے بے چینی سے پوچھا، اسے اپنی اور شینخو کی سچوئیشن سیم لگ رہی تھی۔

''کرنا کیا ہے بی بی جی، سب سے پیسے لے کر ایک آزاد امیدوار کو ووٹ دے دونگا۔'' شینخو نے مسکراتے ہوئے کہا تو علیھا اس کی چالاکی پر حیران رہ گئی۔

''تم...... تم سب کے ساتھ فراڈ کرو گے؟'' علیھا نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''بی بی جی فراڈ تو تب ہوتا نا جب میں ایک سے پیسے لے کر دوسرے کو ووٹ دیتا یہ تو قل ایمانداری ہے کیونکہ سب ہی مجھے پیسے دیں گے۔''

''پھر بھی شینخو یہ فراڈ ہے بے ایمانی ہے۔'' علیھا نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

''آج تک ہمارے سیاستدان نے بھی تو ہمارے ساتھ فراڈ ہی کیا ہے نا، 65 سال بہت ہوتے ہیں کسی ملک کی تقدیر بدلنے کے لئے، چائنہ ہمارے بعد آزاد ہوا تھا مگر آج کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے اور ہم...... ہم وہیں کے وہیں کھڑے ہیں بلکہ اس سے بھی پیچھے چلے گئے ہیں شاید، بیروزگاری، رشوت، مہنگائی، دہشت گردی، ان سب نے ہماری کمر توڑ دی ہے، پچھلے 65 سالوں سے بس چہرے اور نام ہی مختلف تھے باقی ان سب نے ہمارے ساتھ سلوک تو ایک سا ہی کیا ہے، سب نے اپنے اپنے انداز سے ہمیں لوٹا ہے۔'' علیھا حیرت سے گنگ تھی وہ اتنا سنجیدہ تو کبھی نہیں ہوا تھا۔

''آپ کو بتاؤں چھوٹی بی بی، ہم چار بھائی تھے، میرا باپ ہمارے بچپن میں ہی مر گیا تھا میں نے بہت محنت سے اپنے چھوٹے بھائیوں کو پڑھایا، سولہ جماعتیں پڑھنے کے باوجود میرے بھائی کو نوکری نہیں ملی وہ اسٹیشن کے پاس پھلوں کی ریڑھی لگاتا ہے اس نے غصے میں آکر اپنی ڈگری کو آگ لگا دی۔'' علیھا حق دق سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہمیں ان 65 سالوں میں کیا ملا ہے بی بی جی؟'' وہ سوالیہ نظروں سے علیھا کو دیکھ رہا تھا۔

''میرا تیسرے نمبر والا بھائی بم دھماکے میں مارا گیا اور سب سے چھوٹا بی اے کرنے کے بعد شہر کی سڑکیں ناپتا ہے نوکری نہیں ملتی اس کو، ہمیں کیا ملا ان 65 سالوں میں؟''

''کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے اس عظیم انسان

کی قبر پر جاؤں اور اس سے سوال کروں کہ کس لئے الگ وطن بنایا تھا؟ کس لئے ہمیں اتنے حسین خواب دکھائے تھے؟ مگر شاید اس کا بھی کوئی قصور نہیں ہے اسے زندگی نے موقع ہی نہیں دیا اگر آج وہ ہوتا نا تو ان نکمے لیڈروں کو ڈنڈے مار کر ملک سے نکال دیتا ان کی حفاظت کے لئے تو ہزاروں کی نفری استعمال ہو رہی ہے اور ہم...... ہم سڑکوں پر مر رہے ہیں، ہمارے خون کا حساب کون دے گا؟'' شیخو کی آنکھوں میں آنسو تھے، علیھا افسردہ سی اسے دیکھ رہی تھی اس نے کبھی کسی کو اپنے دکھ نہیں بتائے تھے وہ ہمیشہ ہی ہنستا مسکراتا رہتا تھا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اسے کوئی غم نہیں ہے۔

''مگر پھر بھی بی بی جی میں پر امید ہوں کہ نظام ضرور بدلے گا، جب زیادہ اندھیرا ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ صبح ہونے والی ہے ہم نہیں تو ہماری آنے والی نسلیں ضرور اچھے دن دیکھیں گی۔'' شیخو نے کندھے پر رکھے رومال سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا، علیھا کے ذہن میں فوراً سوال اٹھا۔

''تم کتنا پڑھے ہوئے ہو؟''

''میں پڑھا نہیں کڑھا ہوا ہوں بی بی جی۔'' شیخو نے اپنی ٹون میں واپس آتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟'' علیھا کچھ نہ سمجھی۔

''مطلب یہ چھوٹی بی بی کہ میں وقت اور حالات کی چکی میں اتنا پس چکا ہوں، اتنا تجربہ حاصل کر چکا ہوں کہ اگر آج میرے پاس جعلی ڈاگری بنوانے کے پیسے ہوتے تو میں وزیر اعظم ہوتا۔'' شیخو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

علیھا بھی اس کی بات پر مسکرائی، مگر اندر اس کا دل رو رہا تھا، اپنے نظام پر اپنے ملک کی حالت اور ماما اپنے قائد کی تعریفوں میں رطب اللسان تھے، چچا اور شایان اپنے لیڈر کے قصیدے پڑھ رہے تھے۔

''کچھ بھی کر تو جیتیں گے ہم ہی۔'' پاپا اور اعیان اٹل انداز میں کہہ رہے تھے، چچی کی آواز ان سب آوازوں میں دب رہی تھی مگر وہ چلا چلا کر اپنے لیڈر کے حق میں بول رہی تھی۔

علیھا نے ایک نظر ان سب کو دیکھا اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

''خدا کرے کہ ہم ہی جیتیں کوئی ایسا شخص آئے جو میرے ملک کو سنوار دے، جسے احساس ہو کہ یہ ملک ہم نے بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے جسے احساس ہو کہ اس پاک مٹی میں لاکھوں شہیدوں کا لہو ہے۔'' اس کے لبوں پر دعا تھی۔

خدا کرے کہ میری ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے کھلا رہے صدیوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو
خدا کرے کہ نہ خم ہو سر وقار وطن
اور اس کے حسن کو تشویش ماہ و سال نہ ہو
ہر اک فرد ہو تہذیب و فن کا اوج کمال
کو ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو
خدا کرے کہ میرے اک بھی ہم وطن کے لئے
حیات جرم نہ ہو زندگی وبال نہ ہو
(آمین)

یہی تو اپنا دیس

عشاء بھٹی

"اُف یہ لوڈشیڈنگ۔" ابھی اس نے استری اسٹینڈ پر رکھی ہی تھی کہ عین وقت پر بجلی دغا دے گئی۔

"سکینہ بوا! آپ سے کہا بھی تھا کہ پاپا کا سوٹ جلدی پریس کرنا ہے، مگر آپ کچن میں لگی رہی، جنریٹر بھی خراب پڑا ہے کیا کریں؟" وہ پاس کھڑی سکینہ بوا سے مخاطب ہو کر بولی۔

"وانیہ بی بی میری آنکھ دیر سے کھلی تھی آج تو میں نے سوچا پہلے ناشتہ تیار کر لوں صاحب لوگوں کے لئے۔" سکینہ بوا نے رسانیت سے جواب دیا۔

"اب کیا ہوگا؟" وہ فکر مندی سے گویا ہوئی۔

"مجھے لگتا ہے کہ ہم لوگ ختم ہو جائیں گے مگر لوڈشیڈنگ کبھی ختم نہیں ہوگی، حکمران بدلتے رہتے ہیں، مگر مسائل جوں کے توں ہیں، کیا ہوگا اس ملک کا؟" اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"اچھا خیر! آپ چلیں ناشتہ لگائیں۔" وہ کہتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

کئی دنوں کی بوکھلا دینے والی گرمی کے بعد رات کے پچھلے پہر موسلا دھار بارش نے اپنا رنگ جمایا، صبح ہر شے نکھری نکھری تھی، مٹی کی بھینی بھینی خوشبو ہر سو پھیلی ہوئی تھی، آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا، ہر سو ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی رت مستانی ماحول پر عجب ساحر طاری کیے ہوئی تھی۔

وہ دادی کے تخت پر دادی کی گود میں سر رکھے آنکھیں موندیں لیٹا ہوا تھا دادی اس کے بالوں میں دھیرے دھیرے انگلیاں پھیر رہی تھی اور ساتھ ساتھ سمجھا بھی رہی تھی۔

"مت تنگ کیا کرو گھر والوں کو سب پیار کرتے ہیں تم سے۔"

"اچھا!" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔

"ارحم! کیوں کرتے ہو ایسا؟" وہ دکھ سے بولیں۔

"کیسا؟" اس نے آنکھیں بند کیے ہی پوچھا، چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے آنکھیں کھول کر دادی کو دیکھا۔

"زیادہ انجان بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" دادی گھور کر بولی، وہ ہنس کر اٹھ بیٹھا۔

"آپ کوئی موقع جانے نہیں دیتی اپنے بیٹے کی سائیڈ لینے کا۔" دادی کا ہاتھ پکڑ کر وہ شرارت سے بولا۔

"بکو مت، مجھے تم دونوں ہی بے حد عزیز ہو، دونوں سے ہی بے پناہ پیار ہے۔" دادی اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔

"خیر اب سیاسی بیان تو نہ دیں۔" وہ آنکھیں پٹپٹا کر بولا۔

"کب سدھرو گے؟" دادی جھنجھلا کر بولی۔

"اوفوہ آپ ٹینشن کیوں لیتی ہیں۔" اس نے دادی کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا، دادی اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"صبح تمہارے ماموں کا فون آیا تھا۔" دادی نے بات بدلنے کہا، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس موضوع پر وہ کبھی اس کی رائے نہ بدل سکیں گیں۔

"کیوں خیریت تھی؟ جو ماموں نے فون کیا؟" وہ کچھ حیرت سے بولا۔

"ہاں، بس تمہارا پوچھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے بہت دنوں سے ان کی طرف گئے نہیں ہو شاید۔"

"دادی! امی پوچھ رہی ہیں، کھانا ادھر کھائیں گی یا ڈائننگ ٹیبل پر سب کے ساتھ؟"

وانیہ دھڑا دھڑ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتے ہی ایک سانس میں جملہ بول کر واپس جانے کو مڑی۔

اسے پتہ تھا وہ مزید کچھ دیر یہاں رکی تو جو تکرار دادی اور اس کے درمیان ہو رہی تھی وہ بھی اس میں لپیٹ لی جائے گی اور جواباً ظاہر ہے ادھار اس نے بھی نہیں رکھنا، لہٰذا خوامخواہ جھگڑے سے بہتر ایسے حالات پیدا نہ ہونے دیے جائیں۔

"نہ میں پوچھتی ہوں تیری ترین چھوٹی جا رہی ہے۔" دادی نے گھرک کر پوچھا، جب کہ دادی کی بات پر ارحم کی ہنسی چھوٹ گئی، اس نے گھور کر ارحم کو دیکھا، اس سے پہلے کہ نئی بحث چھڑتی دادی نے اسے وہاں سے بھگانا مناسب سمجھا۔

"تم چلو ہم آتے ہیں۔" اس نے جی اچھا کہہ کر واپسی کی راہ لی۔

خلاف توقع کھانے کی میز پر نہ تو وہ کسی سے الجھا اور نہ ہی بدتمیزی کی، بلکہ سب سے پہلے کھانے سے فارغ بھی وہی ہوا تھا۔

"اللہ تیرا شکر۔" وانیہ نے دل میں سکون کی سانس لی۔

"دادی میں ذرا ماموں کی طرف جا رہا ہوں۔" بغیر کسی کی طرف دیکھے وہ دادی سے مخاطب ہوا۔

"لیکن بیٹا اس تپتی دوپہر میں کیا ضرورت ہے جانے کی رات کو چلے جانا۔" ثمینہ بیگم سے رہا نہ گیا تو بول پڑیں، اگرچہ یہ ہمدردی ساس کو دکھانے کے لئے ہی تھی۔

"میرے لئے کسی کو پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔" وہ تضحیک آمیز انداز میں ہنس کر بولا اور سرعت سے باہر نکل گیا۔

"امی آپ کو کیا پڑی ہے اس بدتمیز کے منہ لگنے کی خوامخواہ بے عزتی کرواتی ہیں۔" وانیہ مارے غصے کے کھول رہی تھی جبکہ ثمینہ بیگم بغیر کچھ کہے برتن سمیٹنے لگی، ان کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

ارحم بچپن ہی سے ماں باپ کے سائے سے محروم ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے دادی کو شاید اسی لئے لمبی عمر سے نوازا تھا کہ پوتے کا کوئی پرسان حال نہ تھا، اس گھر میں نواز صاحب اس کے چچا ان دنوں ملک سے باہر تھے، جب کہ پاکستان لوٹے تو ہمراہ ثمینہ بیگم اور چھوٹی وانیہ بھی ساتھ تھیں، جب نواز صاحب پاکستان آئے تو ارحم اب چھوٹا بچہ بھی نہ تھا پندرہ سالہ ارحم وقت سے پہلے سمجھدار ہو گیا تھا، دوسرا دادی کی بے پناہ محبت نے اسے اعتماد کی دولت سے مالا مال کیا ہوا تھا۔

لیکن نواز چچا کے آتے ہی سب سے ناگوار تاثر جو پڑا وہ یہ تھا کہ دادی کی توجہ اس کی جانب سے قدرے بٹ گئی تھی، برسوں بعد آنے والے بیٹے کی محبت نے ایسا جوش مارا کہ وہ ہر لمحہ اب بیٹے کی محبت میں ڈوبی نظر آتیں وہ اپنے بڑے بیٹے فیاض کی وفات کو کہاں بھول پائی تھیں، وہ تو ارحم کا دم تھا کہ انہیں جینے کا حوصلہ ملا اور اس ننھی سی جان کو سینے سے لگا کر اپنے اندر جینے کی ہمت پیدا کی، ورنہ فیاض کی حادثاتی موت اور پھر جوان بہو کے چل بسنے کا منظر وہ کبھی بھی تو بھول نہ پائی تھیں۔

نواز برسوں بعد وطن لوٹے تھے اور انہوں نے لندن میں ہی پاکستانی فیملی کی لڑکی سے شادی کر لی تھی، اب جبکہ ایک دس سالہ بچی لئے وہ وطن لوٹے تو دادی بچھی بچھی جا رہی تھی۔

ارحم یہ سب بھی گوارا کر لیتا کہ بہر حال وہ اس کے باپ کے بھائی تھے، لیکن ثمینہ چچی کا

رویہ اسے کچھ عجیب سا لگا اور انسان اپنے رویوں سے پہچانا جاتا ہے، نواز چچا بھی تو اسے پیار سے نہ ملے تھے، جس کا احساس اسے دادی نے دلایا تھا کہ وہ بالکل تمہارے بابا جیسے ہیں۔

ثمینہ چچی کی دور پار کی ایک کزن جو اسی شہر میں رہتی تھی ان کی آمد و رفت بڑھتی ہی چلی گئی اور ساتھ میں دادی کی مصروفیت بڑھتی گئی اور ارحم اکیلا ہوتا چلا گیا، اس کی طبیعت میں چڑچڑا پن، ضد، غصہ جیسے عنصر آپ ہی آپ پیدا ہونے لگے اس پر نواز چچا نے اس کی ذات میں عیب نکالنے شروع کر دیے تھے، وہ بلاوجہ سے اسے روکنے ٹوکنے لگے، پھر آہستہ آہستہ گھر کا سارا نظام خود بخود چچا چچی کے ہاتھ میں چلا گیا پھر تو جیسے روٹین ہی بن گئی، اس کے ہر کام میں عیب نکالنے کی، یہ کیوں کیا، یہ کیوں نہیں کیا، یہ کرو، وہ نہ کرو، وغیرہ وغیرہ وہ بال بن کر رہ گیا۔

ہر وقت کی ڈانٹ پھٹکار نے اسے ضدی بچہ بنا دیا، اسی طرح وہ بچپن پھلانگ کر نوجوانی کی حدود پر آ کھڑا ہوا، اب تک ایک ایک بات کو بھی نہ بھولا تھا اسے سب ازبر تھا۔

☆☆☆

''دادی میری سمجھ میں اب تک نہیں آ رہا کہ کل ندا اور اریبہ کو بس سٹاپ سے گھر کس نے ڈراپ کیا تھا، وہ تو یہی بتا رہی تھی کہ تمہارا کوئی کزن ہے، نام پوچھا تو مسکرا دیا اور یہ کہ بہت سمارٹ اور ہینڈسم ہے۔'' وہ دادی کے بالوں میں تیل لگاتے ہوئے دادی سے باتیں بھی کرتی جاتی تھی اور معلومات فراہم کرتی جا رہی تھی۔

''ہو سکتا ہے کہ ارحم ہو۔'' دادی نے چشمہ درست کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ہیں نہیں، انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ میرا وہ کزن بڑا خوش مزاج ہے۔'' طنزیہ انداز میں کی گئی یہ ''ہیں'' ارحم کے دل کے پار ہو گئی مگر وہ خود پر قابو پاتا ہوا وہ مسکرا کر خوب بشاش لہجے میں وہ دادی کے قریب بیٹھ کر بولا۔

''ہو سکتا ہے دادی وہ شرافت ہو، ان کی والدہ محترمہ کی کزن کا بیٹا ان کا خالہ زاد جو دیکھتا اس کی طرف ہے اور لگتا ہے مجھے دیکھ رہا ہے۔''

''ارحم!'' وہ مارے غصے کے چیخی۔

''بولو، انارکلی کیا فریاد ہے۔'' وہ دونوں ٹانگیں پسار کر تقریباً لیٹتا ہوا بولا۔

''تم کبھی انسان نہیں بن سکتے لکھوا لو مجھ سے۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

''جی ہاں، انارکلی یہ شرف تو آپ کے والدین اور آپ کو حاصل ہے، کیوں دادی؟'' وہ خوامخواہ بیچ میں دادی کو گھسیٹنے لگا۔

''کیوں لڑتے ہو ہر وقت کبھی پیار محبت سے بات کر لیا کرو۔'' دادی جھنجھلا کر بولی، اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ ناکام رہی تھی، ان دونوں میں اتفاق پیدا کرنے میں۔

''واہ، دادی آپ بھی کیا چٹکلے سنا رہی ہیں۔'' تیل کی شیشی کا ڈھکن بند کرتی وانیہ دانستہ رکھائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

''قیامت کے آثار ہیں دادی بزرگوں کی نصیحتوں کو چٹکلوں کا نام دیا جا رہا ہے۔'' اس نے دونوں طرف آگ لگانی چاہی۔

''تم اپنی کہو، جب امی، دادی اور میرے پاپا کے ساتھ بحث کرتے ہو، بدتمیزی کرتے ہو جاہلوں کی طرح۔'' وہ دانت کچکچا کر بولی۔

''تم تینوں میرے حقوق غضب کرتے ہو میرے حصے پر سانپ بن کر بیٹھ گئے ہو۔'' اس نے تنفر زدہ لہجے میں پھنکار کر کہا۔

''اس گھر میں حصہ دار ہونے کا اتنا زعم ہے، ابھی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں تمہاری اوقات میں رکھا ہے اور ایک معمولی فرم میں ملازم ہو۔'' وہ دانستہ رکھائی سے بولی۔

''ہیلو محترمہ! صرف اس گھر کا نہیں بلکہ دادا کی پوری جائیداد کا حصہ دار ان کے بینک بیلنس کا بھی ایک ایک پائی کا حساب لوں گا سمجھیں۔'' وہ مشتعل ہو گیا تھا، ایسے میں دادی نے ہمیشہ کی طرح بیچ بچاؤ کروانا چاہا، لیکن بات بڑھتی جا رہی تھی، اتنے میں ثمینہ بیگم بھی آ گئیں، پہلے پہل تو انہوں نے بھی دونوں کو چپ کروانا چاہا لیکن ارحم کی مسلسل زیادتی پر زیادہ دیر خاموش نہ رہ سکی، لیکن ارحم پھر بھی کافی تھا ان دونوں کو زچ کرنے کے لئے، دادی علیحدہ فکر سے ہول رہی تھیں، اگر ایسے میں نواز آ گیا تو معاملہ مزید خراب ہو جائے گا۔

شام کو چچی نے خوب مصالحہ لگا کر نواز صاحب کو دو کی چار بنا کر بتائیں وہ تو ان سے بھی زیادہ بپھرے اور اپنی والدہ کے پاس جا پہنچے جنہوں نے بڑی مشکل اور حیلوں بہانوں سے ارحم کو اس کے ماموں کے گھر بھجوایا تھا، نواز صاحب خوب لعنت ملامت کر چکنے کے بعد اپنے کمرے میں واپس چلے گے۔

دوسری طرف ارحم تھا تو وہ چچا کی زیادتیوں سے مزید بکھر کر رہ گیا، لمبے جبھی جو چچی نا جانے کسی مصلحت کی بنا پر شفقت برتتی بھی تھیں، تو وہ مزید آگ بگولہ ہو جاتا وہ جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کر دیتا کہ وہ تنگ آ کر پہلے جیسی بن جاتی، رات کو جب ارحم جب واپس گھر آیا تو گھر کا ماحول خاصا بدلا ہوا تھا پورا گھر سناٹے کی لپیٹ میں تھا۔

''خیریت تو ہے دادی؟'' حسب عادت وہ دادی کے پاس چلا آیا۔

''ہاں خیریت ہی ہے۔'' دادی نے اسے پریشان کرنے سے بہتر سمجھا کہ اسے کچھ نہ بتائیں، لیکن وہ بچہ نہ تھا آتے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ غیر معمولی خاموشی بتا رہی ہے کہ طوفان آ کر گزر گیا ہے۔

☆☆☆

اگلے روز آفس سے واپسی پر دادی کو بے حد خوش دیکھ کر وہ حیران سا ہو گیا، اس کے پوچھنے سے پہلے دادی نے اسے بتایا کہ دادا جان کی بھتیجی اپنے بچوں سمیت نیوزی لینڈ سے پاکستان آئی ہوئی تھی اور وہ کچھ روز ان کے پاس آ کر ٹھہریں گئیں ور آج ہی وہ لوگ یہاں پہنچ رہے ہیں، دادی تصور کی آنکھ سے ان لوگوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

''دادی! میں نے اوپر والے پورشن کے دونوں کمرے صاف کروا دیے ہیں۔'' کپڑوں سے گرد جھاڑتی وانیہ سیڑھیاں اترتے ہوئے بولی۔

''جیتی رہو میری بچی۔'' دادی مزید خوش ہو گئی، تو ارحم نے برا سا منہ بنا کر اسے دیکھا۔

آخر کار سسپنس اور تجسس اپنے اختتام کو پہنچا، فاطمہ آنٹی اپنے دو عدد بچوں کے ساتھ آن پہنچیں، بڑی بیٹی فوزیہ اور اس سے چھوٹی اقراء جو وانیہ کی ہم عمر تھیں، تھوڑی سی دیر میں وہ سب یوں گھل مل گئے تھے، گویا برسوں کی شناسائی ہو دادی مارے خوشی کے کھلی جا رہی تھیں، وانیہ بھی خوش تھی کہ چلو کمپنی مل جائے گی چاہے تھوڑے ہی دنوں کے لئے ہی سہی، بلکہ کچھ دن تو وانیہ نے کالج سے چھٹی کرنے کا بھی سوچ لیا تھا ان لوگوں کی آمد کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا گھر میں آئے دن جو کشیدگی رہتی تھی وہ ختم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''آج کہیں گھومنے نہ چلیں؟'' وانیہ نے

ان کے آنے کے اگلے چند دن بعد پیش کش کی۔
''ہاں واقعی موسم تو اچھا ہے۔'' فوزیہ بھی گھومنے کی شوقین تھیں لہٰذا بڑی جلدی راضی ہو گئی۔
''کوئی ضرورت نہیں، آندھی کے آثار ہیں۔'' ارحم کو کسی کی خوشی گوارا نہ تھی، خصوصاً وانیہ کے چہرے سے ٹپکتی خوشی جوان لوگوں کی آمد سے بڑھ گئی تھی، اسے وہ پہلی ہی فرصت میں نوچ لینا چاہتا تھا۔
''ارے واہ ارحم بھائی! آپ تو ڈرپوک نکلے، آسمان پر کالی گھٹا اور بادلوں سے گھبرا گئے۔'' فوزیہ آسمان پر اکا دکا بادلوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔
''محترمہ یہ پاکستان ہے یہاں کے موسموں کے رنگ کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔'' وہ وضاحت سے بولا۔
''یہاں بارشوں کے بعد گھٹنے گھٹنے پانی کھڑا ہو جاتا ہے، سڑکوں اور گلیوں میں بے پناہ کیچڑ چوبیس گھنٹوں کی لوڈشیڈنگ کیا خاک مزہ آئے گا۔''
''واقعی۔'' فوزیہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں ارحم اور وانیہ کو دیکھا۔
''لیجیے گھومنے کی بات تو وہی کی وہی رہ گئی۔'' اقراء خاصی بور ہو رہی تھی۔
''چلو بھئی کیا یاد کرو گے کسی سخی سے پالا پڑا تھا میں گاڑی نکالتا ہوں تم لوگ تیار ہو جاؤ۔'' ارحم خود بخود راضی ہو گیا۔
''پہلے چائے پی لیں، چائے تیار ہے۔'' وانیہ کو نا چاہتے ہوئے بھی ارحم کو مخاطب کرنا پڑا۔
''کس نے بنائی ہے؟'' خلاف توقع ارحم نے رسانیت سے پوچھا۔
''میں نے۔'' وانیہ اس کی نرمی پر قدرے حیران ہو کر بولی۔
''تو پھر میرا خیال ہے چلتے ہیں، محترمہ کی بنائی چائے سے بہتر ہے رستے میں کسی ٹھیلے والے سے گرم چنے کھا لیں گے۔'' ارحم خاصی سنجیدگی سے بولا لیکن وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔
''آپ مذاق بہت کرتے ہیں ارحم بھائی ورنہ وانیہ تو اتنی اچھی چائے بناتی ہے۔'' فوزیہ ہنس کر بولی۔
''تم کہتی ہو تو یقین کر لیتا ہوں، مہمان کی خاطر کبھی کبھی برے کو اچھا کہنا پڑتا ہے۔'' چائے پی کر لڑکیاں تیار ہونے چل دیں۔
فوزیہ، وانیہ، اقراء بیس منٹ بعد ہی برآمدے میں موجود تھیں۔
''آپ لوگ تو ایسے تیار ہو گئی جیسے مقابلہ حسن میں جانا ہو۔'' ارحم نے مسکرا کر کہا اور آگے بڑھ گیا اور ہاں چلتے چلتے وہ پیچھے مڑ کر بولا۔
''واپسی پر ہم لوگ ماموں کی طرف، یعنی میرے ماموں کی طرف جائیں گے کسی کو اعتراض ہو تو یہی رک جائے۔''
وانیہ سمجھ گئی کہ خاص اسی کو جتانے کے لئے ایسا کہہ رہا ہے۔
''وہ ایسا ہے کہ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تم لوگ چلے جاؤ۔'' وانیہ نے جلدی سے بہانہ گھڑا، ویسے بھی اس کی نک چڑھی ماموں زاد بہنوں کے ہاں بالکل نہیں جانا چاہتی تھی۔
''ہیں یہ اچانک خرابی کہاں سے نمودار ہو گئی۔'' فوزیہ حیران ہو کر بولی۔
''پلیز لیڈیز انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔'' ارحم نے پھر خل دیا۔
مزید تماشہ بنوانے سے بہتر ہے کہ وہ واپس کمرے میں چلی جائے، کمرے میں آتے ہی وہ بلک بلک کر رو پڑی۔

رو رو کر تھک گئی تو دادی کے کمرے میں آ بیٹھی دادی نماز سے فارغ ہو کر اس کے پاس آ بیٹھی وانیہ کا ستا چہرہ اور سوجی آنکھوں کو دیکھ کر دل دہل سا گیا۔
''کیا ہوا میری بچی! ارحم نے کچھ کہا ہے کیا؟'' اس نے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔
''دادی! ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہم کوئی غلطی نہ کریں پھر بھی ہمیں سزا ملے بلاوجہ کی اذیت دینے والے کیا خود مطمئن رہتے ہیں۔'' وہ ایک ساتھ کئی سوال دادی سے کر رہی تھی، ویسے بھی بہت دنوں بعد موقع ملا تھا اسے دادی کے ساتھ اکیلے بیٹھنے کا ورنہ جب وہ کالج سے آتی تو ارحم آفس سے آ چکا ہوتا اور آتے ہی دادی پر قبضہ جما لیتا وہ دادی پر یوں اپنی ملکیت جتاتا کہ گویا کوئی اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا تو وہ اسے زندہ زمین میں گاڑ دے گا۔
''ناں میری گڑیا! روتے نہیں، وہ بن ماں باپ کا بچہ ہے اور ذرا اکھڑ دماغ کا ہے، تو ہی چپ ہو جایا کر آخر کو تیرا سگا تایازاد ہے۔'' دادی اسے پیار سے سمجھانے لگی۔
''اور جو آج اس نے سب کے سامنے میری عزت دو کوڑی کی کر کے رکھ دی۔'' وہ بولتے بولتے اس کا گلا رندھ سا گیا تھا، آنسو خود بخود اس کی آنکھوں سے امڈ کے چلے آئے۔
''میں اسے سمجھاؤں گی۔'' دادی پیار سے اس کے آنسو پونچھتی ہوئی بولیں۔
''کوئی ضرورت نہیں سمجھانے کی اور بھلا وہ سمجھنے والا ہے۔'' وانیہ افسردہ سی ہو کر بولی۔
''یہ سمجھ بوجھ کی صلاحیت ظاہر ہے صرف تم میں ہے اور باقی سب تو اس نعمت سے یکسر محروم ہے ناں؟'' ارحم جو بارش کی وجہ سے سب کو لے کر جلدی گھر آ گیا تھا اب نا جانے کب سے کمرے میں داخل ہو کر ان کی گفتگو سن رہا تھا، وانیہ کے تو ہوش اڑ گئے۔
''وانیہ کی بچی! یہ تم کس خوشی میں دادی سے میری شکایتیں لگا رہی تھیں۔'' وہ دندناتا ہوا اس کے قریب آیا۔
وانیہ نے مہمانوں کے خوف سے فوراً کمرے سے نکلنے کا سوچا ورنہ ابھی اچھا خاصا ڈرامہ شروع ہو جاتا تھا، یہی سوچ کر وہ سرپٹ بھاگی، ارحم اور دادی مسکرا کر رہ گئے۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ نا چاہتے ہوئے بھی کالج کے لئے تیار ہو گئی، ڈائننگ ٹیبل پر حیران کن منظر اس کا منتظر تھا، ارحم خوب ہشاش بشاش موڈ میں فاطمہ آنٹی اور دادی کے درمیان میں بیٹھا ہنس رہا تھا، غالباً فاطمہ آنٹی اپنی بیٹیوں کے بارے میں کچھ بتا رہی تھیں، جس پر وہ ہنس رہا تھا، کتنا عجیب لگ رہا تھا ہنستے ہوئے وہ لوگ تو عادی تھے اس کے غصے سے بھرے چہرے کو دیکھنے کے جس پر فکر وطنز کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا، بلکہ ایک حد تک وانیہ کو اس کا یوں خوش ہونا اچھا لگا وہ اس کا احترام کرنا چاہتی تھی ایک چچازاد کی حیثیت سے وہ اس کو عزیز تھا۔
''کیا سوچ رہی ہو وانیہ؟'' فوزیہ اسے یوں ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے پا کر بولی۔
''ہوں کچھ نہیں ناشتہ کر چکے تم لوگ؟'' وہ فوزیہ کے پاس کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔
''نہیں بس شروع کیا ہے ابھی۔''
''تم کالج جا رہی ہو؟'' اس کے یونیفارم پر نظر دوڑاتے ہوئے فوزیہ بولی۔
''ہاں ارادہ تو کچھ ایسا ہی ہے۔'' وہ مسکرائی اور اپنے لئے چائے بنانے لگی۔
''تو آج کا کیا پروگرام ہے؟'' ارحم نے گویا

اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہا۔

''ارحم بھائی! وانیہ تو کالج جا رہی ہے ایسا کرتے ہیں اس کے کالج سے واپسی کے بعد کہیں چلیں گے۔'' نوزیہ نے تجویز پیش کی۔

''ارے نہیں نوزیہ! تم لوگ گھوم آؤ کہیں۔'' وہ قدرے ہچکچائی کہ اس کی وجہ سے ان کا پروگرام خراب ہو جائے۔

''ہاں بھئی، ٹھیک کہہ رہی ہیں یہ۔'' ارحم نے اپنی قیمتی رائے دینا ضروری سمجھا، جب وہ وین کی آواز سن کر خاموشی سے اٹھ کر چل دی۔

وانیہ کالج سے لوٹی تو خلاف توقع سب گھر پر ہی ملے۔

''دادی کہاں ہیں؟'' وانیہ نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔

''وہ اپنے کمرے میں ہیں، ممی اور آنٹی کے ساتھ۔'' نوزیہ نے میگزین میز پر سے اٹھاتے ہوئے بتایا، اس نے محسوس کیا کہ اس کی آمد پر حسب سابق ارحم کے ماتھے پر بل نہیں پڑے، وہ اسی بشاش موڈ کے ساتھ وہیں لیٹنے کے انداز میں بیٹھا رہا وہ یونیفارم بدلنے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆

مہمان جا چکے تھے، وہی گھر تھا اور وہی گھر کے مکین، وہ آفس سے آیا تو دادی کو کسی سوچ میں غرق پایا۔

''آپ کس سوچ میں پڑ گئیں دادی؟''

''کچھ نہیں تمہارے چچا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔'' وہ کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''تم ذرا پوچھ آنا، آپ نے پوچھ لیا یہ کیا کافی نہیں۔'' اس نے رکھائی سے جواب دیا، کہہ کر وہ باہر نکلنے لگا۔

''لیکن پھر بھی بیٹا، وہ تمہارے باپ کی جگہ ہے اور بیماری میں تو انسان کا دل اور بھی نرم ہو جاتا ہے تم جاؤ گے تو وہ معمولی سی غلط فہمیاں جو تم لوگوں کے درمیان ہیں آپ ہی آپ ختم ہو جائیں گی۔''

''معمولی غلط فہمیاں، چہ خوب دادی آپ بھی لفظوں کا کیا خوب استعمال کرتی ہیں۔'' وہ خاصا مشتعل ہو کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''آہا، شرافت صاحب آئے ہیں۔''

ارحم! وانیہ کے ننھیال سے کسی اور کی آمد پر کبھی خوش نہ ہوتا لیکن شرافت، وانیہ کا خالہ زاد واحد وہ شخص تھا جس کے ساتھ ارحم ہنس بول لیا کرتا تھا۔

ابھی بھی بھوک نے ستایا تو وہ کھانے کی غرض سے نیچے چلا آیا کہ سکینہ بوا سے چائے کے ساتھ کچھ بنوا کر کھا لے گا، لیکن شرافت کو دیکھ کر اس کی رگ ظرافت پھڑکی، وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''آپ کب آئے؟'' وہ اس سے مصافحہ کر کے وہیں بیٹھ گیا۔

''ابھی آیا ہوں یہ خالہ جان اور وانیہ نظر نہیں آ رہیں۔'' شرافت اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

''چچی کا تو پتہ نہیں البتہ وانیہ کچھ دیر پہلے تو یہی موجود تھی غالباً یہاں بیٹھ کر پڑھ رہی تھی۔'' ارحم نے صاف جھوٹ بولا۔

''اچھا! لیکن سکینہ بوا نے تو بتایا کہ وہ سو رہی ہیں۔'' شرافت کچھ حیران سا تھا۔

''اچھا ہو سکتا ہے۔'' ارحم نے اچھا کو کافی لمبا کیا اور باقی کے جملے میں خاصا شک ظاہر کیا۔

''اور خالہ جان کدھر ہیں؟'' شرافت قدرے ناگواری سے بولا۔

''ان کا مجھے پتہ نہیں۔'' وہ کندھے اچکا کر

رہ گیا۔

''ویسے وانیہ اکثر آپ کی تعریفیں کرتی رہتی ہے اس دن بھی دادی اور مجھ سے کہہ رہی تھی۔''

شرافت اپنے نام کی طرح شرافت کے زم زمے میں ہیں، بس ذرا ان کی آنکھیں، ارحم جملہ پورا کیے بغیر مسکین سی صورت بنا کر اسے دیکھنے لگا جو ابتدائی جملے پر تو چمک اٹھا تھا لیکن باقی کے ادھورے جملے نے اس کے چہرے کے تاثرات یک لخت تبدیل کر ڈالے۔

''خیر اتنا فرینک ہونے کی ضرورت نہیں مسٹر ارحم!''

''ارے آپ نے تو خوامخواہ مائنڈ کیا، یہ میرا بیان نہیں آپ کی خالہ زاد کہہ رہی تھی مجھ پر یقین نہیں تو دادی گواہ ہیں، ویسے بائی دا وے آپ آج کل کیا کر رہے ہیں، آپ کا بی اے ہو گیا یا پھر......؟'' ارحم نے شرافت کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا جو پچھلے دو سالوں میں بی اے میں کامیاب ہونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

''میرا خیال ہے اب میں چلتا ہوں آپ خالہ جان کو بتا دیجئے گا۔'' وہ بنا ارحم کے سوال کا جواب دیے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس کے جاتے ہی ارحم کا زوردار قہقہہ ابل پڑا۔

اگلے دن شاور لینے کے بعد وہ واش روم سے تولیے سے سر رگڑتا ہوا نکلا ہی تھا کہ دھڑام سے اس کے کمرے کا دروازہ کھلا، وانیہ آندھی طوفان کی طرح اس کے سر ہوئی۔

''یہ تم شرافت بھائی کو کیا کہتے رہے ہو؟''

وہ غصے سے آگ بگولہ ہو رہی تھی۔

''کون شرافت بھائی!...... او اچھا...... اچھا جس کی آنکھیں......''

''شٹ اپ، شرم نہیں آتی تمہیں۔''

''آتی ہے کبھی کبھی سلام کر کے چلی جاتی ہے۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''تم انتہائی گھٹیا ذلیل کمینے انسان ہو۔''

''تعریف کا شکریہ بس کبھی غرور نہیں کیا۔''

بہت لاپرواہی سے بولتا ارحم، وانیہ کے تن بدن میں آگ لگا گیا۔

''تم کبھی انسان نہیں بن سکتے کیونکہ تمہارے اندر ایک شیطان رہتا ہے۔'' وہ دھاڑی۔

''ہاں ظاہر ہے، چڑیلوں میں ایک شیطان کا ہونا ضروری تھا۔'' وہ معنی خیزی سے مسکرا کر بولا۔

''بیٹھ کر بات کر لو تمہارا اپنا کمرہ ہے۔'' ایک گہری نظر کے ساتھ ادا کیا گیا ارحم کا یہ جملہ وانیہ کی برداشت سے باہر تھا، وہ پیر پٹختی باہر نکل گئی۔

☆☆☆

آج گھر کی فضا بدلی بدلی سی تھی یا اسے لگ رہی تھی۔

''سکینہ بوا دادی کہاں ہیں؟''
''نواز صاحب کے کمرے میں۔'' سکینہ بوا نے مصروف انداز میں بتایا، تو وہ چونک گیا۔
''کیوں خیریت تو ہے؟'' یہ الفاظ خود بخود اس کے لبوں سے پھسلے۔
''وہ نواز صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے بیٹا۔'' سکینہ بوا نے بتایا تو وہ وہی صوفے پر بیٹھ گیا، جبکہ دل چاہ بھی رہا تھا کہ وہ اندر ہو آئے۔
''ارے ارحم! تک کب آئے؟ ہاتھ منہ دھو لو میں تمہارے لئے کھانا لگواتی ہوں۔'' دادی باہر آتے ہوئے بولی۔
''چچا کو کیا تکلیف ہے؟'' اس نے چائے پیتے ہوئے دادی سے پوچھا۔
''پرسوں ہلکا سا ہارٹ اٹیک ہوا تھا نواز کو بہت تکلیف دیکھی ہے میرے بیٹے نے اللہ کا شکر ہے، اب جاکر طبیعت سنبھلی ہے۔'' چچا کے ذکر پر ان کی آنکھیں بھر آئی۔
''تو مجھے کسی نے کیوں نہ بتایا؟'' ارحم آہستگی سے بولا۔
''تم کب گھر میں ٹک کر بیٹھتے ہو۔'' دادی خفگی سے بولی، ارحم کو محسوس ہوا دادی اسے جتا رہی ہیں دادی اٹھ کر چچا کے کمرے میں چلی گئی، وہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ دادی نے کہا کیوں نہیں کہ چچا کو پوچھ آؤ، اپنی ان منفی اور مثبت سوچوں سے وہ ایک گھنٹے لڑتا رہا بالآخر اپنی تمام ضد خودسری کو پس پشت ڈال کر چچا کے کمرے میں چلا آیا، داہنی طرف چچی اور وانیہ بیٹھی تھیں پاس ہی چچا کے بستر پر دادی بیٹھیں تھیں، چچا جاگ رہے تھے اور آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔
''آؤ آجاؤ بیٹا۔'' سب سے پہلے ثمینہ چچی کی نظر اس پر پڑی جو حیرانی سے کچھ دیر دیکھتی رہیں پھر اچانک بولیں۔
''آپ کیسے ہیں چچا اب؟'' وہ ان کے قریب ان کے ساتھ بیڈ پر جا بیٹھا، آپ ہی آپ چچا کا ہاتھ اس کے سر پر آن ٹکا۔
''مجھے معاف کر دیجئے چچا پلیز۔'' اس کی آواز اس کے حلق سے گھٹ کر نکلی تھی پتا نہیں یک دم کیا ہوا تھا کہ دل کرلاتے لگا تھا، ویسے بھی چچا کی علالت نے اسے دہلا ڈالا تھا، کمزور سے چچا کہیں سے وہ جوانی والے چچا نہ لگ رہے تھے جہاں نفرت کی جگہ پشیمانی اور محبت نے لے لی تھی، وہ ان کا ہاتھ تھامے سسک رہا تھا۔
''میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ ہمارے ساتھ رہو۔'' چچا نے امید بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔
''میں تمہاری ساری محرومیوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں تو میرے بھائی کی نشانی ہے، سب کچھ تمہارا ہے یار میں نے قبر میں لے کر تھوڑی جانا ہے۔'' چچا اتنی لجاجت اور بے بسی سے کہہ رہے تھے وہ لرز کر رہے گیا۔
''پلیز چچا کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پر سلامت رکھے۔'' وہ رسانیت سے بولا، نواز صاحب طمانیت سے مسکرا دیئے۔
ارحم کے انداز و اطوار دیکھ کر وانیہ متحیر اور شاکڈ رہ گئی، ارحم چچا کے پاؤں دبا رہا تھا دادی تو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھی ان کی دونوں کو ساتھ دیکھنے کی دیرینہ خواہش جو پوری ہوئی تھی، چچی نے اٹھ کر ارحم کے ماتھے پر بوسہ دیا، ارحم نے کن اکھیوں سے وانیہ کی طرف دیکھا، جو نا جانے کب یک ٹک اسے ہی دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی واقعی یہی تو اپنا پن ہے۔

☆☆☆

اللہ اللہ یہ نوک قلم کہاں آ گیا کہ لرزہ طاری ہے یہ کس نام پہ نوک قلم تھرا رہا ہے یہ میری اوقات کہاں کہ میں کچھ لکھنے کی کچھ کہنے کی جسارت کروں مگر۔
میں فقط خاک ہوں مگر نام محمدؐ سے ہے نسبت میری یہی اک رشتہ ہے جو میری اوقات بدل دیتا ہے
یہ لاشعوری احساس فخر اس مقدس ذات سے اپنی وابستگی کا احساس آپ کو مہمیز کرتا ہے اس کی ثنا خوانی کرنے کو احساس تشکر کے لئے اس ذات مبارکؐ کی گہرائیوں کو ناپنے کو کہ وہی مبارک ذات ہے جو خود اور اس کا اسوہ ہمارے لئے راہ کا روشن چراغ ہے یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال سے سیرت النبیؐ پر شاہکار و لاجواب کتب لکھی گئیں اور آج انہی جگمگاتے ہیروں میں سے اک ہیرا میں نے اپنی ہتھیلی پر رکھا ہے کہ وہ آپ کی راہ حیات کو روشن کر دے۔
سیرت النبیؐ وہ موضوع ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ اک ولولہ جوش محبت و عقیدت اور اپنے قلم و ہنر کو اسپر آزمایا اور آزماتے رہیں گے۔
دنوں مہینوں کی تقسیم اللہ نے مقرر فرمائی اور اللہ کے رسولؐ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ سال بارہ مہینے کا ہے اور میں قدرت کی اس ترتیب پر اکثر غور کر کے حیران ہوتی ہوں کہ کیسا روحانی بالیدگی کا نظام ہے ادھر لبیک اللہم لبیک کی صدائیں گونجتی ہیں اور پھر محرم و صفر کی اداس باوقار سی ساعتوں کے بعد ربیع اوّل یعنی اوائل بہار کی پرمسرت ساعتیں دلوں کو گدگداتی ہیں اور

الرحیق المختوم

تبصرہ: سیمی کرن

ایسی ساعتوں میں سیرت النبیؐ کا مطالعہ دل کو سکوں عطا کرتا ہے۔
''الرحیق المختوم'' وہ کتاب ہے کہ اس کے تعارف وابتدا میں یہ تحریر ہے۔
''رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ کے زیر اہتمام منعقدہ سیرت نگاری کے عالمی مقابلوں میں اوّل آنے والی عربی کتاب کا اردو ترجمہ''
منصف ''مولانا صفی الرحمان مبارکپوری ہیں اور چونکہ رابطہ عالمی اسلامی کے تحت سیرت نگاری پر لکھی گئی اس کتاب کی شرائط میں تھا کہ مصنف اپنے بارے میں کچھ لکھے اور مصنف کے تعارف کو پڑھ کر آپ کو ان کی علمی قابلیت کا خود بخود انداز ہو جائے گا۔
کتاب میں ان کا محققانہ رویہ اور گہرائی میں جا کر کیا گیا تجزیہ واسلوب نظر آئے گا، وہ اس کی شروع ہی میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
''کتب سیرت پر نگاہ ڈالی تو واقعات کی ترتیب اور جزئیات کی تفصیل میں بڑا اختلاف ہے اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ جہاں جہاں ایسی صورت پیش آئے وہاں بحث کے ہر پہلو پر نظر دوڑا کر اور بھرپور تحقیق کر کے جو نتیجہ اخذ کروں اسے اصل کتاب میں درج کر دوں اور دلائل و شواہد کی تفصیلات اور ترجیح کے اسباب کا ذکر نہ کروں۔''
کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور دوسری تقسیم نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

مکی اور مدنی زندگی کے مختلف مراحل ہیں۔

کتاب کا آغاز ''عرب، محل وقوع جائل معاشرے کی چند جھلکیاں، ابواب سے گیا ہے تاکہ سیرت النبیؐ روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے اور نبی کریمؐ کی ولادت با سعادت کی اہمیت و مقاصد کھل کر سامنے آسکیں۔

کتاب کا اختتام خانہ نبوت، اخلاق و اوصاف اور جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے ان کا ذکر اذکار ہے۔

''الرحیق المختوم'' بجا طور پر ایک محققانہ اور تمام اہم جزئیات کو بڑی تفصیل و بلاغت ساتھ سمودیا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کردار بطور ایک صالح اعظم، رہنمائے عظیم و مبلغ عالم کے نکھر کر سامنے آتا ہے جسے اگر غیر مسلم قاری بھی بغیر تعصب کی عینک کے پڑھے تو یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ ایک سچے پیغمبر کی حیات طیبہ کا تذکرہ ہے جسے زندگی کے ہر گوشے میں اللہ کی تائید و نصرت حاصل ہے۔

یہی اس کتاب کا حسن ہے کہ یہ حسن عظیم فورم کے تحت رکھی گئی یہ اس بات کی متقاضی تھی کہ اس کا قاری صرف مسلمان ہی نہ ہو اسے اگر کوئی غیر مسلم بھی پڑھے تو محققانہ تجزیاتی باریک بینی اور مستند حوالہ جات میرے پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا گوشہ گوشہ عیاں ہو اور وہ اس عظیم پیغمبر کی تمام تر کاوشوں اور عظیم قربانیوں اور پاکیزہ طرز حیات کو وحی الٰہی، تائید الٰہی اور اللہ کے قانون کی سچائی کو محکم ہوتا سامنے دیکھ لے۔

''نئے معاشرے کی تشکیل'' کے باب میں مسجد نبوی کا تذکرہ مولانا کے الفاظ میں دیکھیے۔

''مسجد محض ادائے نماز ہی کے لئے نہیں تھی بلکہ یہ ایک یونیورسٹی تھی جس میں مسلمان اسلامی تعلیمات و ہدایات کا درس حاصل کرتے تھے اور ایک محفل تھی جس میں مدتوں نفرت اور باہمی لڑائیوں سے دوچار رہنے والے قبائل کے افراد اب میل محبت سے مل جل رہے تھے نیز یہ ایک مرکز تھا جہاں سے اس ننھی سی ریاست کا سارا نظام چلایا جاتا تھا علاوہ ازیں اس کی حیثیت ایک پارلیمنٹ کی بھی تھی جس میں مجلس شوریٰ اور مجلس انتظامیہ کے اجلاس منعقد ہوا کرتے تھے۔''

ملاحظہ کیا آپ نے؟ کاش ہمارے حکمران مسجد کے اس کردار کو سمجھ کر خود اس کردار میں ڈھل جائیں تو ہمارے سارے مسائل حل ہو جائیں۔

رسول اللہ کی حیات مبارک میں جو اہم واقعات سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے صلح حدیبیہ، وہاں مولانا نے صراحت سے بتایا ہے کہ اس واقعہ کی کیا اہمیت تھی اور اسی طرح کی مثال کتاب میں نگینوں کی مانند جڑی اور بکھری ہیں۔

سیرت رسول اللہ کے فرق کو مثالوں سے واضح کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے کس فطرت سلیم پر پیدا کیا تھا اور کیسی دانشمندی سے نوازا تھا

اور جب اللہ کے اس عظیم پیغمبر سرور کونین کے وصال کا ذکر ہے جسے ''رفیق اعلیٰ کی جانب'' باب میں تذکرہ کیا گیا ہے، یہ ایسا پر رقت اور دل کو پگھلاتا تذکرہ ہے کہ آنکھوں سے اشک جاری ہو جاتے ہیں۔

غرض سیرت النبیؐ پر ایک جامع اور لائق مطالعہ کتاب ہے، عقیدت و محبت نے تحقیقی اور تجزیاتی رویے کو متاثر نہیں کیا ہے۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

افراح طارق

حدیث مبارکہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''سات گناہوں سے بچو۔''

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جادو کرنا، کسی آدمی کا ناحق قتل، سود کھانا، یتیم کا مال ہڑپ کرنا، میدان جہاد سے راہ فرار اختیار کرنا، پاک دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا'' (دوسروں کے ساتھ احسان کرنے سے انسان بری (حادثاتی) موت سے محفوظ رہتا ہے، پوشیدہ صدقہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غصہ ختم ہوتا ہے اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے سے عمر میں برکت ہوتی ہے۔)

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

عدالت کی نگاہ میں سب برابر ہیں

امام ابو یوسف عباسی سلطنت کے پہلے دور کے مشہور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) ہوئے ہیں، ایک دفعہ ان کی عدالت میں ایک یہودی نے خلیفہ وقت ہارون رشید کے خلاف دعوا دائر کر دیا، ہارون رشید کو مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہونا پڑا، یہودی (مدعی) بھی موجود تھا لیکن وہ ہارون سے پیچھے ہٹ کر ایک طرف کھڑا تھا، مقدمہ کی سماعت سے پہلے امام ابو یوسف نے یہودی سے فرمایا۔

''تم آگے آکر مدعا علیہ کے برابر میں کھڑے ہو جاؤ، عدل و انصاف کی بارگاہ میں ایک کو دوسرے پر کوئی بڑائی حاصل نہیں، قانون عدل کے نزدیک سب لوگ برابر ہیں، آگے وہ ہو گا جسے اس کا حق آگے بڑھا دے۔''

اس مثالی کردار کے باوجود امام ابو یوسف کو اپنے منصب کی ذمہ داریوں کا کتنا احساس تھا، اس کا اندازہ اس دعا سے فرمائیے جو انہوں نے بالکل زندگی کے آخری لمحوں میں مانگی۔

''اے خدا! تو جانتا ہے کہ میں نے کسی مقدمہ میں کبھی کسی کی امارت و وجاہت یا سفارش کو ترجیح نہیں دی، کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا، عدل و انصاف کو قائم کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔''

''اے میرے مالک! اگر اس پر بھی مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے تو تیری بخشش و رحمت کا امیدوار ہوں۔''

حمیرا رضا، ساہیوال

خلیل جبران کا کہنا ہے

''جب میں ایک شفاف آئینہ بن کر تمہارے سامنے کھڑا ہوا تو تم مجھ کو دیر تک غور سے دیکھتے رہے اور تمہیں مجھ میں اپنی صورت نظر آئی، پھر تم نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، لیکن درحقیقت تم نے مجھ میں اپنی ذات سے محبت کی ہے۔''

ماریہ عثمان، سرگودھا

کرنیں

☆ جب عقل کامل ہوتی ہے تو بولنا کم ہو جاتا ہے۔

(حضرت ابوبکر صدیقؓ)

☆ دعا مانگتے رہو کیونکہ ممکن اور ناممکن تو ہماری

سوچ میں ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں۔

(حضرت علیؓ)

☆ جس کا غصہ زیادہ ہے اس کے دوست کم ہیں۔

(حضرت داتا گنج بخشؒ)

☆ کسی کے گرنے پر خوش نہ ہونا، کل پتا نہیں تیرے ساتھ کیا ہو۔

(حضرت علیؓ)

☆ جب دولت کی خواہش چھوڑ دو گے تو دولت مند بن جاؤ گے۔

(حضرت عبدالقادر جیلانیؒ)

☆ عمر کی نصیحت کے لئے موت کافی ہے۔

(حضرت عمر فاروقؓ)

☆ تیرے سب سے بڑے دشمن تیرے برے ہم نشین ہیں۔

(غوث اعظمؒ)

ماروخ آصف، خانیوال

جنگ اور امن

کسی نے سقراط سے پوچھا۔

''جنگ کیا ہے؟ اور امن کیا ہے؟'' سقراط نے جواب دیا۔

''امن وہ زمانہ ہے جب جوان بوڑھوں کی لاشوں کو کندھوں پر اٹھا کر قبرستان میں دفن کرتے ہیں۔''

''اور جنگ وہ زمانہ ہے جب بوڑھے جوانوں کی لاشوں کو اپنے کمزور نحیف کندھوں پر اٹھا کر قبرستان پہنچاتے ہیں۔''

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

عقل مندی کی باتیں

☆ غم کتنا بھی سنگین ہو، نیند سے پہلے تک ہے۔

☆ تنکے کو بھی حقیر نہ سمجھو، ورنہ وہ تمہاری آنکھ میں پڑ جائے گا۔

☆ جب عذاب آنے والا ہو تو توبہ چھین جاتی ہے۔

☆ اگر انسان کو گناہ سے شرمندگی نہیں، تو توبہ سے کیا شرمندگی۔

☆ نصیحت کرنے والا مخلص نہ ہو تو، نصیحت بھی ایک پیشہ ہے۔

☆ ہر چیز کو عزت کے ساتھ رہنے دیا جائے تو اپنی عزت بھی قائم رہتی ہے

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

راز

زندگی کچھ نہیں
احساس محبت کے بغیر
جیسے جنگل کی ہوا
کس نے پہچانا اسے
دیکھتا کوئی نہیں ہے اس کو
چاہتا کوئی نہیں ہے اس کو
تیری قربت میں
یہی راز کھلا ہے مجھ پر
آدمی خاک ہے چاہت کے بغیر
زندگی کچھ نہیں احساس محبت کے بغیر

سدرہ نعیم، شیخوپورہ

مشاعرہ

مشاعرہ ایک تقریب ''ایک پروگرام'' ایک تماشے کی حیثیت سے مختلف سامعین کے ذوق اور توفیق کی سطح پر ہماری تہذیبی زندگی کی علامت سمجھا جاتا ہے، کوئی اس کا کم شوقین ہے، کوئی زیادہ، کوئی ٹکٹ بھر کر مشاعرہ دیکھتا اور سنتا ہے، کچھ لوگ ضبط اور بعض لوگ اصولاً مشاعرے سے کتراتے ہیں، مثلاً ہمارے ''مصری خان گجر'' حالانکہ خود شاعر ہیں، مگر مشاعرے کا نام سن کر خون ان کی رگوں میں جم جاتا ہے، کہا کرتے ہیں کہ میں برے شعر کو تو گوارا کر لیتا ہوں مگر مشاعرے میں شعر پڑھتے وقت بعض شاعروں کی شکلوں کا مسخ ہونا میرے لئے ناقابل برداشت ہے، ایک نحیف و نزار بڑے نامی ''مشاعرہ اسٹار'' شاعر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جس جان کنی سے وہ اپنے مصرعوں کو اونچی سروں میں لاتے ہیں، ڈر لگتا ہے کہ خود بھی کسی مصرعے کے ساتھ نہ اڑ جائیں یا دفعتاً کمر سے ٹوٹ کر نہ گر پڑیں۔

زاہدہ اظہر، حافظ آباد

بولتے لفظ

☆ انسان کا اللہ سے قریب ترین رشتہ آنسوؤں کا ہے۔

☆ آنسو قرب کا ثبوت ہیں، جب روح کا روح سے وصال ہوتا ہے تو آپ کے آنسو آ جاتے ہیں۔

☆ لوگ دوست کو چھوڑ دیتے ہیں، بحث کو نہیں چھوڑتے۔

☆ لوگ حکمراں بننا چاہتے ہیں، لیکن بنے ہوئے حکمرانوں کے خلاف نفرت رکھتے ہیں۔

☆ زبان وہ بات کہہ ہی نہیں سکتی جو سلوک سے بیان ہوتا ہے۔

☆ آپ کسی کے الفاظ یا گفتگو سن کر یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کس پیشے سے تعلق رکھتا ہے۔

☆ جب تک سچے لوگوں کی اکثریت نہیں ہوتی جمہوری فیصلے غلط ہیں۔

☆ بے بس کی آنکھ سے ٹپکنے والا آنسو کتنی ہی عبادتوں پر فوقیت لے جاتا ہے۔

فضہ بخاری، رحیم یار خان

بھول جاؤ

بھول جاؤ کہ اپنے ماضی میں کیا رکھا ہے
یہی نا! دو چار ملاقاتیں
اور کچھ اداس شامیں
چند ٹوٹی ہوئی امنگیں
فون کی چند بے ربط کالیں
اور کیا ہے اپنی ماضی میں
بھول جاؤ

ثمرہ شیرازی، پتوکی

ہم غافل نہیں

کچھ دنوں تو ہم لوگوں سے سائنس اور صنعت و حرفت وغیرہ کی باتیں سنتے رہے، لیکن ایک دن ہم سے رہا نہ گیا، ہم نے کہا کہ یہ کیا آپ لوگ سائنس اور ٹیکنالوجی وغیرہ کی رٹ لگائے ہوئے ہیں، ہمارے بزرگوں نے بھی اس میں بہت کام کیا ہے۔

ہمارے حکیم نے ایک صاحب کی بدہضمی کی فوراً تشخیص کر دی کہ تم نے تربوز بہت کھایا ہے، محض عقل اور قیافے کے زور سے اور محض یہ دیکھ کر مریض کے اردگرد تربوز کے چھلکے بکھرے تھے، اسٹرانومی یعنی علم ہیئت میں اب بے شک روس اور امریکہ وغیرہ کے حوصلے کھل گئے ہیں، کیونکہ ہم میدان میں نہیں رہے ہیں، ہماری توجہ دوسرے ضروری امور کی طرف ہے ورنہ ہمارے مدرسوں میں درس نظامیہ میں علم ہیئت بھی پڑھاتے تھے، ایک صاحب کو دلچسپی پیدا ہوئی، بولے کہ یہ علم ہیئت کیپلر اور کوپر وغیرہ والا؟ ہم نے استہزائیہ ہنسی ہنس کر کہا کہ یہ لوگ تو ابھی کل کی پیداوار ہیں، ہمارے حکماء نے ان سے صدیوں پہلے ستاروں اور سیاروں وغیرہ کا سراغ لگا لیا تھا، بلکہ ستارے دیکھے ہی نہیں یہ بھی تحقیق کیا کہ ان کا رفتار زمانہ پر اور لوگوں کی قسمتوں پر کیا اثر پڑتا ہے، اس موضوع پر ہمارے ہاں اب بھی بے شمار تصانیف از قسم جنتریاں موجود ہیں،

بلکہ بعض ادارے تو سال کے سال نئی جنتریاں چھاپتے ہیں جس میں برج حمل، برج عقرب وغیرہ کے ساتھ ساتھ خوابوں کی تعبیریں، فال نامے وغیرہ درج رہتے ہیں، جابجا زائچے بھی دیے ہوتے ہیں، ان کے علاوہ ان میں صابن سازی اور بوٹ پالش بنانے اور پونڈ کریم اور قدرتی رنگ کا خضاب وغیرہ تیار کرنے کے نسخے بھی دیے ہوتے ہیں جس سے اس گماں کی ایک حد تک تردید ہو جانی چاہیے کہ ہماری توجہ صنعتوں کی طرف نہیں ہے اور ہم محض خیالی باتیں کرتے ہیں۔ (ابن انشاء کی کتاب آوارہ گردی کی ڈائری سے اقتباس)

حفصہ حماد، کراچی

دولت اور بیوی

ایک ارب پتی نے اعتراف کیا انٹرویو کے دوران کہ اس کو دولت بیوی کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔

''دولت اور بیوی کی بدولت؟''

''جی ہاں میں یہ جاننے کے لئے ہمیشہ متمنی رہا کہ بیوی کو خوش اور مطمئن رکھنے کے لئے کتنی آمدنی ہونی چاہیے، ابھی تک متمنی ہوں۔''

مصباح فیصل، کوہاٹ

اشعار

جو پیرہن میں کوئی تار محتسب سے بچا
دراز دستی پیر مغاں کی نذر ہوا

اگر جراحت قاتل سے بخشوا لائے
تو دل سیاست چارہ گراں کی نذر ہوا

عائشہ شہباز، لاہور

ہری مرچیں

☆ ندا۔ ''میں نے سنا ہے کہ تمہارا شوہر دیوالیہ ہو گیا ہے؟''

حنا۔ ''صحیح سنا ہے اور اب وہ اتنے پریشان ہیں کہ غم غلط کرنے کے لئے مجھے اور بچوں کو لے کر دنیا کے سفر پر روانہ ہو رہے ہیں۔''

☆ ''تم اپنے اخراجات کا کس طرح سامنا کرتے ہو میرے دوست؟''

''میں نہ کسی کا سامنا کرتا ہوں، نہ پیچھا، یہ تو میری بیوی ہے جو روزانہ نت نئے اخراجات سے مجھے متعارف کراتی رہتی ہے۔''

نسرین خورشید، جہلم

قوس قزح سے رنگ چرائے

☆ دوسروں کی خوشیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر یہ مت بھولیں کہ آج جس عمارت کی بنیاد آپ نے چوری کی اینٹ پر رکھی ہے وہ کبھی نہ کبھی ضرور گرے گی اور کسی کے اوپر نہیں بلکہ آپ کے اپنے اوپر۔

☆ دریا اور زندگی دونوں پر بند باندھنا پڑتا ہے، تاکہ وہ ضائع ہونے سے بچ جائے، دریا پر مٹی کا بند اور پیکر خاکی پر ضبط کا بند درکار ہے۔

☆ امید ایک چھاؤں ہے، جو اپنے دامن میں انسان کو پناہ دے کر مایوسی کے اتھاہ سمندر میں ڈوبنے سے بچاتی ہے۔

☆ بعض رشتے اتنے اہم ہوتے ہیں کہ جنہیں بدلتے ہوئے پل صراط پر سے گزرنے کا گمان ہوتا ہے۔

☆ روح کی گہرائی سے نکلی ہوئی بات، روح کی گہرائی تک ضرور جاتی ہے۔

صائمہ مظہر، حیدر آباد

☆☆☆

مصباح فیصل ---- کوہاٹ

زباں سے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل و نگار مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

....

محبت میں محبت کی گواہی دے رہے ہیں ہم
عجب آشنا ہے عذر آشنائی دے رہے ہیں ہم

....

ہر جرم میری ذات سے منسوب ہے محسن
کیا میرے سوا شہر میں معصوم تھے سارے

عائشہ شہباز ---- لاہور

ہم نے ہر دکھ کو محبت کی عنایت سمجھا
ہم کوئی تم تھے کہ زمانے سے شکایت کرتے

....

ابھی خرید لیں دنیا کہاں کی مہنگی ہے
مگر ضمیر کا سودا برا لگتا ہے

....

عدم خلوص کے بندوں میں اک خامی ہے
ستم ظریف بڑے جلد باز ہوتے ہیں

نسرین خورشید ---- جہلم

گلے ملے نہ میسر تمہاری دید ہوئی
تم ہی بتاؤ یہ محرم ہوا کہ عید ہوئی

....

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا

....

اک دل کا درد ہے کہ رہا زندگی کے ساتھ
اک دل کا چین تھا کہ سدا ڈھونڈتے رہے

صائمہ مظہر ---- حیدر آباد

یوں تو پتھر کی بھی تقدیر بدل جاتی ہے
شرط یہ ہے کہ اسے دل سے تراشا جائے

....

ضرورت ہو نہ ہو اس سے بھلا کیا فرق پڑتا ہے
جنہیں ہو مانگنا وہ حسب عادت مانگ لیتے ہیں
ابھی ہم خیریت بھی پوچھنے نہیں پاتے ان کی
اور وہ آتے ہی جانے کی اجازت مانگ لیتے ہیں

....

نہ راستے ہی میں ٹھہریں نہ اپنے گھر جائیں
یہ فیصلے کی گھڑی ہے چلو بکھر جائیں
تیرا وجود بھی سچ ہے مگر ہمیں تجھ سے
وہ عشق ہے کہ تجھے سوچ کر ہی مر جائیں

ایمان علی ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

دل تو میرا اداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

....

ذکر اس کا ہی سہی بزم میں بیٹھے ہو فراز
درد کیسا ہی اٹھے ہاتھ نہ دل پہ رکھنا

....

مجھ سے وہ پوچھتے ہیں درد کہاں ہوتا ہے
اک جگہ ہو تو بتاؤں کہ یہاں ہوتا ہے

شاہدہ اسد ---- گوجرانوالہ

غم کی تصویر بنے درد کا افسانہ بنے
تیری دنیا میں چلے آئے تو کیا کیا نہ بنے

....

یارو نئے موسم نے یہ احسان کیے ہیں

اب یاد مجھے درد پرانے نہیں آتے

....

دوستوں کے ہجوم میں ناصر
میرے اندر کا شخص تنہا ہے

صائمہ مشتاق ---- جڑانوالہ

سمو لئے ہیں زمانے کے غم تبسم میں
زمانہ اس پر بھی برہم ہے کیا کیا جائے
عظیم تر ہے عبادت شباب کی لیکن
یہی گناہ کا موسم ہے کیا کیا جائے

....

تمام عمر عذابوں کا سلسلہ تو رہا
یہ کم نہیں ہمیں جینے کا حوصلہ تو رہا

....

کہا تھا کس نے عہد وفا کرو اس سے
جو یوں کیا ہے تو پھر کیوں گلہ کرو اس سے
یہ اہل بزم تنگ حوصلہ سہی پھر بھی
ذرا فسانہ دل ابتدا کرو اس سے

حنا زبیر احمد ---- بہاولپور

مرے خدا مجھے طارق کا حوصلہ ہو عطا
ضرورت آن پڑی کشتیاں جلانے کی

....

عزم راسخ ہو تو دیتی ہے صدا خود منزل
حوصلہ ہو تو کوئی راہ بھی دشوار نہیں

....

عین وصل میں بھی مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب

ام رباب ---- ساہیوال

شکستہ دل تھے مگر حوصلہ نہ ہارا تھا
شکستہ دل ہیں مگر حوصلے بھی اب کے گئے

....

زندگی پھیلی ہوئی تھی شام ہجراں کی طرح
کس کو اتنا حوصلہ تھا کون جی کر دیکھتا

....

اب تو ہاتھوں سے لکیریں بھی مٹی جاتی ہیں
اس کو کھو کر تو میرے پاس رہا کچھ بھی نہیں

نعیمہ بخاری ---- اٹک

اس شہر غم کو دیکھ کے دل ڈوبنے لگا
اپنے پہ ہی سہی کوئی ہنستا دکھائی دے

....

سردیاں بارشیں ہوا چائے کا کپ
وہ مجھے یاد آ رہا ہو شام ہو
یا الہٰی ایسے لمحے سے بچا
وہ مجھے یاد آ رہا ہو شام ہو

....

ہر اک شام نئے خواب اس پر کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر تمہاری شال آ جائے
ابھی دنوں وہ میرے ساتھ چائے پیتا تھا
کہیں سے کاش میرا پچھلا سال آ جائے

ثمرین زاہرہ ---- خان پور

زباں کا ورد ہوئے پر دل میں گھر نہ ہوئے
ہتھیلیوں پہ لکھے نام ہمسفر نہ ہوئے
عجب طریقہ ہے جاناں تجھے بھلانے کا
کہ تیری یاد سے اک پل بھی بے خبر نہ ہوئے

....

دل سے تیری یاد اتر رہی ہے
سیلاب کے بعد کا سماں ہے

....

ہم کو نہ دیکھو اس طرح دیکھو ہمارے پاس تم
آئے تو تھے دریدہ دل لوٹے تو بارفو گئے
ہم ہیں وہ نخل راستی سائے میں جس کے تم کبھی
ٹھہرے تو ہم نفس ہوئے گزرے تو مشکبو ہوئے

نمرہ سعید ---- اوکاڑہ

خدا گواہ کہ خوشیاں بہت ملیں لیکن
میں کیا کروں جو اداسی ہی دل کے اندر ہو

....

ن کے آنے کا ہے امکان خدا خیر کرے
ل پر گزرے گا یہ طوفان خدا خیر کرے
ہ تو ہیں اونچے محلوں کے رہنے والے
ر میرا گھر ہے بیاباں خدا خیر کرے

....

ب تو ڈر ہے مجھے کہ غم تیرا
ھ سے بھی معتبر نہ ہو جائے

اہرہ رحمان ---- بہاولنگر

ہ چار سوالات ہیں پھر مجھ کو اجازت
یں سیر کی خاطر تو فلک پر نہیں آیا

....

ہی کھلا ہے کہ مسافر نے خود کو مار کیا
ری تلاش کے صحرا کو پار کرتے ہوئے

....

س سمت سمیٹوں تو بکھرتا ہے ادھر سے
کھ دیتے ہوئے یار نے دامن نہیں دیکھا

مرانہ علی ---- حاصل پور

تا ہے کون آنکھ میں آنسو کے روپ میں
ے میرے راز دار کہاں جانتے ہو تم

....

س راہ سو دو زیاں سے گزرتا جاتا ہوں
بھی گریز کبھی اختیار کرتے ہوئے
ہیں گرا مری قاتل انا کا تاج محل
یں مر گیا ہوں خود پہ وار کرتے ہوئے

....

یں نے کھینچ کر دل سے لگایا
رسوائی آسمان نے خاک میری
یں چپ رہتا تو بچ سکتی تھی گردن
ر یہ فطرت بے باک میری

طی جبیں ---- لیہ

جو آئے تو اسے مل کر سمیٹیں دونوں
مجھے اکیلے سے کہاں ہجر سنبھالا جائے
یہ نہ ہو آتش انکار کے شعلے نکلیں
میری تشکیک کو دوزخ میں نہ ڈالا جائے

....

کیا غضب ہے ہجر کے دن بھی
زندگی میں شمار ہوتے ہیں

....

ہم دشت تھے دریا ہم زہر تھے کہ امرت
ناحق تھا زعم ہم کو جب وہ نہیں تھا پیاسا

وردہ منیر ---- لاہور

ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفا دار نہیں تو بھی تو دلدار نہیں

....

ایک عمر بیت چلی ہے تجھے چاہتے ہوئے
تو آج بھی بے خبر ہے کل کی طرح

....

احساس مروت سے نا آشنا لوگ
عجیب لگتے ہیں جب محبت کی بات کرتے ہیں

رانیا سحر ---- ملتان

ہم ہیں ظلمت ہیں کہ ابھرا نہیں خورشید اب کے
کوئی کرتا ہی نہیں رات کی تردید اب کے
اک زمانے سے نہ روئے ہیں نہ جاں تڑپی ہے
دل پہ لازم ہے ترے درد کی تجدید اب کے

....

رت جگے خواب پریشاں سے کہیں بہتر ہیں
لرز اٹھتا ہوں اگر آنکھ ذرا لگتی ہے
اے رگ جاں کے مکیں تو بھی کبھی غور سے سن
دل کی دھڑکن ترے قدموں کی صدا لگتی ہے

....

نگاہ پھیر کے مجھ کو برہنہ جسم نہ کر
مرے بدن پہ نظر کا لباس رہنے دے
میں تیرے وصل کی لذت کا معترف ہوں مگر

تو اپنے ہجر میں مجھ کو اداس رہنے دے
حیدر رضا ---- جھنگ

میں اور اس کو بھولوں ناصر کیسی باتیں کرتے ہو
صورت تو پھر صورت ہے وہ نام بھی اچھا لگتا ہے

....

ایک صورت ہے تصور کے نہاں خانے میں
اپنی تصویر کوئی بھول گیا ہو جیسے

....

یوں تو رہتی ہے تصور میں تمہاری صورت
پھر بھی مل جاؤ تو تسکین سی ہو جائے
فائزہ عبدالمنان ---- کراچی

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی
پہلے آتی تھی ہر اک بات پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

....

تکریم ذوق عشق کی صورت یہی تو ہے
ہنس ہنس کر تیری یاد میں آنسو بہائیں ہم

....

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدمے ظالم
بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری
عتیقہ منیر ---- سیالکوٹ

توڑ کر دیکھ لیا آئینہ دل تو نے
تیری صورت کے سوا اور بتا کیا نکلا

....

عمر کاٹ دی عہد نبھانے کے لئے
عہد باندھا تھا کسی نے آزمانے کے لئے
وہ بظاہر ملا تھا اک لمحے کے لئے عدیم
عمر ساری چاہیے اس کو بھلانے کے لئے

....

وہ دور کیا ہوا کہ مرے پاس آ گیا
خاور یہ سانحہ تو مجھے راس آ گیا

صائمہ سلیم ---- گجرات

وہیں پر موم پھر کے آ گیا ہوں
محبت ہے کہ صحرا کا سفر ہے

....

کیوں نہ ڈر جاؤں تیری قوت سے
میں ہوں تنہا تیری خدائی ہے

....

درد کی خوشبو گئی زخموں کی رعنائی گئی
موسم ہجراں تری ادب کے پذیرائی گئی
کون سی محفل کہاں کے روز و شب کیسا قیام
زندگی تو اصل میں اک سانس ہے آئی گئی
نازیہ جمال ---- چکوال

شب غم کی سحر نہیں ہوتی
ہو بھی تو میرے گھر نہیں ہوتی
زندگی تو ہی مختصر ہو جا
شب غم مختصر نہیں ہوتی
فرح اکرم ---- ملتان

جو ہجر وصال کر دیا ہے
تو نے کمال کر دیا ہے
اک لمحہ عشق تھا سو میں نے
صرف مہ و سال کر دیا ہے

....

ہر زمانے کے لئے زندہ حوالہ ہوں سلیم
میں چلا جاؤں گا میرا تذکرہ رہ جائے گا
ثمن رضا ---- چیچہ وطنی

مجھے زعم تھا مگر میں بکھر گیا محسن
وہ ریزہ ریزہ تھا اور اپنے اختیار میں تھا

....

کرتے ہیں یہ ایسے غیروں کی خامیوں کا تذکرہ
اپنے عمل میں لوگ فرشتہ ہوں جیسے

☆☆☆

بلقیس بھٹی

خوش قسمت

''صائمہ کی شادی ہو رہی ہے۔'' ایک شخص نے اپنے دوست کو بتایا۔

''کون ہے وہ خوش قسمت آدمی جس سے صائمہ کی شادی ہو رہی ہے۔'' دوست نے پوچھا۔

''خوش قسمت تو میں ہوں، اس نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔'' اس شخص نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ایمان علی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

ناقابل برداشت

دو عورتوں کی ملاقات ہوئی تو ایک نے دوسری کو بتایا۔

''بہن! تم نے کچھ سنا؟ شازیہ کے شوہر کا دورہ قلب سے انتقال ہو گیا۔''

''ارے...... وہ کیسے؟'' دوسری عورت نے پوچھا۔

''دونوں میاں بیوی میں لڑائی ہو رہی تھی، اس دوران شازیہ نے اپنے شوہر سے فوری طلاق کا مطالبہ کر دیا۔'' پہلی عورت نے بتایا۔

''اچھا...... تو وہ صدمے سے مر گیا؟'' دوسری عورت نے اظہار خیال کیا۔

''ارے نہیں...... وہ اتنی زیادہ خوشی اچانک برداشت نہ کر سکا۔'' پہلی عورت نے جواب دیا۔

شاہدہ اسد، گوجرانوالہ

انوکھی خواہش

ایک وکیل نے اپنے دوست کو اپنی زندگی کے پرلطف واقعات سناتے ہوئے ایک مقدمے کا ذکر کیا، جس میں ایک عورت نے نان نفقے کی پروانہ کرتے ہوئے کہا۔

''جناب اعلا! مجھے اپنے شوہر سے کچھ نہیں چاہیے، میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ میرا شوہر مجھے اسی حالت میں چھوڑ دے، جس میں اس نے مجھے پایا تھا۔''

''اور وہ حالت کیا تھی۔'' جج نے پوچھا۔

''میں بیوہ تھی۔'' عورت نے سر جھکا کر کہا۔

صائمہ مشتاق، جڑانوالہ

نارمل عورت

ایک عورت نے نفسیاتی علاج کے ماہر ڈاکٹر سے کہا۔

''اللہ کے لئے میرے شوہر کو سدھارنے کے لئے کچھ کیجئے، وہ سارا سارا دن ایک بہت بڑا ڈھول بجاتے ہوئے گھومتے پھرتے ہیں۔'' ڈاکٹر بولا۔

''اسے خبط تو نہیں کہا جا سکتا، بالکل نارمل عادت ہے یہ، میں خود بھی کبھی کبھی ایک بہت بڑا ڈھول بجاتا ہوں۔'' عورت نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ڈھول کے اندر بیٹھ کر۔''

حنا زبیر احمد، بہاولپور

مانگنے کا انداز

ایک پڑھا لکھا بھکاری سڑک کے کنارے کھڑا تھا، اس نے دیکھا کہ ایک نوجوان خوب صورت جوڑا، ایک دوسرے سے باتیں کرتا ہوا اس کی جانب چلا آ رہا ہے، بھکاری نے انہیں دیکھ کر بلند آواز میں صدا لگائی۔

''خدا تمہارا بھلا کرے، بے پناہ حقیقی مسرتیں تم دونوں کی تلاش میں رہیں اور دنیا بھر کی کامرانیاں تمہارے پیچھے آئیں۔'' نوجوان جوڑا بھکاری کو نظر انداز کرتا آگے بڑھ گیا تو بھکاری بڑبڑایا۔

''مگر خدا کرے تم ان سے محروم رہو۔''

ام رباب، ساہیوال

نیا ریکارڈ

ایک تربیتی طیارہ ویرانے میں گر کر تباہ ہو گیا، تاہم پائلٹ پیرا شوٹ کے ذریعے نیچے کودنے میں کامیاب ہو گیا، وہ براہ راست زمین پر نہ اتر سکا، بلکہ ایک درخت کی شاخ میں پھنس گیا، کچھ دیر کی کوشش کے بعد وہ آخر کار درخت سے اترنے میں کامیاب ہو گیا، نیچے کھڑا ایک دیہاتی یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

''میں آج ایک ریکارڈ قائم کرنے کے ارادے سے جہاز لے کر نکلا تھا، لیکن قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔''

پائلٹ نے ٹھنڈی سانس لے کر تھکے ہارے انداز میں زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ایک ریکارڈ تو بہر حال تم نے قائم کر دیا ہے۔'' دیہاتی بولا۔

''وہ کیا؟'' پائلٹ نے چونک کر کہا۔

''تم ایک ایسے درخت سے اترے ہو جس پر تم چڑھے ہی نہیں تھے۔'' دیہاتی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

نعیمہ بخاری، اٹک

قانون کی پابندی

شکار پر پابندی کے باوجود ایک شخص مچھلی کا شکار کرتے ہوئے پکڑا گیا، وارڈن نے کہا۔

''تمہیں معلوم نہیں کہ سال کے اس حصے میں شکار کھیلنا منع ہے۔''

''ہاں بالکل معلوم ہے۔'' شکاری نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

''پھر تم بھی تم شکار کر رہے ہو؟'' وارڈن نے غصے سے کہا۔

''وجہ یہ ہے جناب!'' شکاری نے جواب دیا۔

''جب شکار کا موسم آتا ہے تو مچھلیاں اچانک غائب ہو جاتی ہیں، لیکن جب شکار کا موسم ختم ہو جاتا ہے تو دریا میں ہر طرف مچھلیاں ہی مچھلیاں نظر آتی ہیں، اب آپ بتائیے ایسے قانون کا کیا فائدہ جس کی پابندی مچھلیاں نہ کرتی ہوں۔''

ثمرین زاہرہ، خان پور

شریف وہ ہے جسے......

بیوی نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا بات ہے کہ آپ کے دوست گھر آتے ہیں تو آپ بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں، ان کے گلے ملتے ہیں، ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہیں، مگر جب میری سہیلیاں آتی ہیں تو آپ زیادہ خوش نہیں ہوتے؟''

شوہر نے کہا۔

''میں اس وقت اور بھی زیادہ خوش اور گرم جوشی کا مظاہرہ کر سکتا ہوں، اگر آپ مجھے اپنی سہیلیوں سے ملنے کا موقع دیں تو......''

طاہرہ رحمان، بہاونگر

تجریدی آرٹ

ایک مشہور آرٹسٹ تجریدی تصویریں نہیں بنواتے تھے، لیکن ان کے ایک شناسا نے بڑے اصرار سے فرمائش کی کہ وہ ان کا تجریدی پورٹریٹ بنا دیں، انہوں نے پورٹریٹ تیار کر کے اسٹوڈیو میں رکھا ہوا تھا، ایک روز ان کا ایک شاگرد اسٹوڈیو میں آیا تو اس نے دیکھا استاد صاحب پورٹریٹ کے سامنے سر پکڑے بیٹھے ہیں۔

''کیا بات ہے سر! کیا ان صاحب کو پورٹریٹ پسند نہیں آیا۔'' شاگرد نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں! پورٹریٹ تو پسند آ گیا تھا، لیکن اس کا کہنا ہے کہ ناک کچھ ٹھیک نہیں بنی، اسے ٹھیک کر دیں۔'' آرٹسٹ نے مردہ لہجے میں کہا۔

''تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے سر، آپ ناک ٹھیک کر دیں۔'' شاگرد بولا۔

''ٹھیک تو میں کب کا کر چکا ہوتا، لیکن مجھے اب یاد نہیں آ رہا ہے کہ میں نے ناک بنائی کہاں تھی؟'' آرٹسٹ نے وحشت زدہ لہجے میں کہا۔

عمرانہ علی، حاصل پور

چار دن کی چاندنی

ایک آدمی کی شادی کو چند روز ہی ہوئے تھے، وہ سسرال والوں کے حسن وسلوک اور خاطر مدارات سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنے سسرال کے مکان کے مین گیٹ پر ایک تختی لگا دی جس پر لکھا تھا۔

''سسرال جنت ہے۔''

اسی گھر کے دوسرے داماد نے جس کی شادی کو کچھ عرصہ گزر چکا تھا، وہ تختی پڑھی تو اسی تحریر کے نیچے لکھ دیا۔

''چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے۔''

عظمیٰ جبیں، لیہ

حفظ ماتقدم

ایک خوش حال تاجر کو کسی معمولی جرم میں دو ہفتے کی قید یا دس ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی، تاجر نے قید بھگتنے کو ترجیح دی تو اس کا ایک قریبی دوست حیران رہ گیا، اس نے تاجر سے کہا۔

''ایسی بھی کیا کنجوسی، جرمانہ ادا کیوں نہیں کر دیتے۔''

''ارے بھئی کنجوسی کی بات نہیں ہے۔'' تاجر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''دراصل آج ہی ہمارے باورچی نے چھٹی لی ہے، گھر پر رہوں گا تو بیوی کے ہاتھ کا پکا کھانا کھانا پڑے گا۔''

وردہ منیر، لاہور

قابل فخر

ایک پانچ سالہ بچی سے نئی پڑوسن نے پوچھا۔

''تمہارے گھر میں کتنے بچے ہیں؟'' بچی نے انگلیوں پر حساب لگا کر کہا۔

''پندرہ......''

''اوہو پندرہ بچے۔'' پڑوسن نے حیرت سے کہا۔

''ان پر تو بڑا خرچ آتا ہوگا۔'' بچی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ہم بچوں کو خریدتے تھوڑی ہیں جو ان پر کوئی خرچ آئے۔'' پھر سینہ تان کر بولی۔

''ہم انہیں پیدا کرتے ہیں۔''

رانیا سحر، ملتان

حسرت

ایک مالک کا اپنے کتے سے خطاب۔

پیارے کتے!

تم صرف ایک کتے ہو، تم نے کبھی یہ تمنا نہیں کی کہ تم انسان ہوتے، میں انسان ہوں، مگر تمنا کرتا ہوں کہ میں ایک کتا ہوتا، تم سونے جاتے ہو تو تین بار گدے کے چکر لگاتے ہو اور لیٹ کر گہری نیند سو جاتے ہو، مجھے سونے سے پہلے دروازوں میں تالے ڈالنا پڑتے ہیں، گھڑی میں چابی بھرنا پڑتی ہے، بلی کو باہر نکالنا ہوتا ہے، کپڑے بدلنا پڑتے ہیں، میری بیوی جاگ جاتی ہے اور بکواس کرنا شروع کر دیتی ہے، پھر بچہ اٹھ جاتا ہے، مجھے بچے کو چپ کرانا پڑتا ہے، میں دیر تک اسے ٹہلاتا رہتا ہوں، جب وہ سو جاتا ہے تو میں سونے کے لئے لیٹتا ہوں۔

تم جاگتے ہو تو اپنا جسم پھیلاتے ہوئے، گردن اکڑاتے ہو اور اٹھ بیٹھتے ہو، مجھے آگ جلانی پڑتی ہے، چولہے پر کیتلی رکھنی پڑتی ہے، بیوی کی گالیاں سننی ہوتی ہیں، پھر میں ناشتا کرتا ہوں، تم دن بھر لیٹے ہوئے مزے کرتے رہتے ہو اور آرام وسکون کا خوب دل کھول کر لطف اٹھاتے ہو، مجھے تمام دن کام کرنا پڑتا ہے لوگوں کی جلی کٹی باتیں سننا پڑتی ہیں، آرام کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں آتا، جب تم مرو گے تو مر ہی جاؤ گے، لیکن میں مروں گا تو مرنے کے بعد مجھے کسی دوسری جگہ جانا پڑے گا اور میں جانتا ہوں کہ وہ کون سی جگہ ہو گی۔

حیدر رضا، جھنگ

جملہ حقوق محفوظ

بارش میں بھیگتے ہوئے ایک صاحب نے دور سے ٹیکسی آتی دیکھی تو لپک کر بیچ سڑک پر کھڑے ہو کر اسے روکا، لیکن اس وقت اس کے غصے کی انتہا نہ رہی، جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے عقب سے ایک خاتون نے آگے بڑھ کر ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور ڈرائیور کے برابر بیٹھ گئیں۔

''یہ تو بڑی ڈھٹائی ہے۔'' وہ صاحب غصے سے بولے۔

''ٹیکسی کو میں نے روکا تھا۔''

''ضرور روکا ہو گا۔'' خاتون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لیکن اس ڈرائیور سے شادی دو سال پہلے میں نے کی تھی۔''

فائزہ عبدالمنان، کراچی

ایک تیر سے......

عابد نے شبیر سے کہا۔

''سنا ہے تمہاری منگنی زاہد صاحب کی جڑواں بیٹیوں میں سے ایک سے ہو گئی ہے؟''

''لیکن ان دونوں بہنوں کی شکلیں تو ایک جیسی ہیں، تمہیں ان میں امتیاز کرنے میں مشکل پیش نہیں آتی؟'' عابد نے تجسس سے پوچھا۔

''میں امتیاز کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔''

شبیر نے اطمینان سے جواب دیا۔

ساجدہ منیر، سیالکوٹ

حفظان صحت

ایک مال دار خاتون اپنے کتے کے ساتھ پھلوں کی خریداری میں مصروف تھیں، اس دوران ان کا کتا کچھ پھلوں کو چاٹنے لگا، جب اس نے یہ عمل بار بار کیا تو دکان دار سے نہ رہا گیا اور اس نے نرمی سے عورت کی توجہ اس کتے کی طرف کرائی، عورت نے کتے سے کہا۔

''ٹومی بند کرو یہ حرکت، تمہیں اتنا بھی خیال نہیں کہ یہ پھل دھلے ہوئے نہیں ہیں۔'' ☆☆

صائمہ محمود

صائمہ سلیم: کی ڈائری سے ایک غزل

میری زندگی تو فراق ہے وہ ازل سے دل میں مکیں سہی
وہ نگاہ شوق سے دور ہیں رگ جاں سے لاکھ قریں سہی
ہمیں جان دینی ہے ایک دن وہ کسی طرح وہ کہیں سہی
ہمیں آپ کھینچیے دار پر جو نہیں کوئی تو ہمیں سہی
سر طور ہو سر حشر ہو ہمیں انتظار قبول ہے
وہ کبھی ملیں وہ کہیں ملیں وہ کبھی سہی وہ کہیں سہی
نہ ہوا نہ پر جو مرا بس نہیں کہ یہ عاشقی ہے ہوس نہیں
میں ان ہی کا تھا ان ہی کا ہوں وہ میرے نہیں تو نہیں سہی
جو ہو فیصلہ وہ سنایئے اسے حشر پہ نہ اٹھایئے
جو کریں گے آپ ستم وہاں وہ ابھی سہی وہ یہیں سہی
اسے دیکھنے کی جو لو لگی تو نصیر دیکھ ہی لیں گے ہم
وہ ہزار آنکھ سے دور ہو وہ ہزار پردہ نشیں سہی

ناز یہ جمال: کی ڈائری سے ایک نظم

''کوئی چاند چہرہ کشا ہوا''

کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
وہ دھند تھی بکھر گئی
وہ جو حبس تھا وہ ہوا ہو
کوئی چاند چہرہ کشا ہوا تو سٹ گئی
وہ جو تیرگی تھی چہار سو
وہ جو برف ٹھہری تھی روبرو
وہ جو بے دلی تھی صدف صدف
وہ جو خاک اڑتی تھی ہر طرف
مگر اک نگاہ سے جل اٹھے
وہ جو چراغ جاں تھے بجھے ہوئے
مگر اک سخن سے مہک اٹھے
میرے گلستان، میرے آئینے
کس جوش نظر کے حصار میں
کس خوش قدم کے جوار میں
کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
میرا سارا باغ ہرا ہوا

ثمن رضا: کی ڈائری سے ایک غزل

محبتوں پہ بڑا قرض ناشنا کا تھا
کہ ایک پل کا تعلق بھی کس بلا کا تھا
بڑی خوشی تھی کہ سر تا پا روشنی تھے ہمیں
مگر یہ صاعقہ عمر گریز پا کا تھا
اسے وداع کے منظر میں ڈھونڈ لائے تھے ہم
پھر اس کے بعد تو اک فیصلہ ہوا کا تھا
لپٹ گیا مرے قدموں سے ناچتا موسم
عجب نہیں جو یہی راستہ صبا کا تھا
مہک رہا ہے شرابور تن بدن سارا
شجر سے یوں تو بڑا فاصلہ گھٹا کا تھا
جھکا وہ چہرہ، وہ زلفیں سمیٹتے ہوئے ہاتھ
گرہ میں دام گر حلقہ تری ادا کا تھا

شاہین سلیم: کی ڈائری سے ایک نظم

''فراز''

میں نے تمہاری یادوں کو
شہر کے گلی کوچوں میں تقسیم کر دیا ہے
تا کہ آنے جانے والے لوگوں کو ڈھول
انہیں دھندلا کر دے
میں نے تمہاری محبت کو
بہت سارے لوگوں میں بانٹ دیا ہے
تا کہ ریزہ ریزہ ہو کر کمزور پڑ جائے
اور میں نے خود کو بہت ساری آنکھوں کے لئے

الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے
تا کہ جدائی کا دکھ
مجھے تلاش کرتا رہے اور کبھی کامیاب
نہ ہو سکے

ایمن عزیز: کی ڈائری سے ایک غزل

وفا سرشت ہوں دوری میں بھی محبت ہے
اکیلے رہے میں لیکن بڑی اذیت ہے
یہ جاگتی ہے تو پھر دیر تک جگاتی ہے
مرے وجود میں سوئی ہوئی جو وحشت ہے
جہاں پہ عشق کی سرحد جنوں سے ملتی ہے
وہاں پہ آ کے ملے وہ اگر محبت ہے
بہت ہیں خواب مگر خواب ہی سے کیا ہو گا
ہمارے بیچ جو حائل ہے وہ حقیقت ہے
وہ دور آیا کہ وہ بھی گھروں کو چھوڑ گئے
جو سوچتے تھے کہ اب مستقل سکونت ہے
سمجھ رہے تھے مسافر قیام کو منزل
خبر نہیں تھی کہ آگے بھی ایک ہجرت ہے
بہت سے لوگ دلوں میں چھپائے بیٹھے ہیں
یہ فاطمہ ہی نہیں ہے جسے شکایت ہے

زارا رحیم: کی ڈائری سے ایک غزل

دل سمندر میرا قاتل ٹھہرا
میں کہ اجڑا ہوا ساحل ٹھہرا
اک آنسو میں سمٹ آیا ہوں
زندگی میں تیرا حاصل ٹھہرا
اک ہو سناک معمہ ہوں میں
مجھ کو سمجھو کو میں جاہل ٹھہرا
تم ہی منظر کو بدل کر دیکھو
میں ہوں نادم کہ میں کاہل ٹھہرا
کیا حقیقت ہے آنکھوں میں میرے
ہر تصور تیرا باطل ٹھہرا

حمیرا رضا: کی ڈائری سے ایک غزل

تنہا میری ذات کہیں سے آ جاؤ
سن لو میری بات کہیں سے آ جاؤ
دشمن بازی جیت رہا ہے چپکے سے
ہونے کو ہے مات کہیں سے آ جاؤ
کچی اینٹیں اور عمارت گارے کی
اور اس پر برسات کہیں سے آ جاؤ
دل کی بستی پر ہے خوف اندھیروں کا
ہو جائے نہ رات کہیں سے آ جاؤ
کچی عمریں اس پر خواب محبت کے
کیا کیا ہیں جذبات کہیں سے آ جاؤ
آنکھیں رستہ دیکھ رہی ہیں مدت سے
گردش میں حالات کہیں سے آ جاؤ
موسم موسم لوگ بدلتے ہیں راشد
دل پر ہیں صدمات کہیں سے آ جاؤ

ماریہ عثمان: کی ڈائری سے ایک غزل

انا کے خول سے باہر بھی آ کر دیکھ لیتے ہیں
بھلا وہ کیوں منائے ہم منا کر دیکھ لیتے ہیں
سنا ہے منزلوں سے جا کے رستے پھر نکلتے ہیں
کسی رستے کو ہم منزل بنا کر دیکھ لیتے ہیں
جدائی کا یہ بھرتا زخم بھی اچھا نہیں لگتا
یہی سچ ہے تو پھر اس کو بلا کر دیکھ لیتے ہیں
محبت زرد موسم سے لپٹ کر جب بھی روتی ہے
تو بالوں میں گلابوں کو سجا کر دیکھ لیتے ہیں
سبھی کچھ جانتے ہو اور پھر الزام دیتے ہو
تو رسموں کی کوئی دیوار ڈھا کر دیکھ لیتے ہیں

ماروخ آصف: کی ڈائری سے ایک نظم

"کبھی کبھی"

کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوا کرتا ہے
جیسے لفظ کے سارے رشتے بے معنی
لگتی ہے کانوں کو اکثر
خاموشی!
آواز کے سناٹے سے بہتر
سادہ کاغذ

لکھے ہوئے کاغذ سے اچھا لگتا ہے
خوابیدہ لفظوں کو آخر
جاگتی آنکھوں کی تصویر دکھائیں کیسے
پلکوں پر آواز سجائیں کیسے
کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے تم میری نظمیں ہو
جن کو پڑھ کر کبھی کبھی میں یوں بھی سوچا کرتا ہوں
لفظوں کے رشتے بے معنی ہوتے ہیں
لفظ کہاں جذبوں کے ثانی ہوتے ہیں

صائمہ ابراہیم: کی ڈائری سے ایک غزل

بہت دن رہ لئے ناراض اب من جائیں ہم دونوں
چلو اک بار پھر سے آشنا بن جائیں ہم دونوں
یہاں والوں کی آنکھوں میں حیا ہو یا مروت ہو
تو آخر کیوں یہ بستی چھوڑ کے بن جائیں ہم دونوں
کسی ہوٹل میں چل کر سوچتے ہیں شام کی بابت
گزاریں وقت ساحل پہ کہ گلشن جائیں ہم دونوں
یہاں ہونا نہیں کافی یہاں بننا ہی پڑتا ہے
چلو اک دوسرے کے کچھ نہ کچھ بن جائیں ہم دونوں
یہیں کچھ دور واقع ہے ہمارے پیارے کا مدفن
اگر دے زندگی فرصت تو مدفن جائیں ہم دونوں
شعور اس بھیڑ میں رستہ ملے تو بھیڑ سے باہر
عجب سا اک نشیمن ہے نشیمن جائیں ہم دونوں

حنا عبدالرحمان: کی ڈائری سے ایک نظم

"دل دریا"

لوگوں نے کہا
اس در سے کبھی
کوئی ناامید نہیں لوٹا
کوئی خالی ہاتھ نہیں آیا
میں بھی لوگوں کے ساتھ چلا
چہرے پر گرد ملال لیے
اک پر امید خیال لئے
اک خالی دست سوال لئے
جب قافلہ اس در پر پہنچا
میں اس گھر کو پہچان گیا
پھر خالی ہاتھ ہی لوٹ آیا
اس در سے مجھے کیا ملنا تھا
وہ گھر تو میرا ہی اپنا ہے

سدرہ نعیم: کی ڈائری سے ایک غزل

جہان لمحہ سر بستہ کے حصار میں ہوں
میں زندگی ہوں مگر ہیبت غبار میں ہوں
خود آگہی کے زمان و مکاں سے گزرا ہوں
وجود ذات کے دریائے بے کنار میں ہوں
بدن کی راکھ میں پھر انگلیاں گڑولی ہیں
شرار زیست کو چھونے کے اضطرار میں ہوں
شکستگی کے مسلسل عمل سے ہوں دو چار
میں ارتقاء کے پس پردہ انتشار میں ہوں
تلاش میں ہوں کہ ہات آئے قدرت تسخیر
حریف وقت ہوں اور پیکر نزار میں ہوں
نجانے کتنے ہی آدرش ہو گئے معدوم
مری بساط ہی کیا ہے میں کسی قطار میں ہوں
پس وجود ہوں نامنکشف وفا چشتی
کسی نگاہ تصرف کے انتظار میں ہوں

زاہدہ اظہر: کی ڈائری سے ایک غزل

اور تو خیر کیا رہ گیا
ہاں مگر اک خلا رہ گیا
تم سبھی دل کے رخصت ہوئے
درد بے انتہا رہ گیا
زخم سب مندمل ہو گئے
اک دریچہ کھلا رہ گیا
رنگ جانے کہاں اڑ گئے
صرف اک داغ سا رہ گیا
آرزوؤں کا مرکز تھا دل
حسرتوں سے گھرا رہ گیا
زندگی سے تعلق مرا
ٹوٹ کر بھی جڑا رہ گیا

کس کو چھوڑا خزاں نے مگر
زخم دل کا ہرا رہ گیا
کام اجمل بہت تھے ہمیں
ہاتھ دل پہ دھرا رہ گیا

فضہ بخاری: کی ڈائری سے ایک نظم

''مکالمہ''

تم ایسی صبحوں، تم ایسی شاموں میں
اپنے گھر سے کبھی نہ نکلو
کہ جب ہوائیں
سپردگی سے نہال ہو کر
تمہارے پہلو میں ڈولتی ہوں
تمہارے آنچل سے کھیلتی ہوں
تم ایسی صبحوں، تم ایسی شاموں میں
اپنے گھر سے کبھی نہ نکلو
کہ جب ہوائیں
اداس لہجے میں تم سے پوچھیں
تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا
تمہارے چہرے پہ کیا لکھا ہے
تمہارے اٹھتے ہوئے قدم پر
یہ لڑکھڑاہٹ سی کس لئے ہے
تم ایسی صبحوں، تم ایسی شاموں میں
اپنے گھر سے کبھی نہ نکلو
کہ جب ہوائیں
بدلتے موسم کی سازشوں میں شریک ہو کر
تمہارے جی میں غلط بیانی کا زہر گھولیں
تمہارے بارے میں جھوٹ بولیں
سنوارے پیاری سی، سانولی سی، نچیلی لڑکی!
یہی ہوائیں تو آتے جاتے مسافران رہ وفا پر
ہزار تہمت اچھالتی ہیں
محبتوں پر یقین نہ ہو تو
دلوں میں پیہم
ہزاروں واہموں کو ڈالتی ہیں
تم ایسی صبحوں، تم ایسی شاموں میں
اپنے گھر سے کبھی نہ نکلو
کہ جب ہوائیں......!

ثمرہ شیرازی: کی ڈائری سے ایک نظم

چپکے چپکے جل جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے
پروانسنگ نکل جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے
آنکھوں آنکھوں چل پڑتے ہیں
تاروں کی قندیل لئے
چاند کے ساتھ ہی ڈھل جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے
دل میں پھول کھلا دیتے ہیں
آگ میں راگ جگا دیتے ہیں
پانی بیچ بتاشے صورت
خود تو گھلتے رہتے ہیں
غم کو شہد بنا دیتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے
تتلی تتلی لہراتے ہیں
پھولوں کی امید لئے
اک دن خوشبو بن جاتے ہیں

حفصہ حماد: کی ڈائری سے ایک نظم

''مہنگا سودا''

اس کے غم کی خریدار بنی تھی
وہ اپنے غم بیچ کر
بدلے میں لے گیا
میری خوشیاں ساری
میری ہنسی!

☆☆☆

عین غین

حرا نعیم ---- ملتان

س: شادی کا پہلا مہینہ فخر سے اور دوسرا صبر سے اور تیسرا......؟
ج: جبر سے۔
س: کون سا جرم کیا تھا جو حنا کی محفل میں آ گئے؟
ج: کس نے؟
س: آپ کی عمر کیا ہے سچ سچ بتانا؟
ج: آپ نے عمر سے کیا لینا ہے۔

رباب رحمان ---- فیصل آباد

س: اک آرزو ہے ہم سب مل کر تمہارے گھر آئیں؟
ج: یہ سب کون ہیں؟
س: اگر ہو سکے تو ہاں کہہ دو؟
ج: اگر میں ناں کہہ دوں تو تمہاری تو آرزو ہی پوری ہو جائے گی۔
س: خوشبو ہے کہ اب تک نہیں گئی میرے گھر سے
اک روز میرے گھر میں کوئی مہمان آیا تھا
ج: آ رہی ہیں عجب آوازیں
جن ہے جاناں ترے مکان میں کیا؟

عالیہ بٹ ---- ملتان

س: کیا مشہور معروف عین غین صاحب یہیں رہتے ہیں؟
ج: کیا آپ کو شک ہے۔
س: سلام عرض کرتی ہوں؟
ج: وعلیکم السلام عرض ہے۔
س: آپ کو ستانے والوں میں ایک اور اضافہ؟
ج: کس کا؟
س: روتے کیوں ہیں؟
ج: ستانے والوں کو دیکھ کر ہنستا کون ظالم ہے۔

نویدہ قمر ---- اسلام آباد

س: نئے آنے والے قارئین کو آپ کیسے خوش آمدید کہتے ہیں؟
ج: خوش آمدید کہہ کر۔
س: کسی کی یاد آنے کے فوراً بعد اگر وہ خود ہی سامنے آ جائے تو کیا سمجھنا چاہیے؟
ج: یہ تو آپ پر منحصر ہے کہ اس کو کیا سمجھتی ہیں۔
س: یاد کا سفر بس کا سفر، تنہائیوں کا سفر، وحشتوں کا سفر، زندگی میں سفر کے علاوہ کچھ اور بھی ہے کہ نہیں؟
ج: صرف انگریزی کا سفر۔
س: جسے دیکھنے کو دل نہ چاہے وہی بار بار نظروں کے سامنے آ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: آنکھ بند کر لیں۔
س: زندگی میٹھی ہے کھٹی ہے یا کڑوی ہے؟
ج: کچھ کھٹی ہے کچھ میٹھی۔
س: عین غین صاحب آپ کے اس خوبصورت نام سے متاثر ہو کر میرا جی چاہتا ہے کہ اپنا نام نون قاف رکھ لوں کیا خیال ہے؟
ج: ساتھ ندا کی بجائے بھی ن لکھ لینا آسانی ہو گی۔
س: آپ زیادہ سے زیادہ میرے کتنے سوالوں کے جواب دینے کی سکت رکھتے ہیں؟
ج: آپ زیادہ سے زیادہ کتنے سوال کرنے کی سکت رکھتی ہیں۔

عینا سحر ---- جہلم

س: سنا ہے آپ بات کرتے ہیں تو رس گلے جھڑتے ہیں؟

ج: آپ آ کر کھالیں۔

س: کس کا ہے یہ تم کو انتظار میں ہوں ناں؟

ج: کیا ہو تم۔

س: وجود زن سے ہے تو تصویر کائنات میں رنگ اور وجود مرد سے؟

ج: تصور کائنات۔

س: آپ میرے سوال دیکھ کر گواچی گاں جیسا منہ کیوں بنالیتے ہیں؟

ج: آپ میرے جواب پڑھ کر کھسیانی بلی جو بن جاتی ہو۔

خالق رضا کنول ---- بھکر

س: چار جنوری کی رات گیارہ بجے ان کے مکان کی چھت پر میں نے کیا محسوس کیا؟

ج: جیسے کوئی آرہا ہو۔

س: کنوارے اور شادی شدہ انسان میں فرق بتائیں؟

ج: کنوارہ بے خوف اور شادی شدہ ہمیشہ خوفزدہ نظر آئے گا۔

س: ہے تو وہ بھی بڑی تین مگر میں اکثر کامیاب ہوجاتا ہوں؟

ج: اس کی مار سے بچ جانے میں۔

س: میں تمہاری ہر جائز ناجائز خوشی پوری کروں گی یہ الفاظ لڑکی کب کہتی ہے؟

ج: قبول ہے کہنے تک ہاتھ میں لینے تک۔

س: کوئی شکوہ اگر ہو کوئی شکایت اگر ہو تو ہم سے گلہ کرو پر تم ملا کرو؟

ج: اگر یہی حال رہا تو کسی دن اچھی شاعری کرنے لگو گے۔

س: اگر کسی کمسن لڑکی سے اظہار محبت کیا جائے تو کیسے؟

ج: میری بیٹیا بڑی اچھی ہے ٹافی کھاؤ گی۔

س: ایک آنکھ صائمہ پر رکھ بیٹھا اور دوسری سدری پر اب ماریہ پر کیا رکھوں؟

ج: کیا کوئی آنکھ پھوٹنے سے بچ گئی ہے جو ماریہ کا خیال باقی ہے۔

نمرہ جاوید ---- رحیم یار خان

س: اف گرمیوں میں اتنی گرمی کیوں لگتی ہے؟

ج: کیونکہ سردیوں میں سردی لگتی تھی۔

س: ہم مسلمان کیسے متحد ہو سکتے ہیں؟

ج: بڑا مشکل کام ہے کر کے دیکھ لو۔

س: کیا واقعی لمبے ناخن خوبصورت لگتے ہیں؟

ج: یہ نہیں لکھا کہ کس کے لمبے ناخن۔

س: یہ دنیا ہے یہاں دل کا لگانا کسی کو آتا ہے بتائیں تو؟

ج: واقعی مجھے نہیں پتہ اخبار میں اشتہار دے دیں شاید کوئی بتا دے۔

س: جب دل ہی ٹوٹ گیا؟

ج: سہگل مرحوم نے کہا تھا اب جی کے کیا کریں۔

زوباریہ ---- خیر پور ٹامیوالی

س: عینی جی اداس لمحوں میں چاندنی راتیں دل پر گہرا نقش چھوڑ جاتی ہیں؟

ج: گرمیوں کی دوپہر میں باہر نکلا کرو، اداسی نزدیک ہی نہیں آئے گی۔

س: عینی جی یہ تو بتائیے کہ خوشی کا رنگ کیسا ہوتا ہے؟

ج: شفق کی لالی چہرے پر دوڑ جاتی ہے۔

س: دعا کیجئے دل کی بستی میں جو ہلچل مچی ہے وہاں پر ٹھہراؤ آجائے؟

ج: دل تو سمندر سے بھی گہرا ہوتا ہے جس کی تہہ میں ہمیشہ طوفان ہلچل مچاتے رہتے ہیں۔

☆☆☆

عبداللہ

اے بے خبر

کہتے ہیں نہ کہ چھٹتی نہیں ہے کافر منہ کو لگی ہوئی ہو تو؟ ریما چاہے سات سمندر پار ہی کیوں نہ جا بسے شو بزنس کا چسکا بھلا کہاں جان چھوڑتا ہے سو اب ریما بھی عنقریب امریکہ کے ایک نجی ادارے کے تحت بننے والے ٹی وی پروگرام میں ایک پاکستانی چینل کے ذریعے جلد نظر آنے والی ہیں، ریما کا دعویٰ ہے کہ پروگرام، منفرد نوعیت کا ہوگا اور پاکستانی ٹی وی انڈسٹری کو ایک نئی ڈگر پر چلائے گا، ویسے دور دیس جا بسنے والی ریما بی بی کو ابھی تک یہ خبر نہیں مل سکی کہ فلم انڈسٹری کی طرح ٹی وی انڈسٹری بھی بحران کا شکار ہے، جس طرح فلم کو بھارت سے پرابلم ہے اسی طرح اب چھوٹی اسکرین پر بھی ترکی کا جھنڈا لہرانے لگا ہے۔

ساحرانہ حسن کی مالک

مادھوری ڈکشٹ کتنی حسین ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں اس کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے اس کے شوہر ڈاکٹر سری رام پرتھ تو شاید کچھ زیادہ ہی اثر کر گیا ہے، دنیا میں بے شمار ایسے لوگ ہیں جو اس دھک دھک گرل کے ساتھ چند سیکنڈ کی گفتگو کرنے کے لئے بے چین رہتے ہیں، مگر صرف ڈاکٹر نینے ہی وہ خوش قسمت انسان ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں یہی نہیں وہ اپنی بیوی کا اس قدر خیال رکھتے ہیں کہ اکثر جن شوز میں مادھوری جج کے فرائض انجام دے رہی ہوتی ہے ڈاکٹر صاحب بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں کہ اس کو کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے، وہ دن رات ہر پل ہر لمحہ اس کا سایہ بنے رہتے ہیں اور مادھوری کی دلچسپیوں میں بھرپور حصہ لیتا

ہے۔
اس میں قصور نینے کا نہیں ماہ دھوری ہے کہ وہ ہے اس قدر چارمنگ کوئی بھی اس کا دیوانہ ہو سکتا ہے چاہے وہ اس کا شوہر ہی کیوں نہ ہو۔

تو نہیں میرا ماہیا

گلوکارہ عینی اور نوید اعوان کی شادی کو ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں اور ان گنتی کے دنوں میں دنوں ایک دوسرے کی شکل سے بیزار ہو گئے ہیں، ایک طرف عینی اور دوسری طرف نوید پول ایک دوسرے کے کھولنے میں مصروف ہیں اور بیان بازی کی جنگ، آج کل میڈیا پلیٹ فارم پر چل رہی ہے، عینی کا کہنا ہے کہ اس کا شوہر اس پر تشدد کرتا ہے وہ اس خوف کی فضا میں مزید نہیں رہ سکتیں، اسی لئے وہ دوبئی چھوڑ کر لندن والدین کے پاس چلی گئیں ہیں جبکہ نوید نے الزام لگایا ہے کہ عینی ان کے گھر سے ایک بڑی رقم چرا کر بھاگی ہیں، (آپ نے اتنی بڑی رقم گھر میں رکھی کیوں؟) عینی کا والد ایک لالچی انسان ہے اور عینی نے صرف دولت کے لئے ہی اس سے شادی کی تھی۔

(تو نوید صاحب آپ کے یہ بات اتنی دیر سے کیوں پتا چلی ورنہ سبھی جانتے ہیں شوبز کی یہ تتلیاں دولت دیکھ کر ہی تو گرتی ہیں)

سو اب بات نکلی ہے تو دیکھیں کہاں تک پہنچے۔

اداکار ہی نہیں اچھا باپ بھی

کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بڑھاپے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر نوجوانوں جیسے شوخ کردار کرنے کے مشتاق جاوید شیخ حقیقت میں اتنے

ذمہ دار ہو گا، اپنے بچوں کے پروان چڑھنے والے دنوں میں انہوں نے گھر، بیوی اور بچوں چاہے جتنا بھی نظر انداز کیا ہو اس سے قطع نظر لاکھ مصروفیات ہوں، پچھلے دنوں اپنے بیٹے کی شادی میں اپنی ساری مصروفیت کو پس پشت ڈال کر جوش و خروش سے اپنے وارث کی خوشیوں میں شریک ہوئے اور اپنے تمام فرائض احسن طریقے سے انجام دیے۔

حنا کا دسترخوان

تحریم محمود

چکن چائنیز کباب

اشیاء

مرغی کا قیمہ باریک	ایک کلو
ڈبل روٹی کے سلائس	چار عدد
سویا ساس	چار کھانے کے چمچے
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا باریک کٹا ہوا	آدھا کپ
ہری مرچ کٹی ہوئی	چار عدد
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
انڈا	ایک عدد
ہری پیاز کٹی ہوئی	دو عدد باریک
اجینوموتو	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
کوکنگ آئل	تلنے کے لئے

ترکیب

سب سے پہلے قیمہ میں سلائس کو سرکہ اور سویا سوس میں چور کر کے ملا دیں اور قیمہ کو آٹے کی طرح گوندھیں، اس کے بعد باقی مصالحہ ملا کر تھوڑی دیر یعنی تیس منٹ کے لئے رکھ دیں، پھر کباب بنا کر فرائی کر لیں اور ٹماٹو کیچپ کے ساتھ کھائیں۔ نوٹ، ان کباب کو ڈیپ فرائی نہیں کرنا ہے۔

ٹومیٹو چکن

اشیاء

مرغی کا گوشت	آدھا کلو
کلونجی	آدھا چائے کا چمچہ
لال مرچ	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
ادرک، لہسن	دو چائے کے چمچے
ٹماٹر کا پیسٹ	چھ کھانے کے چمچے
زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
رائی	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ٹماٹر	چوکور کاٹ چار عدد
کوکنگ آئل	آدھا کپ

ترکیب

تیل گرم کر کے اس میں زیرہ، کلونجی اور رائی ڈال کر فرائی کر لیں، پھر اس میں ادرک، لہسن ڈال کر بھون لیں، اب اس میں مرغی ڈال کر بھون کر اس میں نمک، لال مرچ اور ٹماٹر ڈال کر ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ میں گوشت کو گلا لیں، آخر میں ٹماٹر کا پیسٹ ڈال کر اچھی طرح بھون لیں، مزے دار ٹومیٹو چکن تیار ہے۔

بارہ مصالحے کا مرغ

اشیاء

مرغ	ایک عدد
بناسپتی گھی	ایک پیالی
دہی	ایک پاؤ
پیاز	آدھا پاؤ
ادرک اور لہسن پسا ہوا	دو چائے کے چمچے
نمک	ڈیڑھ چائے کا چمچہ

بادام، کھوپرا، تل، خشخاش، دھنیا، سفید زیرہ یہ سب مصالحے تین تین چائے کے چمچے

ترکیب

پہلے مرغ کو صاف کر کے اس کے ٹکڑے کاٹ لیں، سارے مصالحے بھون کر پیس لیں اور دہی میں ملا دیں، دہی اور مصالوں کو مرغ میں ملا کر دس یا پندرہ منٹ کے لئے رکھ دیں، ایک دوسری دیگچی میں گھی گرم کر کے پیاز لچھوں میں کاٹ کر بادامی رنگ پر تل لیں، جب پیاز لال ہو جائے تو مرغ اس میں بگھار دیں اور اتنا بھونیں کہ سرخی آ جائے، ایک پیالی پانی ڈال کر مرغ کو گلنے کے لئے چھوڑ دیں، جب مرغ گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو تھوڑا سا بھون کر پسی ہوئی زعفران ڈال دیں، اب اس کو اوون میں دم کے لئے رکھ دیں، تا کہ گھی اوپر آ جائے، نوٹ، مرغ بھونتے وقت اس بات کا خیال رکھیں، کہ مصالحہ بالکل سوکھ نہ جائے۔

بادام کے شاہی کباب

اشیاء	
بادام بھگو کر چھلکا اتار لیں	125 گرام
دودھ	ایک پاؤ
پیاز چھوٹی کٹی ہوئی	سو گرام
مکھن	دو عدد کھانے کے چمچے
ہری مرچیں باریک کٹی	چار عدد
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
پودینہ باریک کٹا ہوا	دو چائے کے چمچے
میدہ	دو چائے کے چمچے
لال مرچ پسی ہوئی	ایک چوتھائی
بناسپتی گھی	تلنے کے لئے
خشک ڈبل روٹی کا چورا	
نمک	حسب ضرورت
میدہ	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

بادام کو پیس کو پتلا پیسٹ بنا لیں، تھوڑے سے گھی کو گرم کریں اور اس میں پیاز، ہری مرچیں ڈال کر ہلکا براؤن کر لیں، مکھن کو گرم کریں اور اس میں دودھ ڈال کر ابالیں، پھر میدہ ڈال کر اس وقت تک پکائیں جب تک گاڑھا نہ ہو جائے، اس میں پسے بادام، فرائی کی ہوئی پیاز اور مرچیں، باریک کٹا دھنیا اور پودینہ ڈال کر اچھی طرح ملائیں، آگ پر سے اتار کر پلیٹ میں ڈال کر ٹھنڈا کریں اور کباب بنا لیں، باقی میں گرام یا دو چمچے میدے کو تھوڑے سے پانی میں گھول لیں، کباب کو پہلے میدہ والے برتن میں ڈالیں، پھر خشک ڈبل روٹی کا چورا لگائیں اور ڈیپ فرائی کریں، بادام کے شاہی کباب تیار ہیں، گرم گرم سرو کریں۔

انرجی سلیڈ

اشیاء	
آلو	دو عدد
بند گوبھی کتری ہوئی	ایک پیالی
گاجر باریک کٹی ہوئی	آدھی پیالی
شملہ مرچ باریک کٹی ہوئی	آدھی پیالی
کھیرا کٹا ہوا	ایک عدد
ٹماٹر کتر لیں	دو عدد
پیاز باریک کٹی ہوئی	ایک عدد
سلاد کے پتے	حسب ضرورت
پودینا، دھنیا باریک کٹے ہوئے	
لیموں عرق نکال کر	چھ عدد
سفید لوبیا ابلا ہوا	آدھی پیالی
کریم	ایک چوتھائی پیالی
اخروٹ	دو عدد
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
مایونیز	آدھی پیالی
کنڈینسڈ ملک	دو چائے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
کوکنگ آئل	دو چائے کے چمچے

ترکیب

آلوؤں کو ابال کر نرم کر لیں اور ان کا چھلکا اتار کر چوکور ٹکڑے کاٹ لیں، لیموں کا عرق، کوکنگ آئل، نمک اور کالی مرچ کو ملا کر اچھی طرح یک جان کر لیں اور انہیں آلوؤں میں ڈال دیں اور ہلکے ہاتھ سے مکس کر لیں، جب سبزیاں اچھی طرح مکس ہو جائیں تو یہ آمیزہ فریج میں رکھ دیں، اب ایک شیشے کا برتن لیں اور اس میں سلاد کے پتے اس طرح لگائیں، جس طرح پلیٹ میں لگاتے ہیں، مگر پتوں کی مدد سے برابر کر لیں، یک جان کیا ہوا کنڈینسڈ ملک، مایونیز اور کریم اوپر ڈال دیں اور پسی ہوئی کالی مرچ اوپر چھڑک دیں، سلاد کے پتے بھی باریک کاٹ کر اوپر ڈالیں، اخروٹ کے مغز کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے سلاد سجا دیں، مزے دار انرجی سیلڈ تیار ہے۔

ہانڈی ساگ چکن

اشیاء	
مرغی بون لیس	ڈیڑھ کلو
لال مرچ کٹی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
دہی	ایک کپ
تیل	ایک کپ
پیاز چوپ کر لیں	دو عدد
پالک	آدھا کلو
میتھی چوپ کر لیں	ایک پاؤ
سویا چوپ کر لیں	آدھی گڈی
ہری مرچ باریک چوپ کر لیں	چار یا چھ عدد
ٹماٹر چوپ کر لیں	ایک عدد

ترکیب

پالک میتھی صاف کر کے کاٹ لیں، ایک گلاس پانی میں دو مرتبہ ابال دے کر پانی پھینک دیں، تیل گرم کریں پیاز لائٹ براؤن کر لیں، لال مرچ، ہلدی پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، لہسن، ادرک پیسٹ، دہی اور پیاز ڈال کر مصالحہ بھون لیں اس کے بعد مرغی اور آدھا کپ پانی ڈال کر درمیانی آنچ پر دس منٹ تک پکا لیں، اس کے بعد پالک میتھی، ٹماٹر، سویا اور ہری مرچ ڈال کر دس منٹ پر رکھ دیں، مزے دار ہانڈی ساگ چکن تیار ہے گارنش کر کے چپاتی یا نان کے ساتھ سرو کریں۔

اسٹفڈ گولڈن چکن

اشیاء	
مرغی ثابت رہنے دیں	ایک عدد
زیتون کا تیل	دو کھانے کے چمچے
پی نٹ بٹر	دو کھانے کے چمچے
پیاز چوپ کر لیں	دو عدد
خشک پودینہ	ایک چائے کا چمچہ
تلسی کے پتے خشک	ایک چائے کا چمچہ
سویا سوس	ایک کھانے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
روز میری	دو گٹھی
چاول	ایک کپ
(نمک ملے پانی میں ابال کر پانی نتھار لیں) ہری	
پارسلے چوپ کیا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
مکھن	چار کھانے کے چمچے
دار چینی پاؤڈر	ایک چٹکی
سفید مرچ پاؤڈر	ایک چٹکی
اوریگانو پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
یخنی	ڈیڑھ کپ
لہسن کے جوئے کوٹ لیں	دو عدد
مرچ چوپ کر لیں	دو عدد

اخروٹ بھنے ہوئے	چار کھانے کے چمچے
سرکہ	آدھا کپ
اجوائن پاؤڈر	ایک چٹکی

ترکیب

مرغی کو اچھی طرح دھو کر خشک کر لیں اور اس پر سرکہ لگا کر تیس منٹ کے لئے رکھ دیں اس کے بعد کچن پیپر پر رکھ کر دوبارہ خشک کر لیں، سوس پین میں زیتون کا تیل گرم کر کے اس میں پی نٹ بٹر ڈال کر چمچہ چلائیں پیاز، خشک پودینہ، تلسی کے پتے اور ریگانو پاؤڈر، سویا ساس، سیاہ مرچ پاؤڈر، لہسن کے جوے اور نمک ڈال کر پانچ منٹ تک فرائی کریں، اس کے بعد اس میں چاول، ہری مرچ، پارسلے اور خروٹ ڈال کر چمچہ چلائیں اور تین منٹ تک فرائی کریں اس کے بعد سوس پین کو چولہے سے اتار لیں، ایک پیالے میں مکھن ڈال کر اس میں دار چینی پاؤڈر، جوائن پاؤڈر، سفید مرچ پاؤڈر اور نمک ڈال کر مکس کر لیں اور مکھن کے مکسچر کو مرغی پر خوب اچھی طرح لگائیں (اندر بھی لگائیں) اس کے بعد تیار کی ہوئی اسٹفنگ مرغی کے اندر بھریں اور اسے کوکنگ اسٹرنگ سے بند کر دیں، ایک بیکنگ کیسرول ڈش میں تیل لگا کر اسے چکنا کر لیں، اسٹف کی ہوئی مرغی کو اس میں رکھیں اس میں یخنی اور روز میری ڈالیں اور کیسرول ڈش کو المونیم فوائل سے ڈھک کر پہلے سے گرم اوون میں 160c پر رکھ کر دو گھنٹے بیک کریں، اس کے بعد بیکنگ ڈش کو اوون سے نکال کر المونیم فوائل ہٹا دیں اور کیسرول ڈش کو دوبارہ اوون میں رکھ کر پندرہ بیس منٹ تک مرغی کو بیک کریں (سارا پانی خشک ہو جانا چاہیے) مرغی کے اوپری جلد گولڈن براؤن ہونے پر اسے اوون سے نکال لیں، مزے دار اسٹفڈ گولڈن چکن تیار ہے، فرائی کیے ہوئے آلو کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

میتھی اور پالک کا ساگ

اشیاء

میتھی	ایک گڈی
پالک	ایک گڈی
لہسن	ایک چائے کا چمچہ
ادرک	ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	دو سے تین عدد
چاٹ مصالحہ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ثابت سرخ مرچ	تین سے چار عدد
چیری ٹماٹو	آٹھ سے دس عدد
پیاز چوپ کر لیں	ایک عدد
تیل	دو کھانے کے چمچے
سرخ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
تھائی گرین کری پیسٹ	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب

پالک اور میتھی کو دھو کر کاٹ لیں، پتیلی میں تیل گرم کریں، اس میں لہسن، ادرک، ہری مرچیں، ثابت سرخ مرچیں، پیاز ڈال کر اچھی طرح بھون لیں، اس کے بعد اس میں پالک، میتھی اور سرخ مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، زیرہ پاؤڈر، نمک، تھائی گرین کری پیسٹ ڈالیں اور ہلکی آنچ پر آٹھ سے دس منٹ کے لئے پکائیں۔

میتھی اور پالک کا ساگ تیار ہے، سرونگ ڈش میں نکالیں، چیری ٹماٹو سے گارنش کر کے سرو کریں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط کے ساتھ حاضر خدمت ہیں آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

آج ہم جس دنیا میں سانس لے رہیں، اسے مہذب دنیا کہا جاتا ہے، انسانیت کا جتنا پرچار آج کیا جا رہا ہے پہلے کبھی نہ تھا، انسان تو انسان جانوروں تک کے تحفظ کے لئے بے شمار قوانین بنائے گی ہیں، لیکن انسانیت کا عملی وجود کہیں نظر نہیں آتا، دہشت گروی، بم دھماکے، بے روزگاری اور مہنگائی جیسے بے تحاشا مسائل کا سامنا ہے ان حالات نے ہر احساس دل انسان کے دل و دماغ پر بے بسی اور لاچاری کی کیفیت طاری کر رکھی ہے آج کی دنیا میں کمزور ہونا جرم اور طاقت قانون ہے۔

ذرا سوچیے کیا وہ معاشرہ، وہ ملک وہ دنیا تہذیب یافتہ اور مہذب کہلائی جا سکتی ہے جہاں انصاف کا معیار طاقت اور اختیار ٹھہرے، تاریخ کے اس موڑ پر جہاں آج کھڑے ہیں ہم سب جواب دہ ہیں، کہ اجتماعی طور پر نہ سہی انفرادی سطح پر کہیں نہ کہیں اپنے دائرہ کار میں ہم بھی با اختیار ہیں۔

اپنی دعا میں یاد رکھیئے گا، بلکہ جب ہاتھ اٹھائیں تو دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تمام مسلمانوں خصوصاً اہل پاکستان کو اپنی حفظ وامان میں رکھے آمین۔

جنوری کا شمارہ سالگرہ نمبر تھا ہمیں خوشی ہے کہ سالگرہ نمبر ہمارے قارئین کے ذوق پر پورا اترا اس کے لئے بے شمار خطوط، ای میل زملیں، صفحات کے محدود ہونے کی وجہ سے ہم تمام خطوط شائع نہیں کر سکتے، لیکن آپ کے تمام خطوط ہم نے اسی محبت خلوص سے پڑھے جس چاہت سے آپ نے لکھے، اس کے لئے ہم آپ کے بے حد ممنون ہیں۔

دعا گو ہیں کہ آپ کا اور ہمارا محبتوں کا یہ بندھن یونہی قائم و دائم رہے آمین آیئے آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں یہ پہلا خط ہمیں جس کا ملا ہے اس کا نام دیکھئے کتنا پیارا ہے۔

ایمان فاطمہ: بنت عمر فاروق وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

نیا سال مبارک ہو، 2013ء جنوری کا شمارہ ہاتھ میں آ چکا ہے، ٹائٹل کی بات ہو تو حنا کا ٹائٹل پسند آیا میک اپ اور ڈریسنگ بہت اچھی تھی انشا نامہ اور اسلامیات دونوں بہت پسند آئے، سلسلے وار ناول بے حد اچھے جا رہے ہیں، مصنفین کو داد تحسین پیش کرتی ہوں، مکمل ناول دونوں ہی زبردست تھے، سندس جبیں کی کہانی اچھی جا رہی ہے، ان کی تحریر میں آہستہ آہستہ مزید پختگی آ رہی ہے۔

افسانوں میں قراۃ العین رائے کا "سمجھوتہ" سب سے زیادہ پسند آیا ان کی کہانی کا مرکزی

کردار زلیخا کی سوچ بالکل میرے جیسی تھی، مصباح نوشین، فرخ طاہر اور ثوبیہ نور العین کے افسانے مختصر مگر با اثر اور متاثر کن تھے، عالی ناز نئی لکھاری شامل ہوئی ہیں لیکن ان کی تحریر بڑییزے کی تھی، ان دوستوں کی پکڑ دھکڑ اور بھاگم بھاگ کبھی ہماری ہاسٹل لائف کا بھی حصہ تھی، عالی جی آپ نے ہمیں ہمارا زمانہ یاد کروا دیا، آپ کی اگلی تحریر کا انتظار رہے گا، مستقل سلسلے سبھی اچھے تھے، خاص کر حنا کا دستر خوان اور کس قیامت کے یہ نامے، شوق سے پڑھتی ہوں۔

حنا کو میری طرف سے 34 ویں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو، اللہ کرے 35 واں سال آپ کی کامیابی کو مزید چار بلکہ آٹھ دس چاند لگا دے، آمین۔

ایمان فاطمہ بنت عمر فاروق خوش آمدید اس محفل میں، آپ کا نام ہمیں بے حد پسند آیا، جنوری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ ہم آئندہ بھی آپ کی محبتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ یہ نامہ ہے عمارہ حامد کا روالپنڈی سے وہ لکھتی ہیں۔

عمارہ حامد نے بہت کم لکھا لیکن جو بھی لکھا بے حد اچھا لکھا اس محفل میں پہلی مرتبہ آئیں ہیں وہ اپنی چاہتوں کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں، فوزیہ آپی سب سے پہلے تو آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے میرے دونوں افسانوں کو اپنے ڈائجسٹ میں جگہ دی اور ہر ماہ ''حنا'' بھیجنے کا بھی بہت شکریہ اور اب میں ''سدرہ ریحان'' اور ''عشنا بھٹی'' کا بہت شکریہ ادا کرنا چاہوں گی، جنہوں نے میرے مختصر سے افسانے کو پسندیدگی کی سند بخشی اور اس قابل جانا کہ اپنی آراء کا اظہار کیا، میں آئندہ بھی اپنی تحریروں پر آپ کے اظہار خیال کا منتظر رہوں گی، فوزیہ آپی حنا پڑھتے ہوئے آٹھ سال بیت گئے لیکن خط پہلی دفعہ لکھ رہی ہوں، حنا ایک بے حد معیاری ڈائجسٹ ہے، خاص طور پر آپی میں یہ کہوں گی کہ اس کے ٹائٹل بہت زبردست ہوتے ہیں، اس دفعہ کا ٹائٹل تو مجھے بے حد پسند آیا، اس کے علاوہ سلسلے وار ناول دونوں ہی بہت خوبصورتی سے رواں دواں ہیں، مکمل ناول میں ہما عامر کا ناول بہت اچھا تھا، شروع سے آخر تک ہما کی کہانی پر گرفت بہت مضبوط رہی، ''کاسہ دل'' بھی بہت اچھے انداز میں آگے بڑھ رہا ہے، افسانوں میں عالی ناز کا افسانہ بہت اچھا تھا، پڑھ کر ایک دم طبیعت فریش ہو گئی اور عالی ناز آپ نے دوبارہ آنے کی پوچھا تھا تو دوست آپ ضرور آنا، آپ کی تحریر میں بہت روانی ہے اور آخر میں آپی آپ کو ایک اور افسانہ بھیج رہی ہوں، اس امید کے ساتھ کہ اسے بھی جگہ اور پذیرائی ملے گی۔

عمارہ حامد اس محفل میں دیکھ کر آپ کو بے حد خوشی ہوئی، حنا کی پسندیدگی کے لئے شکریہ، افسانہ مل گیا ہے جلد شائع کریں گے آپ اب کوشش کریں تھوڑا طویل تحریر لکھیں عالی ناز کی تحریریں انشا اللہ گاہے بگاہے شائع ہوتی رہیں گی، اپنے قیمتی وقت سے کچھ ٹائم نکال کر اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیں گا شکریہ۔

سید عبادت کاظمی: ڈیرہ اسماعیل خان سے لکھتے ہیں۔

نئے سال کا تازہ ترین شمارہ دس کو ملا حمد و نعت پڑھ کر سب سے پہلے ''کاسہ دل'' پڑھا بہت اچھی کہانی ہے، ہما عامر نے بہت اچھا لکھا لیکن سب سے اچھا ظل ہما نے لکھا ''تم آخری جزیرہ ہو'' ام مریم کی اچھی کاوش ہے لیکن آپ سونگ بہت شامل مت کیا کریں، معاذ اور پرنیاں کا ٹکراؤ تو بالکل فلمی لگتا ہے اور یہ نیلما کے

کردار کی وضاحت کریں، فوزیہ جی کی کہانی تو حنا کی جان ہے، اریبہ کے حالات پر بہت دکھ ہوا اور میں یہ پوچھنا چاہوں گا کیا مرد حضرات بھی لکھ سکتے ہیں۔

سید کاظمی صاحب، حنا کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ، ہم معذرت چاہتے ہیں کہ حنا میں مرد حضرات کی تحریریں شائع نہیں کی جاتی آپ کی آمد کا شکریہ۔

ہماری ایک اور نٹ کھٹ سی مصنفہ اور یہ ہیں عشاء بھٹی، ڈی جی خان سے آئیں ہیں (عشاء بھٹی ہم نے آپ کا نام صحیح لیا ہے نا) اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کیا ہے۔

اس دفعہ ماہنامہ حنا بارہ جنوری کو بطور سالگرہ نمبر ماصول ہوا سرورق میں ماڈل کے علارہ سب اچھا تھا، خاص طور پر ماڈل کا لباس اور میک اپ۔

فہرست پر نگاہ دوڑائی جہاں اپنا نام موجود پا کر بے انتہا خوشی ہوئی، فوزیہ آپی آپ نے میری کہانی شائع کر کے جو عزت بخشی ہے اس کے لئے میں ادارہ حنا اور خصوصاً آپ کی تہہ دل سے مشکور و ممنون رہوں گی۔

سب سے پہلے سردار انکل کی ''کچھ باتیں ہماریاں'' پڑھی جو بہت اچھی تھیں، انکل نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ بلاشبہ ماہنامہ حنا ایک ایسا جریدہ ہے جو خواتین کو تفریح فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو با مقصد طرز زندگی اختیار کرنے کی تربیت بھی دے رہا ہے۔

انشاء جی کو ہم سے بچھڑے 35 برس ہو گئے، ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا وہ کبھی پر نہیں ہو سکتا، انشاء جی ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے، حمد و نعت سے دل کو منور کیا، ''پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں'' پڑھی جس میں بدگمانی سے بچنے، گلہ کرنے اور چغل خوری کرنے کی ممانعت کرتا ہے اور درگزر کرنے، غصے سے بچنے اور اسلام میں پہل کرنے کا درس تھا۔

کہانیوں میں سب سے پہلے ام مریم کی ''تم آخری جزیرہ ہو'' پڑھی جس میں مجھے نوریہ کے بے جا نخرے ایک آنکھ نہیں بھاتے بچارے زیاد کو پاگل بنایا ہوا ہے، سدرہ ریحان شاہینوں کے شہر سرگودھا سے میں مکمل اتفاق کرتی ہوں کہ ام مریم اپنی تحریر میں انڈین سونگ کو کم کر دیں تو ان کی تحریر بلاشبہ خوبصورت و دلکش ہے۔

مکمل ناول میں ''کانچ سا احساس'' سعدیہ عابد کا ''محبت کو آباد کرنا'' ہما عامر کے ناول سے زیادہ اچھا تھا۔

افسانوں میں سب سے پہلے اپنی فیورٹ رائٹر قرۃ العین رائے کی ''سمجھوتہ'' پڑھی جو مختصر ہونے کے باوجود جامع تھی اچھی لگی۔

ناولٹ ایک ہی تھا جس میں سندس جبیں چھائی ہوئی ہیں، ''کاسہ دل'' سندس جبیں کی تحریر کردہ جو اپنی مثال آپ ہے اس میں مجھے بخت اور اسید کا کردار بہت اچھا لگتا ہے مجھے تو پہلے ہی شک تھا کہ عباس کی شادی ہبین کے ساتھ ہوگی۔

باقی افسانوں میں مصباح نوشین ''محبت دھنک رنگ''، عالی ناز ''بکرا عید ہاسٹل میں'' اور ''محبت ہار جائے تو'' ظل ہما کے افسانے پسند آئے۔

سب سے آخر میں اپنی موسٹ فیورٹ رائٹر فوزیہ غزل کا ناول ''وہ ستارہ صبح امید کا'' پڑھا جو کہ خوبصورتی سے اور معلومات کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔

ماریہ یقیناً دین اسلام میں داخل ہو گی، فوزیہ غزل جی ماریہ کی جوڑی وہاج کے ساتھ بنایئے گا، اریبہ کے لئے کوئی دوسرا انتظام کریں۔

مستقل سلسلوں میں رنگ حنا، میری ڈائری، حنا کی محفل، حنا کی محفل سے یاد آیا، اس محفل کو کہیں عبداللہ بھائی تو نہیں سجاتے؟

انشاء نامہ، بیاض، حاصل مطالعہ اور خبر نامہ ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے، کس قیامت کے یہ نامے کا تو جواب ہی نہیں، فوزیہ آپی آپ نے نیا سلسلہ کتاب نگر شروع کیا ہے جو کہ عنوان سمیت پسند آیا۔

یقیناً اب ہمیں اچھی اور معیاری کتب کے بارے میں تفصیلی معلومات مل سکیں گی، ممتاز مفتی کی کتاب لبیک پر سیمی کرن کا تبصرہ بہت اچھا تھا، انٹرویو میں موموفیئنی "حنا دلپزیر" سے ملاقات اچھی رہی، کاشف بھائی سے گزارش ہے کہ کرکٹر شاہد آفرید اور ناصر جمشید کا انٹرویو ضرور لیں۔

عشاء بھٹی کیسی ہو چندا جنوری کا حنا آپ کو پسند آیا شکریہ، آپ کے نام غلط شائع ہونے پر معذرت خواں ہیں، آپ کی تجاویز نوٹ کر لی ہیں انشاءاللہ جلد عمل کریں گے آپ کی تحریر موصول ہو گئیں ہیں باری آنے پر شائع کریں گے اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

زرقہ طارق، عذرہ طارق: لاہور سے لکھتی ہیں۔

حنا جنوری 2013ء کا شمارہ پڑھا، تھوڑا پسند آیا تھوڑا نہیں آیا، سب سے پہلے ٹائٹل کی بات کرتی چلوں، ٹائٹل گرل اور میک اپ تو ٹھیک تھا مگر ڈریسنگ کچھ خاص نہیں تھی، اسلامیات اور ابن انشاء دونوں ہی اچھے تھے۔

سلسلہ وار ناول میں کم ہی پڑھتی ہوں کیونکہ یہ سلسلے بہت لمبے ہوتے ہیں، ہاں مکمل ناول میں ہما عامر اور سعدیہ عابد نے کمال لکھا ہے، سندس جبیں بھی اپنی تحریر میں پختگی لا رہی ہیں جو کہ خوش آئندہ بات ہے۔

افسانوں میں عالی ناز ایک نیا نام اور بکرا عید ہاسٹل میں ایک نئی طرز کا شاہکار نظر آیا، کافی عرصہ بعد ایسی چٹ پٹی تحریر پڑھنے کو ملی جو بوریت کو کچھ کم کر دیتی ہے، یقیناً "منگیتر نامہ" بھی ایسا ہی مصالحے دار ہوگا۔

اس کے علاوہ ظل ہما، ثوبیہ، نورالعین کے افسانے بھی اپنی نوعیت کے بے حد اچھے افسانے ہیں، ان تمام رائٹرز کو ہماری طرف سے بہت سی دعائیں، ہم امید کرتے ہیں کہ وہ آئندہ بھی اپنے فن تحریر سے حنا کی مقبولیت کا باعث بنیں گی۔

قرۃ العین رائے جی کا "سمجھوتہ" اس ماہ کا بے حد اچھا افسانہ تھا، قرۃ العین آپ کے لئے دل سے بہت دعائیں نکلیں، "محبت ہار جائے تو" ایک انتہائی پر اثر افسانہ تھا، فرح طاہر قریشی کا "قسمت کے کھیل" بھی ایسا ہی زبردست لگا۔

اور یہ حاصل مطالعہ اور میری ڈائری سے دونوں کو بڑے شوق اور دل سے پڑھا، حنا ڈائجسٹ واقعتاً تعریف کے قابل ہے، ساری سلیکشن شاندار تھی، تہہ دل سے دعا ہے کہ حنا ڈائجسٹ دن دگنی رات چگنی ترقی سے ہمکنار ہو اور کامیابیوں کی بلندیوں کو چھوئے، آمین۔

زرقہ طارق اور عذرہ طارق آپ پہلی مرتبہ اس محفل میں تشریف لائیں خوش آمدید، حنا کی تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ، ٹائٹل گرل کا ڈریس آپ کو پسند نہیں آیا معذرت چاہتے ہیں، آئندہ آپ کے معیار پر پورا اترنے کی کوشش کریں گے اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

☆☆☆